نوادراتِ
مرثیہ نگاری
جلد دوّم
ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی
INDIA
25
MIR
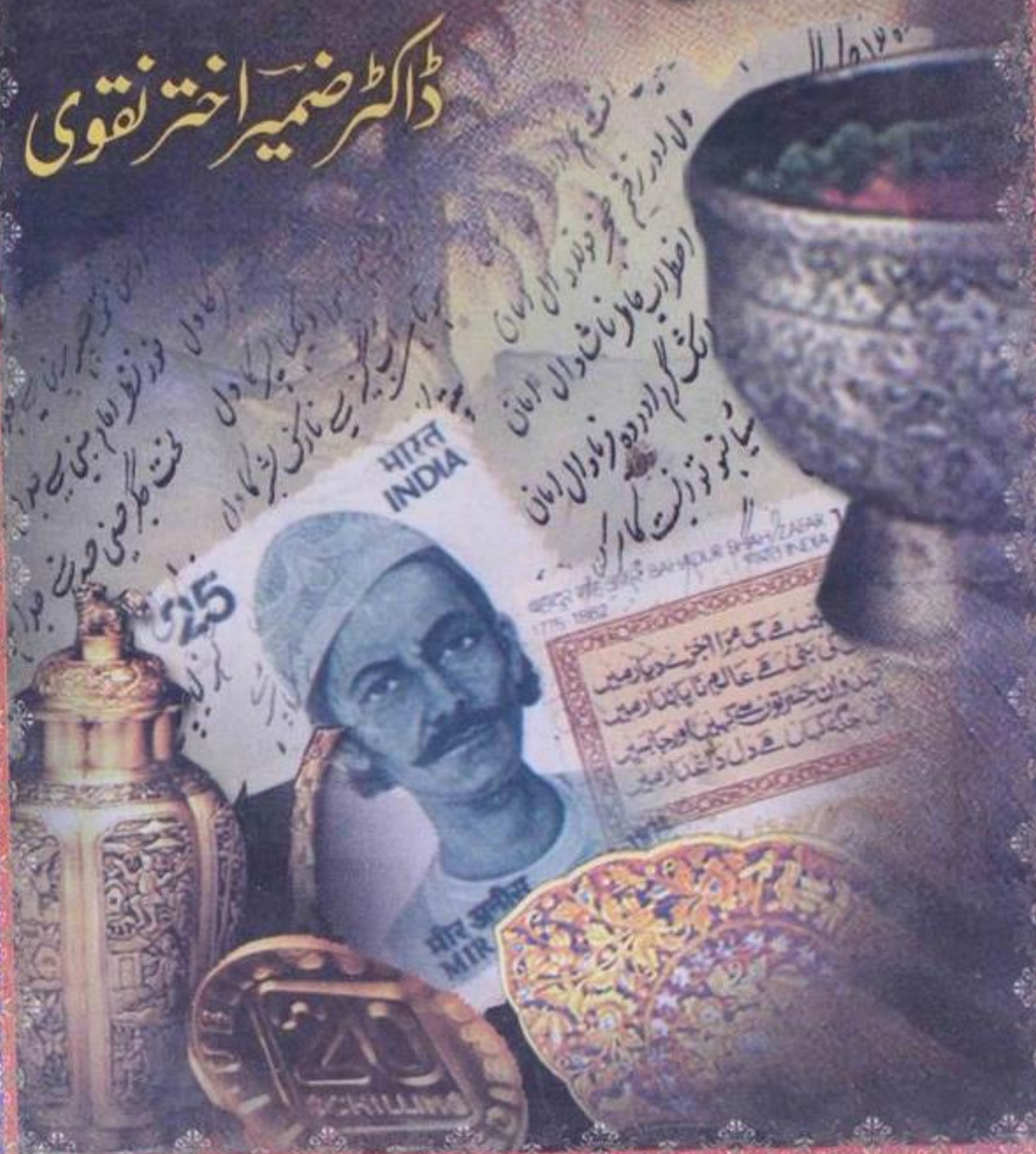
نوادراتِ مرثیہ نگاری

(جلد دوم)

ڈاکٹر علّامہ سیّد ضمیر اختر نقوی

مرکزِ علومِ اسلامیہ، کراچی۔ پاکستان

انتساب

پروفیسر ڈاکٹر شارب ردولوی
کے نام
جن کی تنقیدی کتابیں تمام لکھنے والوں
کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

روزنامہ جنگ کراچی، جمعہ ایڈیشن، ۲۸، مارچ ۱۹۸۶ء

علم و ادب------- انجمن---------- شہزاد منظر

شامِ انیسؔ

ڈاکٹر شارب ردولوی کی آمد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ''میر انیسؔ اکادمی'' نے بھی ان کے ایک لیکچر کا اہتمام کیا تھا جس کا موضوع ''کلام انیسؔ میں ڈرامائیت'' تھا، اجلاس کے میزبان ضمیر اختر نقوی نے حاضرین کو انیسؔ کے مرثیے پر ڈاکٹر شارب ردولوی کے بنیادی کام سے متعارف کرایا۔ ڈاکٹر شارب ردولوی نے کہا کہ ترقی پسندی کو کسی عہد یا کسی شاعر سے مخصوص کرنا درست نہیں ہے۔ ترقی پسندی دراصل آزاد خیالی کا نام ہے اس نقطہ نظر سے انیسؔ ایک ترقی پسند شاعر تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہماری تہذیبی تاریخ مرتب ہی نہیں ہوئی۔ انگریزوں کی آمد سے قبل مرثیے کو صرف عقائد کی روشنی میں دیکھا جاتا تھا۔ علامہ شبلی نے پہلی بار انیسؔ کے مرثیے کو جمالیاتی قدروں کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی اور ان کے کلام اور موضوعات میں شاعرانہ صفات تلاش کیں۔ انیسؔ کے مرثیے کا کمال یہ ہے کہ اس میں بیک وقت کئی اصناف سخن کا سراغ ملتا ہے یعنی ہجو بھی، غزل کا تغزل بھی اور ڈرامائیت بھی۔ یہ درست ہے کہ مرثیہ اور ڈرامہ الگ الگ اصناف ہیں لیکن جس طرح فردوسی کے شاہنامہ میں ایپک اور ڈرامے کی سرحدیں مل جاتی ہیں اس طرح انیسؔ کے ہاں بھی یہ سرحدیں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں۔ اگر انیسؔ کے مرثیے کو محدود معنوں میں ایپک کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ انیسؔ نے ایک ایک مرثیے کے ڈھائی سو اشعار میں ڈرامائی کشمکش پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ سانحہ کربلا سے کون واقف نہیں اس کے باوجود مرثیے کا سامع بالکل کھو جاتا ہے اور انجام کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ انیسؔ نے اردو شاعری میں ایکشن کے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے مرثیے میں ڈرامائی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ پروفیسر کرار حسین نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ان کے لیکچر کو بہت سراہا۔ علم و ادب سے تعلق رکھنے والے کراچی کے تمام ممتاز شعرا، ادیب، تنقید نگار اس اجلاس میں شریک تھے۔

فہرستِ مضامین و مقالات
(جلد دوم)

غیر مطبوعہ مرثیوں کی تلاش

عرصۂ پچاس برس سے غیر مطبوعہ مرثیوں کی تلاش جاری ہے، ایسے حضرات کی تعداد زیادہ ہے جنھوں نے مرثیے جمع تو کیے لیکن اُن کی فہرست ترتیب دی نہ کوئی تحقیقی کام کیا۔

ذاتی ذخیروں میں میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مرثیے بھرے پڑے ہیں، اس سلسلے میں خاندانِ میر انیسؔ کے سید علی محمد صاحب واثقؔ کا ذخیرۂ مراثی دیکھنے کا اتفاق ہوا، مکانِ میر انیسؔ میں ایک دن ہم واثقؔ صاحب کے ساتھ رہے اور مرثیوں سے بھرے بکس دیکھے جس میں انیسؔ، نفیسؔ، سلیسؔ، رئیسؔ، عارفؔ وغیرہ کے مرثیے تھے۔ واثقؔ صاحب نے مرثیوں کی فہرست نہیں بنائی ہے، اگر وہ مرثیوں کی فہرست تیار کر کے شائع کر دیں تو مرثیے کی تحقیق میں آسانی ہوگی۔ یہ کام کسی حد تک اُن کے چھوٹے بھائی علی احمد دانشؔ صاحب نے کیا ہے اُن کی بنائی ہوئی فہرست مراثی ہمارے پاس موجود ہے۔

بابو صاحب فائقؔ کے صاحبزادے اصغر حسین مرحوم کے پاس بھی قلمی مرثیوں کا ایک بکس بھرا ہوا تھا جو اُن کے انتقال کے بعد بارش کے پانی سے تباہ ہو گیا اُن کے ذخیرے کے مرثیوں میں میر عارفؔ کے مرثیے ہم نے ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم کو بھیجے تھے جو انھوں نے شائع کر دیئے تھے۔ بابو صاحب فائقؔ کے مرثیے علامہ طالب جوہری صاحب نے میرے کہنے سے خرید لئے تھے جو اُن کے پاس محفوظ ہیں۔

یوسف حسین (فرزند میر عارفؔ) نے بھی خاصی تعداد میں قلمی مرثیے جمع کئے تھے، اُن مرثیوں

کو انہوں نے نقل کر کے قلمی نسخے بوریوں میں بھر کے کراچی کے سمندر میں پھنکوا دیئے تھے، انہوں نے ایسا کیوں کیا یہ مصلحت میری سمجھ میں آج تک نہ آسکی۔

میر انیسؔ کے شاگرد میر سلامت علی کے پرنواسے سید منتجب حسین مرحوم نارتھ ناظم آباد کراچی میں رہتے تھے اکثر اتوار کے روز صبح سویرے ہمارے گھر رضویہ سوسائٹی آیا کرتے تھے اُن کے پاس خاندان میر انیسؔ کے مرثیوں کا ذخیرہ تھا، میں نے یہ ذخیرہ دیکھا ہے، اس ذخیرے کی فہرست بھی میرے پاس موجود ہے، منتجب حسین کے فرزند نجیب حسین کے انتقال کے بعد مرثیوں کے ذخیرے کا کیا بنا کچھ نہیں معلوم؟

تلاش و تحقیق کے اس سفر میں مجھے تین تذکرے قلمی غیر مطبوعہ مرثیہ نگار شعرا کے دستیاب ہوئے،

۱۔ تاریخ حزنیہ نگاری (تالیف:- سید یوسف حسین وصف نوگانوی)
۲۔ مرثیہ نگاروں کا تذکرہ (تالیف:- زاہدؔ سہارنپوری شاگرد امیرؔ مینائی)
۳۔ ”ذخیرۂ ذاکری تذکرۂ مرثیہ گویانِ اردو (قلمی نسخہ کتب خانہ شمس آباد)

۱۔ تاریخ حزنیہ نگاری (تالیف سید یوسف حسین وصفؔ نوگانوی) کا تعارف

یہ قلمی تذکرہ ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوا ہے اور تیرھویں صدی ہجری تک کے مرثیہ نگاروں کے حالات زندگی اور مرثیے شامل ہیں۔

مندرجہ ذیل شعرا کے مرثیوں کا ذکر اس قلمی نسخے میں ملتا ہے:-

۱۔ فریدالدین گنج شکر	۲۔ امیر خسروؔ	۳۔ عبدالرحیم خانخاناں
۴۔ نوری	۵۔ آتشی	۶۔ احمد
۷۔ ایاغی	۸۔ دولت	۹۔ خدیجہ سلطان بی بی

۱۰۔ خلیلی　۱۱۔ خیالی　۱۲۔ شوقی

۱۳۔ صفتی　۱۴۔ عاجز　۱۵۔ عشقی

۱۶۔ غواصی　۱۷۔ فیروز　۱۸۔ قلی قطب شاہ

۱۹۔ محمود　۲۰۔ مقیمی　۲۱۔ نشاطی

۲۲۔ نصرتی　۲۳۔ وجہی　۲۴۔ ہاشمی

۲۵۔ اثر　۲۶۔ اشرف　۲۷۔ آزاد

۲۸۔ افسردہ　۲۹۔ اکبر　۳۰۔ امامی

۳۱۔ امیر　۳۲۔ بحر　۳۳۔ بسمل

۳۴۔ بوتراب　۳۵۔ بیان　۳۶۔ بیکس

۳۷۔ تاثیر　۳۸۔ تصور　۳۹۔ میر تقی میر

۴۰۔ جرأت　۴۱۔ چراغ　۴۲۔ حاجی

۴۳۔ حزن　۴۴۔ حسن　۴۵۔ ذکا

۴۶۔ ذکی　۴۷۔ ذوقی　۴۸۔ شاہ راجو

۴۹۔ مرزا محمد رضا　۵۰۔ میر رضا علی　۵۱۔ رضی

۵۲۔ سعید　۵۳۔ سکندر　۵۴۔ سودا

۵۵۔ سیّد　۵۶۔ سیدن　۵۷۔ سیف

۵۸۔ شاد　۵۹۔ شاہ　۶۰۔ شائق

۶۱۔ شرف　۶۲۔ شہرت　۶۳۔ شیدا

۶۴۔ صبا　۶۵۔ صابر　۶۶۔ صادق

۶۷۔ ضاحک　۶۸۔ ضیا　۶۹۔ طور

۷۰۔ طاہر　۷۱۔ عاصی　۷۲۔ میر عبداللہ

۷۳۔ عشق　۷۴۔ عقیل　۷۵۔ عطا

۷۶۔ عظیم ۷۷۔ غلامی ۷۸۔ فائق

۷۹۔ فرخ ۸۰۔ فدا ۸۱۔ قادر

۸۲۔ قادر علی خاں ۸۳۔ قاسم ۸۴۔ قائم

۸۵۔ قدیر ۸۶۔ قیس ۸۷۔ کاظم

۸۸۔ کیواں ۸۹۔ گدا ۹۰۔ محبّ

۹۱۔ محسن ۹۲۔ مسکین ۹۳۔ مسیحا

۹۴۔ محمد علی ۹۵۔ شاہ محمد ۹۶۔ مرزا

۹۸۔ مرزا مغل ۹۸۔ مظہر جانجاناں ۹۹۔ موزوں

۱۰۰۔ مہدی ۱۰۱۔ میرن ۱۰۲۔ نادر

۱۰۳۔ ندیم ۱۰۴۔ نسیم ۱۰۵۔ نظر

۱۰۶۔ نواب ۱۰۷۔ نیر ۱۰۸۔ والہ

۱۰۹۔ وقار ۱۱۰۔ ولی ویلوری ۱۱۱۔ ولی دکنی

۱۱۲۔ ہاشم علی ۱۱۳۔ ہاشم ۱۱۴۔ ہادی

۱۱۵۔ ہوش ۱۱۶۔ یوسف ۱۱۷۔ یعقوب حسینی

۱۱۸۔ احسان ۱۱۹۔ الفت ۱۲۰۔ امانت

۱۲۱۔ انیس ۱۲۲۔ تشفی ۱۲۳۔ تعشق

۱۲۴۔ خلیق ۱۲۵۔ دبیر ۱۲۶۔ دلگیر

۱۲۷۔ ذوق ۱۲۸۔ زائر ۱۲۹۔ راشد

۱۳۰۔ شائستہ ۱۳۱۔ ضمیر ۱۳۲۔ ظہیر

۱۳۳۔ مرزا عالم ۱۳۴۔ غالب ۱۳۵۔ غبار

۱۳۶۔ فخر ۱۳۷۔ گویا ۱۳۸۔ متقی

۱۳۹۔ مشیر ۱۴۰۔ مونس ۱۴۱۔ ناظم

۱۴۲۔ نظیر اکبر آبادی	۱۴۳۔ واجد علی شاہ	۱۴۴۔ ادیب
۱۴۵۔ اریسؔ	۱۴۶۔ دولہا صاحب	۱۴۷۔ رفیع
۱۴۸۔ صفی	۱۴۹۔ عزیز	۱۵۰۔ سیفی
۱۵۱۔ علمدار	۱۵۲۔ محضر	۱۵۳۔ ناطق
۱۵۴۔ وصف	۱۵۵۔ مختار	۱۵۶۔ دانش

یوسف حسین وصفؔ نوگانوی نے یہ تذکرہ ۱۹۴۴ء میں مکمل کیا تھا، ابھی مرثیوں کا انتخاب درج کر رہے تھے کہ دیوانگی کا دورہ پڑ گیا، گھر میں اکیلے تھے ہزاروں قلمی نسخے اور کئی ہزار قلمی مرثیے بھینسوں کو کھلا دیئے، مکان میں اکیلے تھے، رشتے داروں کو بہت دیر میں معلوم ہوا کہ یہ حادثہ ہو گیا ہے۔ بہر حال دو سو مرثیے اور یہ تذکرہ کسی طرح اُن کے بھتیجے کے وساطت سے مجھے دستیاب ہو گیا۔

۲۔ مرثیہ نگاروں کا تذکرہ (تالیف:۔ زاہدؔ سہارنپوری شاگرد امیرؔ مینائی)

تعارف

زاہدؔ سہارنپوری کی خط و کتابت عبدالرؤف عشرت لکھنوی سے رہتی تھی۔ زاہد سہارنپوری نے جب مرثیہ نگاروں کا تذکرہ لکھنا شروع کیا انھیں عشرتؔ لکھنوی سے بہت سی معلومات حاصل ہوئیں جو انہوں نے تذکرے میں درج کر دی ہیں۔ زاہدؔ سہارنپوری کے پاس قلمی سلاموں اور مرثیوں کا ذخیرہ بھی تھا۔ یہ تمام ذخیرہ زاہدؔ سہارنپوری کے پوتے عاکف حسین کے پاس محفوظ تھا۔ عاکف حسین نے قلمی تذکرہ اور تمام مرثیوں کی فوٹو اسٹیٹ مجھے دے دی تھی۔ مندرجہ ذیل شعرا کے حالات زندگی اور مرثیے اس تذکرے میں شامل ہیں:۔

۱۔ میر انیسؔ	۲۔ مرزا دبیرؔ	۳۔ میر نفیس
۴۔ میر سلیس	۵۔ آغا ذہین	۶۔ میر عشق
۷۔ تعشق	۸۔ عارفؔ	۹۔ شیخ احسان
۱۰۔ مرزا فصیح	۱۱۔ میاں دلگیر	۱۲۔ میر خلیقؔ

۱۳۔ میاں سکندر ۱۴۔ میر ضاحک ۱۵۔ میر حسن

۱۶۔ گدا ۱۷۔ افسردہ ۱۸۔ مشرف

۱۹۔ نصیر ۲۰۔ مسکین ۲۱۔ ناجی

۲۲۔ دلاور علی عزا

۳۔ ''ذخیرۂ ذاکری'' تذکرۂ مرثیہ گویانِ اردو (قلمی نسخہ کتب خانہ شمس آباد)

تعارف

تالیف:-۱۹۲۴ء

یہ قلمی تذکرہ ہے جس میں مرثیہ نگاروں کے مختصر حالات اور اُن کے سلاموں اور مرثیوں کے مطلعے درج ہیں۔

مندرجہ ذیل مرثیہ نگاروں کے حالات اور مرثیے اس تذکرے میں شامل ہیں:-

۱۔ احسان (۱۰۳ مرثیے) ۲۔ افسردہ (۸۰ مرثیے) ۳۔ اکبر (۴ مرثیے)

۴۔ امانت (۱۷ مرثیے) ۵۔ امیر، میر عابد علی (۱۱ مرثیے) ۶۔ نواب محمد علی خاں امیر (۵ مرثیے)

۷۔ بشیر (۷ مرثیے) ۸۔ بہار (ایک مرثیہ) ۹۔ باقر، بنیاد علی (ایک مرثیہ)

۱۰۔ تصور (۳ مرثیے) ۱۱۔ تقی (۲ مرثیے) ۱۲۔ جواد (ایک مرثیہ)

۱۳۔ حامد (۸ مرثیے) ۱۴۔ حبیب (۳ مرثیے) ۱۵۔ حزیں (۲ مرثیے)

۱۶۔ حسینی (ایک مرثیہ) ۱۷۔ حشم (ایک مرثیہ) ۱۸۔ حکیم (ایک مرثیہ)

۱۹۔ حیدری (۱۴ مرثیے) ۲۰۔ خادم (۸ مرثیے) ۲۱۔ دیوانہ (ایک مرثیہ)

۲۲۔ ذخیر (ایک مرثیہ) ۲۳۔ ذکی (ایک مرثیہ) ۲۴۔ ذکی (دو مرثیے)

۲۵۔ رضا، مرزا غلام رضا (۴ مرثیے) ۲۶۔ رضوی (ایک مرثیہ) ۲۷۔ ذوق (۴ مرثیے)

۲۸۔ ریاض الدین ریاض (ایک مرثیہ) ۲۹۔ ذہین (ایک مرثیہ) ۳۰۔ رحیم (ایک مرثیہ)

۳۱۔ زکی (ایک مرثیہ) ۳۲۔ سجاد (ایک مرثیہ) ۳۳۔ سعید (۴ مرثیے)

۳۴۔زائر (۳ مرثیے) ۳۵۔ستار (ایک مرثیہ) ۳۶۔سردار (۲ مرثیے)

۳۷۔سعادت (ایک مرثیہ) ۳۸۔سکندر (۹ مرثیے) ۳۹۔سیّد (ایک مرثیہ)

۴۰۔سلیم (میر عباس شاگرد آتش) (۴ مرثیے) ۴۱۔شائستہ (ایک مرثیہ)

۴۲۔شائق (۲ مرثیے) ۴۳۔شرف (۲ مرثیے) ۴۴۔شرق (۴ مرثیے)

۴۵۔شریف (۸ مرثیے) ۴۶۔میر زندہ علی شریف (ایک مرثیہ)

۴۷۔شریف دہلوی (۲ مرثیے) ۴۸۔شوکت (۲ مرثیے) ۴۹۔شہرت (ایک مرثیہ)

۵۰۔صابر (۲ مرثیے) ۵۱۔صائم (ایک مرثیہ) ۵۲۔صحبت (ایک مرثیہ)

۵۳۔صیحت (ایک مرثیہ) ۵۴۔طپاں (۵ مرثیے) ۵۵۔طالبؔ (۲ مرثیے)

۵۶۔طوبیٰ (۳ مرثیے) ۵۷۔عاشق (ایک مرثیہ) ۵۸۔عالم (۱۲ مرثیے)

۵۹۔عجیب (ایک مرثیہ) ۶۰۔عروج (ایک مرثیہ) ۶۱۔عزا (۱۹ مرثیے)

۶۲۔عشرت (ایک مرثیہ) ۶۳۔عشیر (۲ مرثیے) ۶۴۔عظیم (۳ مرثیے)

۶۵۔علی، حیدر (نصیر الدین حیدر) (ایک مرثیہ) ۶۶۔غمین (۲ مرثیے)

۶۷۔غمگین (ایک مرثیہ) ۶۸۔فدا (۷ مرثیے) ۶۹۔فرخ (ایک مرثیہ)

۷۰۔فدائی (۳ مرثیے) ۷۱۔فصیح (پچاس مرثیے) ۷۲۔فغاں (ایک مرثیہ)

۷۳۔فکر (ایک مرثیہ) ۷۴۔فلک (۲ مرثیے) ۷۵۔قادر علی خاں (۲ مرثیے)

۷۶۔ قاسم (۵ مرثیے) ۷۷۔قبول (۵ مرثیے) ۷۸۔قمر (ایک مرثیہ)

۷۹۔قوی (ایک مرثیہ) ۸۰۔ قیصر (ایک مرثیہ) ۸۱۔کرم (۵ مرثیے)

۸۲۔گریاں (ایک مرثیہ) ۸۳۔گدا (۳۲ مرثیے) ۸۴۔ماتم (۵ مرثیے)

۸۵۔لطیف، شاگرد میر انیسؔ (۶ مرثیے) ۸۶۔ذہین (۲ مرثیے)

۸۷۔محتشم (دو مرثیے) ۸۸۔محسن (ایک مرثیہ) ۸۹۔مداح (ایک مرثیہ)

۹۰۔مذنب (۲ مرثیے) ۹۱۔مرتضیٰ (ایک مرثیہ) ۹۲۔محمد حسن مرزا (ایک مرثیہ)

۹۳۔مخفی (ایک مرثیہ) ۹۴۔مسکین (۸ مرثیے) ۹۵۔مشرف (۱۱ مرثیے)

۹۶۔ مسیح، حکیم محمد علی بعہد امجد علی شاہ (۳ مرثیے)　۹۷۔ مشیر (۲ مرثیے)

۹۸۔ مفتون (ایک مرثیہ)　۹۹۔ ملول (ایک مرثیہ)　۱۰۰۔ موزوں (۴ مرثیے)

۱۰۱۔ ناصر (ایک مرثیہ)　۱۰۲۔ نثار (۲ مرثیے)　۱۰۳۔ مہربان (۶ مرثیے)

۱۰۴۔ ناظم (۴۲ مرثیے)　۱۰۵۔ نظیر (۴ مرثیے)　۱۰۶۔ نیرہ مہدی مرزا (ایک مرثیہ)

۱۰۷۔ نادم (ایک مرثیہ)　۱۰۸۔ نحیف (ایک مرثیہ)　۱۰۹۔ نسیم (ایک مرثیہ)

۱۱۰۔ نصرت (۲ مرثیے)　۱۱۱۔ نصیر (۵ مرثیے)　۱۱۲۔ نقی (ایک مرثیہ)

۱۱۳۔ میاں نور، شاگرد ناسخ (۲ مرثیے)　۱۱۴۔ واصف (ایک مرثیہ)

۱۱۵۔ واقف (ایک مرثیہ)　۱۱۶۔ وزیر (ایک مرثیہ)　۱۱۷۔ ہوس (۳ مرثیے)

۱۱۸۔ یاس (ایک مرثیہ)　۱۱۹۔ یکتا (ایک مرثیہ)　۱۲۰۔ راسخ (۲ مرثیے)

۱۲۱۔ مہدی (ایک مرثیہ)　۱۲۲۔ لطف علی (ایک مرثیہ)　۱۲۳۔ صادق (ایک مرثیہ)

۱۲۴۔ حسین (ایک مرثیہ)　۱۲۵۔ جواہر (ایک مرثیہ)　۱۲۶۔ حیدر (ایک مرثیہ)

''ذخیرۂ ذاکری'' (قلمی شمس آباد) سے مرثیہ نگاروں کے سلسلے میں چند اہم باتوں کی معلومات ہوتی ہے مثلاً۔

حیدری مرثیہ گو کے لئے لکھا ہے:-

> ''دہلی اور مرشد آباد میں بھی رہے، مرثیے کے علاوہ غزلیں بھی کہی ہیں، لکھنؤ سے چند ساعت میں بہ معجزۂ امام کربلا معلیٰ پہنچے'' (ذخیرۂ ذاکری)

افسردہ کے لیے لکھا ہے:-

> ''افسردہ دہلی کے رہنے والے تھے، فیض آباد میں سرکار جناب عالیہ صاحبہ والدۂ آصف الدولہ میں ملازم تھے، لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ حیدر گنج کی کربلا میں اُن کی قبر ہے''۔ (ذخیرۂ ذاکری)

میرزا گدا علی گدا کے لئے لکھا ہے:-

> ''گدا کے بزرگ کابل سے آئے تھے، اس لئے دہلی میں وہ میرزا گدا علی کابلی

کے نام سے مشہور تھے"۔(ذخیرۂ ذاکری)

خادم علی خادؔم کے لئے لکھا ہے:-

"خادم علی ساکن مراد آباد، شاگردِ احسانؔ، زمانۂ آصف الدولہ بہادر میں سرکار راجہ جھاؤلال میں بمنزلۂ ذاکرین ملازم تھے"۔(ذخیرۂ ذاکری)

ناظؔم مرثیہ گو کے سلسلے میں لکھا ہے:-

"ناظؔم کا پورا نام سیّد عبداللہ ناظؔم لکھنوی ہے، نواب شمس آباد کے کتب خانے میں ناظؔم کے پچاس مرثیے محفوظ ہیں"۔(ذخیرۂ ذاکری)

ضمیؔر اور دلگیؔر کے شاگردوں کے حالات اور مرثیوں کی تفصیلات بھی اس تذکرے میں موجود ہے۔مثلاً دلگیر کے دو شاگردوں کا حال لکھا ہے:-

"جوادؔ، شاگرد دلگیؔر، ہم عصر میر علی صاحب مرثیہ خوان ان کے مرثیے ہیں":-

۱۔	پا چکے رن کی رضا شاہ سے جس دم عباسؑ	بند ۴۰
۲۔	جب کہ شبیرؑ کا کچھ حال بیاں کرتا ہوں	// ۴۲
۳۔	یارو برگشتہ تھے بیووں کے ستارے کیسے	// ۶۴
۴۔	سینہ اکبرؑ کا جو برچھی سے چھدا رن میں	// ۳۹
۵۔	جب کہ اکبرؑ کو رضا رن کی نہ دی سرورؑ نے	

دلگیؔر کے ایک اور شاگرد کا ذکر ہے:-

جودتؔ "میر اکبر علی ولد میر اعظم علی ساکن بریلی شاگرد دلگیؔر"۔

مشہور مرثیے ہیں:-

۱۔	اے یارو غم لا ولدی کاہشِ جاں ہے	بند ۶۳
۲۔	جب مستعد جہاد پہ شاہ ہدا ہوئے	// ۵۱
۳۔	زینبؑ کو صبح قتل عجب اضطراب تھا	// ۷۹
۴۔	کرتا ہوں بیاں مومنو عاشور کی شب کا	// ۹۱

۵۔ شوق ہے دل کو مرے آئینہ آرائی کا

۶۔ جب نونہال باغ پیمبرؐ قلم ہوا

شائقؔ مرثیہ گو کے لئے لکھا ہے

صبح عاشورہ ہوئی جس وقت رن میں آشکار بند ۳۷

''یہ مرثیہ میر علی سوزخوان کی فرمائش پر لکھا گیا''۔

میر ضمیرؔ کے شاگرد اسیرؔ فرخ آبادی اور میر خلیقؔ کے شاگرد طپاںؔ کے مرثیوں کی تفصیل بھی اس تذکرے میں موجود ہے۔

مرثیوں کے تحقیق میں دو اہم کام ابھی مکمل نہیں ہو سکے ہیں، ایک طرف ہزاروں مرثیے ایسے ہیں جن کے مصنفین کے حالاتِ زندگی نہیں ملتے۔ دوسری طرف تذکروں میں ایسے مرثیہ گو شعرا کے حالات دستیاب ہیں جن کے مرثیے تلاش کے باوجود اب تک نہیں مل سکے ہیں۔ ان دونوں باتوں کو بنیاد بنا کر مرثیے کی تاریخ لکھنا ہوگی۔ اس کام میں ابھی کتنا عرصہ درکار ہوگا، یہ کہنا مشکل ہے لیکن مکمل ''تاریخ مرثیہ نگاری'' اسی وقت مکمل ہوگی جب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، ہم نے اسی کام کا آغاز کیا ہے اور یہ دو (۲) جلدیں ''نوادرات مرثیہ نگاری'' اِسی تحقیق کا نقطۂ آغاز ہیں۔

مرثیے کی تاریخ میں بیگماتِ اودھ کا حصّہ

اب تک ڈاکٹر اکبر حیدری کی آٹھ کتابیں مرثیہ نگاری سے متعلق شائع ہو چکی ہیں ان میں ضخیم کتابیں صرف دو ہیں، یہ آٹھ کتابیں معیار کے اعتبار سے قابل ذکر نہیں ہیں۔ تحقیق اور تنقید کے اصولوں سے وہ ناواقف ہیں۔ مواد جمع کر دیتے ہیں اس کو سنبھالنا ان کے بس میں نہیں ہے، میں نے ان کی غلطیوں کو شمار کیا ہے اور ایک کتاب اس سلسلے میں تالیف کر دی ہے۔

فی الحال اس وقت ان کی حالیہ غلطی پر ''رثائی ادب'' کے لئے چند سطور لکھ رہا ہوں، ان غلطیوں کا ازالہ نہ کیا گیا تو مرثیے کی تاریخ مسخ ہو کر رہ جائے گی۔

''رثائی ادب'' کراچی کا سولھواں شمارہ خواتین نمبر ہے، اس میں ڈاکٹر اکبر حیدری نے ۳۶ بند کا ایک مرثیہ پیش کیا ہے، جس کا مطلع ہے:۔

برباد الٰہی نہ کوئی پردہ نشیں ہو

مرثیہ بہت مشہور ہے، اکثر سوز خوانوں کے بستے میں موجود ہے، متعدد مرتبہ چھپ چکا ہے، ڈاکٹر اکبر حیدری کا دعویٰ ہے کہ یہ غیر مطبوعہ مرثیہ ہے حالانکہ یہ مرثیہ میرے کتب خانے میں دس کتابوں میں مطبوعہ موجود ہے۔

ڈاکٹر اکبر حیدری کی تحقیق ہے کہ یہ مرثیہ میر حسنؔ کے خانوادے کی شاعرہ گوہر آرا بیگم گوہرؔ کا ہے۔

ڈاکٹر اکبر حیدری کی تحقیق کا طریقہ کار ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:۔

''ایک بہت ہی پرانا اور غیر مطبوعہ مرثیہ رضوی تخلص ۳۷ بند کا میں نے دیکھا مطلع ہے:۔

خدا فراق سے ہر دل کو آشنا نہ کرے۔

اس کے مقطع میں گوہر آرا بیگم کے لئے دعا کی گئی ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھیں، غالباً زیر نظر مرثیہ کی مصنفہ وہی ہیں، مرثیے کا سال کتابت ۱۲۷۲ھ ہے، یہ یقیناً اس تاریخ سے پہلے تصنیف کیا گیا ہوگا، مرثیہ کسی امراؤ بیگم کی ملکیت تھا اس پر ان کے دستخط اور مہر بھی ثبت ہے۔ مہر میں ۱۲۶۳ھ کی تاریخ ہے، فی الحال یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون صاحبہ تھیں'' (رثائی ادب شمارہ ۱۶ اص ۱۹)

ڈاکٹر اکبر حیدری مرثیے کی تاریخ کو مسلسل مسخ کرنے میں مصروف ہیں، چونکہ مرثیے کے مطالعہ کا ان کے پاس فقدان ہے، مرثیہ پڑھ کر سمجھنا ان کا مزاج ہی نہیں ہے وہ زیادہ تر سن اور مطبع کے پھیر میں رہتے ہیں، مخطوطے کو مکمل پڑھتے بھی نہیں ہیں اور پڑھ بھی نہیں سکتے ہیں کہ اردو ان کی زبان نہیں ہے، مہاراج کمار مرحوم نے جو مرثیوں کے اشاریے بنائے تھے اُن مرثیوں سے وہ کام چلاتے رہتے ہیں۔ خود ان کی اپنی کوئی کوشش، جستجو یا تحقیق نہیں ہوتی ہے۔

اب مہاراج کمار کے کتب خانے کے اس مخطوطے کی تفصیلات درج کردوں، مہاراج کمار محمود آباد نے قلمی مرثیوں کا اشاریہ حروف تہجی کے اعتبار سے بنایا ہے، مرثیہ نگاروں کے نام لکھے ہیں اور ان کے مرثیوں کے مطلع جات اور کتابت کا سن وغیرہ لکھ دیا ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے مندرجہ ذیل مرثیہ نگاروں کی فہرست یہاں درج کی جاتی ہے:۔

۱۔اصغر	۲۔امیر	۳۔باقر	۴۔بلیغ	۵۔بشیر
۶۔تشفی	۷۔تعشق	۸۔حزیں	۹۔حمید	۱۰۔ذاکر
۱۱۔ذہین	۱۲۔رضا	۱۳۔رئیس	۱۴۔زائر	۱۵۔زکی
۱۶۔سحر	۱۷۔سجاد	۱۸۔سلیس	۱۹۔سعید	۲۰۔شرر
۲۱۔شرف	۲۲۔شرق	۲۳۔شریف	۲۴۔شوق	۲۵۔عابد
۲۶۔عالم	۲۷۔طوبیٰ	۲۸۔ظہور	۲۹۔فارغ	۳۰۔فدا
۳۱۔قمر	۳۲۔کلیم	۳۳۔گوہر	۳۴۔لائق	۳۵۔لطیف
۳۶۔نظیر	۳۷۔نفیس	۳۸۔نیر	۳۹۔وحید	۴۰۔وفا

۴۱۔ہوش وغیرہ

یہ کل مرثیے مہاراج کمار مرحوم نے مجھے دکھائے تھے اور متعدد مرثیے میرے کتب

خانے میں موجود ہیں۔

۳۳ نمبر پر جو مرثیہ ہے فہرست میں یہ مرثیہ گوہر بیگم گوہؔر سے منسوب کیا گیا ہے جس کی کوئی سند نہیں ہے۔

برباد الٰہی نہ کوئی پردہ نشیں ہو

۳۱ بند در حال حضرت زینبؑ

نسخہ امراؤ بیگم مُہر ۱۲۶۳ھ (۱۲۷۲ھ)

مرثیے میں مقطع نہیں ہے، مرثیے کے پہلے صفحہ پر دو خواتین کے نام لکھے ہیں۔

حرف ''ر'' میں رضوی کا مرثیہ بھی ہے:۔

خدا فراق سے ہر دل کو آشنا نہ کرے

اس مرثیے میں ۳۷ بند ہیں، مقطع میں گوہر آرا بیگم کے لئے دعا ہے۔ رضوؔی کے اس مرثیے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گوہؔر آرا مرثیے بھی کہتی تھیں، عام طور پر شعرا مقطعوں میں اپنے مربی اور سرپرست کے لئے دعا کرتے تھے۔ مثلاً مہاراج کمار مرحوم کے مرثیوں میں حرف ''عین'' میں مرزا محمد عالم کا مرثیہ ہے:۔

جب نہر سے عباسؑ چلے گھر کی طرف کو

(۱۲۷۱ھ)

اس مرثیے میں شاعر مرزا محمد عالم نے ملکہ جہاں کے لئے دعا کی ہے، ملکہ جہاں بادشاہِ اودھ محمد علی شاہ کی بیوی تھیں۔ عیش باغ لکھنؤ میں تقریباً دس لاکھ روپے سے انھوں نے ایک کربلا تعمیر کرائی تھی جو ملکہ جہاں کی کربلا کے نام سے مشہور ہے، ۱۸۷۱ء میں وہ کربلائے مُعلیٰ عراق چلی گئی تھی۔ جب وہ بصرے پہونچیں تو ترکی حکومت نے گیارہ توپوں کی سلامی دی تھی، روضۂ امام حسینؑ کے دروازوں پر انھوں نے سونا اور چاندی چڑھوایا تھا۔ ملکہ جہاں کے لئے مرزا محمد عالم اپنے مرثیے میں دعا کرتے ہیں:۔

اب آگے بیاں کیا کرے عالم جگر افگار — ہے حق سے دعا میری کہ اے خالق مختار

از بہر نبیؐ ، فاطمہؑ و حیدرؑ کرآر — ہے ملکہ جہاںؔ اب جو یہ حضرت کی عزادار

جو مطلب دل ان کا ہو وہ جلد دلا دے

اور روضۂ پُر نور انھیں شہؑ کا دکھا دے

مقطع میں ملکہ جہاں کا نام آیا ہے تو کیا مرثیہ ملکہ جہاں کا ہو گیا، نہیں یہ مرثیہ مرزا محمد عالمؔ کا ہے جو غازی الدین حیدر کے عہد کے مشہور مرثیہ نگار تھے، انھوں نے مقطع میں اپنی سرپرست اور مربیّ کا ذکر کیا ہے۔

مہاراج کمار کے مرثیوں میں حرف عین میں مرزا محمد عالمؔ اور عالم آرا عالمؔ دو تخلص موجود ہیں، اکبر حیدری اگر خاص محل عالم آرا عالمؔ (زوجہ واجد علی شاہ تاجدار اودھ) کا مندرجہ ذیل مرثیہ دیکھ لیتے تو بہتر تھا:۔

سجادؑ کو جب حکم ہوا اہل ستم کا

مرثیے کے پہلے صفحہ پر درج ہے بند ۴۱، نسخہ ۱۴۷۰ھ تصنیف خاص محل عالمؔ، آخر میں حضور السلطان امراؤ بیگم کے دستخط اور مہریں ہیں اور امراؤ بیگم ۱۲۶۳ھ ثبت ہے۔

اس مرثیے کو دیکھنے کے بعد یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ امراؤ بیگم کون ہیں، ڈاکٹر اکبر حیدری نے دراصل مہاراج کمار کے ان قلمی مرثیوں کو دیکھا ہی نہیں ہے، وہ تو فہرست دیکھ کر ایک ایک مرثیہ فوٹو اسٹیٹ کراتے رہتے ہیں، ضرورت ہے کہ دلجمعی سے بیٹھ کر ایک ایک مخطوطے کو بغور پڑھا جائے پھر قلم اٹھایا جائے۔

ڈاکٹر اکبر حیدری نے صرف ایک مرثیے پر امراؤ بیگم اور گوہر آرا دو نام دیکھے اور چونکہ مہاراج کمار مرحوم نے مرثیہ نگاروں کی فہرست میں گوہرؔ تخلص لکھا ہے تو اکبر حیدری نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ یہ مرثیہ گوہرؔ کا ہے جب کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ گوہرؔ کون ہیں قیاس آرائی سے بس یہ کہہ دیا میر حسنؔ کے خاندان کی تھیں۔

عالم آرا عالمؔ کا مرثیہ دیکھنے کے بعد یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ امراؤ بیگم کون ہیں، امراؤ بیگم کے نام کے ساتھ ''حضور السلطان'' کا لقب لکھا ہے۔

واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی اٹھارہ ممتوعہ بیویاں ایسی تھیں جن کو ''حضور السلطان'' (حضور والیوں) کا خطاب عنایت کیا گیا تھا۔ ان میں ایک امراؤ بیگم بھی تھیں۔'' (ملاحظہ ہو ''بیگمات اودھ'' ص ۲۱۴)

واجد علی شاہ خود مثنوی میں ان کی تعریف میں کہتے ہیں۔

جو امراؤ تھا اسم ماہِ تمام

امراؤ بیگم کے علاوہ واجد علی شاہ کی ایک بیوی اور ایک ممتوعہ بیوی کے نام بھی ''امراؤ'' تھے۔ایک بیوی کا خطاب ''امراؤ محل'' تھا۔ان کا ذکر بھی بادشاہ نے کیا ہے۔

محل ساتواں وہ جو امراؤ تھا

واجد علی شاہ کی ایک اور بیگم ''سکندر محل'' کا اصل نام بھی ''امراؤ'' تھا۔

ڈاکٹر اکبر حیدری کا یہ کہنا کہ ''امراؤ بیگم'' کون صاحبہ تھیں، یہ ایک محقق کو زیب نہیں دیتا اس کے معنی یہ ہیں کہ اودھ کی مرثیہ نگاری پر تحقیق کرنے والا اودھ کی تاریخ سے بالکل بے خبر ہے۔

یہ ''حضور السلطان امراؤ بیگم'' ہیں جو مرثیے کی مالک ہیں، یہ قلمی مخطوطہ ان کی ملکیت میں رہا ہے۔امراؤ بیگم نہایت خوش گلو خاتون تھیں، برائے سوز خوانی یہ مرثیہ انھوں نے میر عشق سے منگوایا تھا۔یہ مرثیہ میر عشق کی تصنیف ہے:۔

برباد الٰہی نہ کوئی پردہ نشیں ہو

یہ مرثیہ میر عشق کے مرثیوں کی نایاب مطبوعہ جلد دوم ''برہان غم'' (مطبوعہ ۱۲۹۹ھ) کے صفحہ نمبر ۵۱۹ پر موجود ہے، اصل مرثیے میں ۳۸ بند ہیں۔مہاراج کمار کے مخطوطے میں دو بند کم ہیں، وہ دو بند یہ ہیں:۔

بس عشق کہ اب ضبط فغاں ہو نہیں سکتا — زینبؑ کی شہادت کا بیاں ہو نہیں سکتا
یہ حالِ غم اندوزعیاں ہو نہیں سکتا — اندوہ سے خامہ بھی رواں ہو نہیں سکتا
شبیرؑ سے کہہ شیفتہ رب کا تصدق
تائید کرو حضرت زینبؑ کا تصدق

خالق سے دعا مانگ یہ عشق جگر افگار — نواب سلامت رہیں اے ایزدغفار
یہ صاحب مجلس جو ہے زینبؑ کی عزادار — غم ہو نہ انھیں جز غم سلطان خوش اطوار
عباسؑ کا سایہ رہے شبیرؑ کا سایہ
زہراؑ کی اماں زینبؑ دلگیر کا سایہ

یہ مرثیہ نواب اختر محل (زوجہء بادشاہ واجد علی شاہ) کے یہاں پڑھا گیا، میر عشق نے

مقطع میں ان کا ذکر کیا ہے:۔

نواب سلامت رہیں اے ایزدغفار
یہ صاحب مجلس جو ہے زینبؑ کی عزادار

نواب اختر محل کچھ دنوں حیدر گنج لکھنؤ کی پہلی کوٹھی میں قیام پذیر رہیں، یہ کوٹھی محمد مہدی ادیبؒ مجتہد کی تھی جو اب تک موجود ہے یہاں وہ حضرت زینبؑ کی شہادت کی مجلس منعقد کرتی تھیں۔

اب ایک اہم مسئلہ یہ کہ گوہر آرا بیگم کون ہیں؟ گوہر آرا بیگم، نواب اختر محل کی والدہ ہیں اور نواب علی نقی خان (وزیر اعظم واجد علی شاہ) کی بیوی ہیں۔

گوہر آرا بیگم کے حالات

شیخ تصدق حسین لکھتے ہیں:۔

''مشہور ہے کہ نواب علی نقی خاں کا خاندان خوش گلوئی اور خوب صورتی کے لئے شہرۂ آفاق تھا، نواب علی نقی خاں کو موسیقی میں بہت دخل تھا اسی ہم مذاقی کی وجہ سے واجد علی شاہ کو ان سے بہت موافقت اور موانست ہوگئی تھی، اختر محل کے حسن و جمال کے بادشاہ خود معترف ہیں۔ (بیگمات اودھ ص ۳۲۶)

''سلطان عالم واجد علی شاہ کی پہلی شادی بزمانہ ولی عہدی نواب علی نقی خاں وزیر اعظم کی سگی بھتیجی نواب عالم آرا بیگم (نواب علی تقی خاں کی بیٹی) کے ساتھ ہوئی تھی مگر تخت نشینی کے چوتھے سال بتاریخ ۴ شعبان بروز پنجشنبہ ۱۲۶۷ھ مطابق جون ۱۸۵۱ء انھوں نے اپنی مرضی اور خود پسندی سے حضور عالم نواب علی نقی خاں کی تیسری بیٹی رونق آرا بیگم سے بھی شادی رچائی جو نواب کی بیاہتا بیوی گوہر آرا بیگم سے تھیں، ملکہ اودھ نواب اختر محل ان کو خطاب ملا تھا۔ (بیگمات اودھ ۲۲۵)

''۱۲۸۸ھ میں نواب اختر محل کے والد حضور عالم نواب علی نقی خان کلکتے سے لکھنؤ واپس آئے اور ۲۱ رمضان کو نواب محسن الدولہ کے مکان پر انتقال کیا، پھر پورے سال بھر کے بعد ماہ رمضان ۱۲۸۹ھ میں نواب اختر محل کی والدہ گوہر آرا بیگم نے بھی انتقال کیا۔ ان کی لاش

کربلائے معلیٰ بھیجی گئی۔'' (بیگمات اودھ ص ۲۳۴)

گوہر آرا بیگم بھی خوش گلو خاتون تھیں، یہ مرثیہ نواب اختر محل کے یہاں پڑھا گیا اور امراؤ بیگم سے یہ مرثیہ گوہر آرا بیگم کو ملا۔ حضور السلطان امراؤ بیگم کی مہر ۱۲۶۳ھ میں ڈھالی گئی تھی، ہر مرثیہ پر وہ اسی مہر کا استعمال کرتی تھیں ورنہ مرثیہ ۱۲۷۲ھ میں پڑھا گیا ہے۔ عالم آرا بیگم کا مرثیہ ۱۲۷۰ھ کی تصنیف ہے یہ مرثیہ بھی امراؤ بیگم نے پڑھا ہے اور مہر پرانی ثبت کی گئی ہے یعنی ۱۲۶۳ھ کی بنی ہوئی مہر ہے۔

''گوہر آرا بیگم کو اپنی شان وشوکت پر بہت ناز تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنی سمدھن نواب ملکہ کشور محل صاحبہ (والدہ واجد علی شاہ) سے ملنے کے لئے چھتر منزل پہنچیں، بادشاہ کی والدہ نے ملاقات کا جو وقت دیا تھا گوہر آرا بیگم اس وقت سے بہت پہلے پہنچ گئی تھیں۔ اس لئے محل کی کنیزوں نے وزیر اودھ کی بیوی کو مہمان خانے میں بیٹھا دیا اور انتظار کرنے کو کہا، بھلا وزیر اعظم کی بیوی کو یہ کب برداشت ہوتا وہ کنیزوں پر برس پڑیں اور کہا کہ اگر وہ شاہ اودھ کی ماں ہیں تو میں بھی ملکہ اودھ نواب اختر محل کی ماں ہوں پھر میرے ساتھ یہ برتاؤ کیسا ہو رہا ہے، ملکہ کشور قائدے قانون کی بہت پابند تھیں اس لئے وہ بالکل صحیح وقت پر محل سے برآمد ہوئیں اور گوہر آرا بیگم کی بہت خاطر داری کی، کچھ دیر بعد گوہر آرا بیگم نے محل کی کنیزوں کی شکایت کی، اس پر جناب عالیہ ملکہ کشور نے صرف اتنا کہا ''وہ ہماری خادمائیں ہیں'' ہم نے ان سے جو کہا انھوں نے وہی کیا اور اس میں کچھ غلط نہیں کیا، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ آپ نے ان ادنیٰ عورتوں سے زبان لڑائی جو آپ کے لئے مناسب نہ تھا اس بات پر گوہر آرا بیگم اٹھ کے پالکی میں بیٹھ گئیں اور واپس تحسین گنج روانہ ہوگئیں۔''

واجد علی شاہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھیں بہت رنج ہوا، واجد علی شاہ نے اپنے وزیر علی نقی خاں سے صاف صاف کہہ دیا۔

جب تک آپ کی بیگم (گوہر آرا بیگم) میری والدہ سے معافی نہ مانگیں گی کوئی رشتے داری نہ رہے گی اور پھر دوسرے ہی دن دربار میں گوہر آرا بیگم نے آ کر ملکہ کشور محل سے معافی مانگی۔ (لکھنؤ نامہ ص ۷۸ (ہندی) یوگیش پروین)

عہد شاہی میں نواب علی نقی خاں خاص وعام میں بے حد ہر دل عزیز تھے۔ میر ضمیر ان

کی مدح میں فرماتے ہیں:۔

نواب ہے محسن مرا آباد رہے یہ
ہم نام علی اور نقی شاد رہے یہ

خاص محل عالم آرا بیگم عالَم کے حالات

واجد علی شاہ کی پہلی بیوی تھیں۔ انھیں خاص محل کا رتبہ حاصل تھا۔ عالم آرا بیگم بنت نواب علی تقی خاں بہادر (نواب علی نقی خاں کے بھائی) ابن شرف الدولہ ابن مدار الدولہ۔ واجد علی شاہ نے عالم آرا بیگم کے نام سے ''عالم باغ'' تعمیر کرایا تھا۔ باغ تو اجڑ گیا مگر اس نام کا محلّہ لکھنؤ میں بہ طور یادگار موجود ہے۔ عالم آرا بیگم نے ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ مطابق ۳۱ مارچ ۱۸۹۴ء کو ۶۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ امام باڑہ سبطین آباد مٹیا برج کلکتہ میں دفن ہوئیں۔ ایک دیوان غزلیات ''بیاض عشاق'' ایک مثنوی بنام ''مثنوی عالَم'' اور چند مرثیے بہ طور یادگار ہیں جو ہمارے کتب خانے میں موجود ہیں۔

مہاراج کمار کے کتب خانے میں عالَم کے تین مرثیے ہیں۔

۱۔ جب نہر پر بپا ہوا خیمہ حسینؑ کا ۲۰ بند

۲۔ سجادؑ کو جب حکم ہوا اہل ستم کا ۴۱ بند

(نسخہ ۱۲۷۰ھ تصنیف خاص محل عالَم آخر میں حضور السلطان امراؤ بیگم کے دستخط اور مہریں ہیں اور امراؤ بیگم ۱۲۶۳ھ ثبت ہے)

۳۔ اجل جب اصغرؑ ناداں کو آئی ۴۱ بند

یہ مرثیے ذخیرۂ مسعود حسن ادیبؔ میں علی گڑھ یونیورسٹی میں بھی موجود ہیں، اس کے علاوہ ذخیرۂ ادیبؔ میں مرزا محمد عالَم کے مندرجہ ذیل مرثیے ہیں جو عہد نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے مرثیہ گو شاعر تھے۔

۱۔ جب جنگ کے میداں میں شہ بحر و بر آئے ۵۲ بند

۲۔ غم میں جوشہؑ دیں کے حزیں ہوتی تھیں صغراؑ ۴۱ بند

۳۔ کیا مرتبۂ بنت نبیؐ ہم سے بیاں ہو — ۵۳ بند

۴۔ حقا کہ قلم بلبل بستان سخن ہے — ۵۲ بند

۵۔ چھوٹ کر شام سے یثرب میں جو آئے قیدی — ۳۰ بند

۶۔ آئے جس وقت اسیران عرب کوفے میں — ۳۳ بند

۷۔ اے مومنو صغراؑ پہ عجب رنج و بلا ہے — ۲۹ بند — ۱۲۷۸ھ

۸۔ علی اصغرؑ موئے جب تیر کھا کر — ۳۲ بند

۹۔ شبیرؑ سے جب رن میں جدا ہو گئے اکبرؑ — ۳۵ بند — ۱۲۴۱ھ

۱۰۔ جب نہر پر بپا ہوا خیمہ حسینؑ کا — ۲۱ بند — ۱۲۷۱ھ

۱۱۔ ہے افتخارِ کون و مکاں مرتضیٰ علیؑ — ۲۴ بند

۱۲۔ جب نہر سے عباسؑ چلے گھر کی طرف کو — ۲۶ بند — ۱۲۷۱ھ

(اس مرثیے میں مرزا محمد عالم نے مقطع میں عالم الملکہ جہاں کے لئے دعا کی ہے)

۱۳۔ جب منزل تفوق میں خیمے بپا ہوئے — ۴۴ بند

۱۴۔ جب ظالموں نے قتل کیا سرور دیں کو — ۲۸ بند

۱۵۔ ہے خلقت انسان فقط رنج و عنا سے — ۹۲ بند

۱۶۔ جب مر گئی سکینہؑ فراق امام میں — ۳۲ بند

ذخیرہ مسعود حسن ادیبؔ میں ان مرثیوں پر مرزا محمد عالمؔ لکھا ہے اور مہر بھی انھیں کی لگی ہوئی ہے۔ امجد علی خاں مرحوم نے یہ مرثیے میری ڈائری سے نوٹ کئے تھے اور جب واجد علی شاہ کی مثنوی ''حزنِ اختر'' انھوں نے شائع کی اس کے حواشی میں مرزا محمد عالمؔ اور عالم آرا بیگم عالمؔ کے مرثیوں کے مطلعے خلط ملط کر کے شائع کر دیے۔ یہ تفصیلات اس لئے درج کی گئی ہیں تا کہ ڈاکٹر اکبر حیدری تحقیق کے بغیر ان مرثیوں کے ساتھ بھی ظلم نہ کر بیٹھیں۔

مرزا محمد عالمؔ نے ایک مرثیے میں بادشاہ نصیر الدین حیدر کا ذکر کیا ہے، ایک مرثیے میں شرف الدّولہ کا ذکر کیا ہے مرثیے کا مطلع ہے:۔ ''اے مومنو صغراؑ پہ عجب رنج و بلا ہے''

اب آگے بیاں کیا کرے عالم جگر افگار — ہے میری دعا حق سے کہ اے خالق غفار

از بہر نبیؐ ، فاطمہؑ و حیدر کرارؑ — ہے یہ شرف الدّولہ جو حضرت کا عزادار

آفاق میں غم ان کو نہ ہو اور کسی کا
اور غم بھی اگر ہو تو حسینؑ ابن علیؑ کا

شرف الدولہ، شاہ اودھ محمد علی شاہ کے عہد حکومت میں عہدۂ سفارت پر مامور تھے، امجد علی شاہ نے اپنے عہد میں انھیں معزول کردیا تھا اس کے بعد وہ خانہ نشین ہوگئے۔ ۱۸۵۷ء، میں برجیس قدر کا وزیر بنا کر انھیں خلعت دیا گیا، ۱۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو شرف الدولہ حضرت عباسؑ کی درگارہ لکھنؤ میں قتل کردیے گئے اور اس درگاہ کے باورچی خانے میں انھیں دفن کردیا گیا۔ شرف الدولہ شاعر بھی تھے خلیل تخلص تھا۔

مرزا محمد عالم کے مرثیے بہت عمدہ ہیں، ذخیرۂ مسعود حسن ادیبؔ میں ان کے مرثیے نہایت خوش خط موجود ہیں، بعض مرثیوں پر ان کی مہر بھی لگی ہے۔ انھوں نے منقبتی مرثیے بھی تصنیف کئے ہیں۔ ایک مرثیے پر لکھا ہے (زائر آلِ محمد عالم ۱۲۳۰ھ) سلاموں کا ایک مجموعہ بھی ہے وہ مجالس میں سلام اور مرثیے خود پڑھتے تھے۔ ایک سلام کا مطلع اور مقطع یہ ہے:۔

مطلع:۔

کیا مقتل حسینؑ کی اے دل زمین ہے — تسلیم کر کہ سجدے کے قابل زمین ہے

مقطع:۔

عالم سلام سُن کے تیرا کہہ رہے ہیں سب — کیا خوب گل کھلائے ہیں کیا سل زمین ہے

مرثیے سے اقتباس:۔

حقا کہ قلم بلبل بستان سخن ہے — جو بیت ہے وہ سروگلستان سخن ہے
مضموں گل شاداب خیابان سخن ہے — لبریز گل نظم سے دامانِ سخن ہے
ہر حرف کو خورشید جو کہیے تو بجا ہے
جو نقطہ ہے وہ عقد ثریا سے سوا ہے

وہ مرتبہ اللہ نے زہراؑ کو ہے بخشا — محتاج رہیں جس کی سدا مریمؑ و حوّا
ایک ادنیٰ سا رتبہ میں رقم کرتا ہوں اس کا — الماس و در ولعل و زمرّد بھی اس جا
خالق نے نثارِ سر زہراؑ جو کیا تھا
اس میں سے وہ کچھ بنتِ سلیماں کو ملا تھا

وہ معدنِ الطاف وکرم منبع احساں ۔ وہ نور نظر لختِ دل عاشق سبحاں
ہے بحرِ رسالت میں وہ اِک گوہرِ غلطاں ، کیا تاب جو کچھ اس کی ثنا لکھ سکے انساں
صد برگ کے مانند اگر منہ میں زباں ہو
شمّہ نہ شمیم گل زہراؑ کا بیاں ہو

زہراؑ کے سوا کس کو ملی چادرِ تطہیر کس کی ہوئی آفاق میں یہ عزّت وتوقیر
زہراؑ وپیمبرؐ میں یہی فرق ہے تحریر وہ مصحف ناطق ہیں تو یہ اس کی ہے تفسیر
دنیا میں عجب رونق ایمان ہے زہراؑ
شیرازۂ مجموعۂ قرآن ہے زہراؑ

یہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی منقبت میں مرثیہ تھا اسی طرح حضرت علیؑ کی مدح میں بھی ایک مرثیہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:-

ہے افتخار کون ومکاں مرتضیٰ علیؑ ہے باعث ظہور جہاں مرتضیٰ علیؑ
قسّامِ نار و خلد جناں مرتضیٰ علیؑ لاریب ہے خدا کی زباں مرتضیٰ علیؑ
اس کی عطا سے کون ومکاں کا وقار ہے
ایجاد جزو کل کا اسے اختیار ہے

ڈاکٹر اکبر حیدری کشمیری نے دراصل میر خلیقؔ، میر ضمیرؔ، مرزا فصیحؔ، دلگیرؔ، میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ، میر مونسؔ، میر انسؔ، میر وحیدؔ، میر عشقؔ، تعشقؔ، نفیسؔ وغیرہ کے مرثیے پڑھے ہی نہیں ہیں، جب تک وہ دل لگا کر مرثیوں کا مطالعہ نہیں کریں گے، غلط تحقیق سے اپنا اور دوسروں کا وقت برباد کرتے رہیں گے۔ متعدد مرتبہ میں لکھ چکا ہوں کہ اکبر حیدری علی گڑھ جا کر ذخیرۂ ادیب کی فہرست تیار کریں جب تک وہ اس ذخیرے سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے، غچے پر غچے کھاتے رہیں گے۔

مرثیے کی تحقیق میں اکبر حیدری کی حیرت انگیز دھاندلی کی مثال ملاحظہ ہو

مرثیہ:۔

جب صبح شب قتل ہوئی رن میں نمودار

اکبر حیدری نے ''باقیاتِ انیسؔ'' اور نقوش کے انیسؔ نمبر میں یہ مرثیہ میر انیسؔ کا غیر

مطبوعہ کہہ کر چھاپا ہے پھر دوبارہ ''باقیاتِ دبیرؔ'' اور مراثی دبیرؔ میں یہی مرثیہ مرزا دبیرؔ کا غیر مطبوعہ ثابت کر کے چھاپا ہے۔ ایک ہی مرثیہ کبھی میر انیسؔ کے نام سے چھاپ دیتے ہیں دوبارہ مرزا دبیرؔ کے نام سے چھاپ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ مرثیہ نہ میر انیسؔ کا ہے اور نہ مرزا دبیرؔ کا ہے بلکہ یہ مرثیہ کلیمؔ کا ہے۔

(حیرت ڈاکٹر نیّر مسعود صاحب پر ہے کہ آج تک اتنی بڑی غلطی کی نشاندہی نہیں فرمائی)

نواب زہرہ بیگم کی سلام نگاری

نواب زہرہ بیگم بنتِ میر محمد تقی، تاجدار اودھ سلطان عالم واجد علی شاہ کی زوجہ تھیں۔ دین محمد پریس حیدر گنج لکھنؤ سے ان کے سلاموں اور نوحوں کی تین جلدیں ''مخزنِ غم وسوزِ غم'' کے نام سے شائع ہوئی تھیں۔ تیسری جلد با اہتمام نواب فریدوں مرزا مجروح لکھنوی ۱۳۳۵ھ میں شائع ہوئی۔ بیاض کے آخر میں درج ہے:-

از نتیجہ فکر کوکبِ آسمان شرافت ونجابت درۂ صدفِ امارت وریاست

جناب نواب زہرہ بیگم صاحبہ دام اقبالہا،

سلام

انقلاب آسماں رنگ جہاں دیکھا کئے
مرگیا بیٹا جواں شاہ زماں دیکھا کئے

حرملہ کا تیر گردن پر لگا بے شیر کی
شاہِ دیں بچےؔ کو اپنے نیم جاں دیکھا کئے

آئے تھے بابا کے ہاتھوں پر بجھانے پیاس کو
یاس سے اصغر سوئے آبِ رواں دیکھا کئے

صبر اس کو کہتے ہیں واللہ جوشہ نے کیا
خاک پر فرزند کو اپنے تپاں دیکھا کئے

آسماں کے سب دریچے کھل گئے عاشور کو
سارے قدسی شہؑ کے لڑنے کا سماں دیکھا کئے

راہیٔ ملکِ عدم اپنے پرائے ہوگئے
اور شہ حسرت سے گردِ کارواں دیکھا کئے

واہ رے صبر وتحمل شاہ نے اف تک نہ کی
حلق پر خود اپنے خنجر کو رواں دیکھا کئے

سینہ و بازو پہ زہرہؔ زخم شہؑ کھایا کئے
صبر کے جوہر جہاں کے انس وجاں دیکھا کئے

تاجدار بہو کون ہیں؟

عرفان عباسی نے نیا دور لکھنؤ اودھ نمبر کے ص ۱۰۷ پر لکھا ہے:-

تاجدار لکھنوی، تاجدار بہوان کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ بعض تحریروں کے مطابق زبان و بیان پر قادر، خوش فکر شاعرہ تھیں، مرثیہ نگاری سے خاص شغف تھا، ان کا مخطوطہ مراثی کتب خانہ محمود آباد میں محفوظ ہے۔

یہ جنگ بھی جہاں کے لئے یادگار ہے — یہ معرکہ بھی قدرتِ پروردگار ہے
حمزہ کی اور علیؑ کی بہم کارزار ہے — فوجِ عدو میں رعب سے اب انتشار ہے
لشکر میں ساتھ شہ کے علم دار آتے ہیں
ہمرہ علیؑ کے جعفرِ طیّار آتے ہیں

یہی عبارت اودھ نمبر سے رثائی ادب کے سولھویں شمارے میں من و عن ص ۷۵ پر نقل کر دی گئی ہے۔

تاجدار بہو کے حالاتِ زندگی

لکھنؤ کے مشہور محلے چودھری کی گڑھیا پر ''ڈیوڑھی تاجدار بہو'' قائم ہے۔

نواب سرفراز الدولہ کا محل اسی جگہ تھا جو چودھری کی گڑھیا کے نواب مشہور تھے، سرفراز الدولہ کے فرزند منیر الدولہ کی شادی، محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کی بیٹی اور امجد علی شاہ کی بہن اور واجد علی شاہ کی پھوپھی روشن آراء بیگم سے ہوئی تھی۔ روشن آراء بیگم چھوٹی شہزادی کے نام سے مشہور تھیں۔

چھوٹی شہزادی کی محل سرا بڑی شاندار تھی اور کبھی پاٹا نالہ اور امام باڑہ غفراں مآب کے بیچ میں قائم تھی آج بھی وہ پورا محلّہ چھوٹی شہزادی کی ڈیوڑھی سے پہچانا جاتا ہے۔ فقیر محمد تمباکو والے کی کوٹھی کے پیچھے لکھوری اینٹوں کے گرے ہوئے کھنڈر اور کچھ پرانی یادگاریں اب بھی وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

''شیخ امداد علی بحرؔ لکھنوی (شاگرد ناسخؔ) کو چھوٹی شہزادی کی سرکار سے کچھ وظیفہ ملتا تھا، چھوٹی شہزادی کی ڈیوڑھی کے پھاٹک کے بغل میں ایک کمرہ تھا وہیں ایک بوسیدہ چٹائی پر بیٹھے رہتے تھے لوگ دور دور سے تحقیق الفاظ کو آتے اور اسی بوسیدہ بوریئے پر بیٹھنا فخر سمجھتے

تھے۔'' (گل رعنا)

نواب منیر الدولہ اور چھوٹی شہزادی کی بیٹی کی شادی واجد علی شاہ کے چھوٹے بھائی سکندر حشمت مرزا جواد علی کے ساتھ ہوئی تھی۔

منیر الدولہ اور چھوٹی شہزادی کے فرزند شہزادے نواب سراج الدولہ کی شادی بادشاہ واجد علی شاہ کی چھوٹی بہن نواب اشرف النساء بیگم کے ساتھ ہوگئی۔

اشرف النساء بیگم کو سسرال سے ''تاجدار بہو'' کا خطاب دیا گیا کیوں کہ وہ تاج والوں کے گھرانے سے تھیں۔ ''تاجدار بہو'' کو جو خوبصورت محل دیا گیا اسی جگہ کا نام ''ڈیوڑھی تاجدار بہو'' مشہور ہوا۔

پرانی محل سراؤں میں یہ واحد عمارت ہے جو کسی نہ کسی حالت میں اب تک موجود ہے ورنہ غدر ۱۸۵۷ء میں بہت سی محل سراؤں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ گلابی رنگ کی لکھوری اینٹوں سے بنی یہ محل سرا پرانے وقتوں کی یاد دلاتی ہے۔ ڈیوڑھی کے محراب دار در میں ایک جنگی دروازہ اب تک لگا ہوا ہے استرکاری میں سادگی کے ساتھ ہلکی سجاوٹ بھی کی گئی ہے۔ بیٹھک یا دیوان خانہ بھی پرانی طرز پر اونچی چھت کے ساتھ بنا ہوا ہے جس میں زنان خانہ کی کھڑکیاں کھلتی ہیں۔ اندر کا صحن، دالان، صحنچیاں، اوپر کا زینہ، چھت اور اس کی منڈیر جس میں جھروکے نما کھڑکیاں بنائی گئی ہیں۔ یہ سب کچھ شاہی عہد کی ایک شاندار عمارت کا بہترین نمونہ ہے۔ ڈیوڑھی کے ساتھ ایک پانچ در کی خوبصورت مسجد بھی بنی ہے جو شہر کی دوسری مسجدوں سے الگ ہے۔

راقم الحروف کا جب بھی لکھنؤ جانے کا اتفاق ہوا اس مسجد میں ہر مرتبہ ایک تقریر کا پروگرام ضرور رکھا گیا ہے۔ میں نے اس پورے محلے کو بہت تفصیل سے دیکھا ہے۔

بادشاہ اودھ واجد علی شاہ جب مسند نشین تخت اودھ ہوئے تو ''تاجدار بہو'' کے خاندان سے ایک اور رشتے داری ہوگئی۔ واجد علی شاہ کی خاص محل نواب آرا بیگم کے فرزند مرزا حامد علی بہادر جو نواب کیواں قدر ولی عہد کہے جاتے تھے، ان کی شادی ''تاجدار بہو'' کی بیٹی سے ہوئی یہ شادی ۱۸، اکتوبر ۱۸۵۱ء کو ہوئی، شادی کے شرکت کرنے والوں کو سرخ جوڑے میں آنے کی پابندی لگا دی گئی تھی۔ ''ڈیوڑھی تاجدار بہو'' کی بیٹی جب بادشاہوں کے گھر بیاہ کر آئی تو سسرال میں ان کو ''بادشاہ بہو'' کا خطاب دیا گیا۔ اسی کے بعد ہی لکھنؤ کے نصیب کے اجڑنے کی

کہانی شروع ہو جاتی ہے اور وہ ''باشاہ بہو'' کے نصیب کی بھی کہانی ہے۔

انگریزوں نے ڈیوڑھی تاجدار بہو کا نام ''کوٹھی کراؤن گیٹ'' رکھ دیا۔ ریلوے کی چھوٹی لائن کے پل کے سامنے بلندی پر اب بھی تاجدار بہو کی محل سرا کے آثار نظر آتے ہیں۔ یہ محلہ ''الّن کی مسجد'' سے شروع ہوتا ہے۔ ''الّن کی مسجد'' بادشاہ نصیرالدین حیدر کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی۔ راقم الحروف نے اس مسجد میں دو مرتبہ تاریخی تقریر کی ہے، لکھنؤ کے ممتاز سامعین کا اژدحام موجود تھا، تفصیل پھر کبھی بیان ہوگی۔

یہ ہیں تاجدار بہو جن کا مرثیہ مہاراج کمار کے کتب خانے میں موجود ہے۔

نواب ملکہ زمانی بیگم کے حالات اور غیر مطبوعہ مرثیے وسلام

قاصد سرسوی ''رثائی ادب'' شمارہ ۱۶ میں لکھتے ہیں۔

''ملکہ زمانی کا کلام دستیاب نہیں''

راقم الحروف کے کتب خانے میں ایک قلمی مرثیوں کی خوبصورت خطاطی سے مزین جلد موجود ہے، جس میں ملکہ زمانی کے سات مرثیے اور نو عدد سلام موجود ہیں ''پیام عمل محرم نمبر ۱۹۷۴ء'' میں ملکہ زمانی کے حالات اور غیر مطبوعہ کلام پر راقم الحروف کا مضمون شائع ہو چکا ہے۔

ملکہ زمانی کا نام حسینی خانم تھا۔ ۱۸۲۶ء میں شاہِ اودھ نصیرالدین حیدر سے حسینی خانم کا عقد ہوا، بادشاہ نے ان کو ''شہزادہ محل'' کا خطاب دیا۔ پھر ۲۰ اکتوبر ۱۸۶۷ء کو جب نصیرالدین حیدر کے والد غازی الدین حیدر خلد مکاں ہو گئے اور موصوف تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئے تو حسینی خانم شہزادہ محل کو ''ملکہ زمانیہ'' کا خطاب عنایت کیا۔

۱۸۲۹ء میں بادشاہ نصیرالدین حیدر نے انگریزوں کو باسٹھ لاکھ چالیس ہزار روپیہ قرض دیا۔ کمپنی بہادر روپے کا منافع (Interest) اودھ حکومت کو ادا کرتی رہے گی، واپسی کی رقم سے وثیقے جاری ہوئے تو ملکہ زمانی کو دس ہزار روپے ہر ماہ ملتے تھے، وثیقے کے علاوہ بادشاہ نے ''ہڑہا پروا'' کی جاگیر بھی انھیں عنایت کی جس کی آمدنی چھ لاکھ روپے سالانہ تھی۔

آصف الدولہ کی والدہ بہو بیگم کا جب فیض آباد میں انتقال ہوا تو اُن کا خزانہ تیس لاکھ روپے سونے کے لکھنؤ آئے بادشاہ نصیرالدین حیدر نے یہ خزانہ بھی ملکہ زمانی کو عنایت

کر دیا۔ اس کے علاوہ روزانہ مالاہائے مروارید اور طرح طرح کے بیش بہا جواہرات سے لبریز کشتیاں اور اشرفیوں کی تھیلیاں ہاتھیوں پر لدی ہوئی اُن کے خزانے میں داخل ہوتی تھیں۔

ایک روز بادشاہ نصیر الدین، ملکہ زمانی کے محل میں تشریف لائے ایک رقعہ ہاتھ میں تھا۔ ملکہ زمانی نے پوچھا صاحب عالم ہاتھ میں کیا ہے، فرمایا پچاسی لاکھ روپے فیض آباد سے آئے ہیں، ملکہ زمانی نے کہا مجھے عنایت کیجئے، یہ سنتے ہی رقعہ ہاتھ سے پھینک دیا، گویا بڑا بوجھ تھا۔

ملکہ زمانی ہر نوچندی جمعرات کو حضرت عباس علیہ السلام کی درگاہ نہایت تزک و احتشام سے جاتی تھیں اور ہر مہینے دس ہزار روپے نذر و نیاز و انعام جلوس میں صرف کرتی تھیں، ان کی سواری اس کروفر سے نکلتی تھی کہ دو سو ہاتھی نقرئی اور طلائی حوضوں اور کار چوبی جھولوں سے آراستہ جلو میں ہوتے تھے، اور دو بُرجی رتھوں میں بہت سی مغلانیاں اور خواصیں ہوتیں، طلائی مرصّع پنکھے جن میں بادلے کی کرن چوطرفہ ٹکی ہوتی ہاتھوں میں لئے ہوتیں، خواصی کے آدمی سورج مکھی اور چتر لگائے ہوتے، سیم و زر میں غرق پالکیاں نالکیاں ساتھ ہوتیں ایک گنگا جمنی خوشنما سکھ پال میں، جس پر زربفت کا چھتّا ہوتا اس میں ملکہ زمانی ہوتی تھیں، شاگرد پیشہ اور شاہی چوب داروں کے ہجوم سے سواری کے آس پاس کسی کا گزر نہ ہوتا تھا، اس عہد کا جو کچھ بھی لوازمہ سلطنت تھا وہ سب ملکہ زمانی کے محل میں موجود تھا، اس عہد کی ملکہ برطانیہ کو بھی یہ سب کچھ نصیب نہیں تھا۔ ملکہ زمانی کے صرف باورچی خانے کا خرچ تین سو روپے یومیہ تھا۔ وزیر اعظم مہدی علی خاں ملکہ زمانی کے خلاف ہو گئے لیکن وہ خزانہ جو قارون کے خزانے سے زیادہ تھا وہ بدستور ملکہ زمانی کے قبضے میں رہا۔

ملکہ زمانی نے ایک نہایت وسیع عالی شان امام باڑہ جس کی بنت کاری اور رنگ آمیزی نہایت خوشنما و دل کش تھی بمقام گولہ گنج باہتمام محمد احسن خاں ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۳۷ء میں تعمیر کرایا، جس کے لق و دق صحن میں ایک نہر بھی تھی، امام باڑہ کی بغل میں جانب غرب ایک شاندار مسجد بھی ''مسجد ملکہ زمانی'' کے نام سے موجود ہے، امام باڑے کی زمین پر اب کالونی کی عمارتیں و مکانات بن گئے ہیں صرف شہ نشین باقی بچی ہے جس میں ملکہ زمانی دفن ہیں، امام باڑے کی تاریخ مشہور مرثیہ گو کلیم نے کہی (جن کے مرثیے اکبر حیدری نے میر انیسؔ و مرزا دبیرؔ کے نام

سے شائع کردیئے ہیں)

کلیمؔ فکر رسا گفت سال تاریخش
امام باڑۂ بے مثل سید الشہداء
(۱۲۵۶ھ)

مسجد پہلے بوسیدہ حالت میں تھی اب وقف نے دوبارہ مرمت و دیکھ بھال کا انتظام کیا ہے، ۱۹۸۴ء میں جب راقم الحروف کا لکھنؤ جانا ہوا تو مولانا سیدؔ ہلال حسنین نقوی (گولہ گنج) کی منعقد کردہ مجلس میں بمقام مسجد ملکہ زمانی میں میری تقریر ہوئی جس میں لکھنؤ کے مقتدر ہستیوں نے شرکت کی، اس تقریر میں راقم الحروف نے ملکہ زمانی کا تفصیلی ذکر کیا تھا۔

۲۰ اکتوبر ۱۸۳۷ء کو بادشاہ نصیر الدین حیدر نے انتقال کیا، ملکہ زمانی کا راج سہاگ لٹ گیا، شوہر کے انتقال کے بعد وہ چھ برس تک زندہ رہیں، ۲۲ ستمبر ۱۸۴۳ء کو امجد علی شاہ کے عہد میں ملکہ زمانی نے بھی انتقال کیا اپنے ہی امام باڑے میں محو خواب ہیں، قبر پر فاتحہ پڑھنے تو کوئی نہیں آتا ہاں ہاتھ اٹھا کر راہِ خدا میں جو دے دیا تھا وہی اب کام آتا ہے۔ راقم الحروف کے پاس ایک قلمی مخطوطہ ہے جس میں ملکہ زمانی کی وفات کے قطعات تاریخ موجود ہیں۔

ملکہ زمانی کو اودھ کی ملکہ نور جہاں کہا جاتا تھا، لکھنؤ کی عزاداری کو ترقی دینے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے، ملکہ زمانی شاعرہ بھی تھیں، زیادہ تر مرثیے سلام اور نوحے کہے ہیں، مرزا دبیرؔ کی شاگرد تھیں، مرزا دبیرؔ جب شاہی مجلس پڑھتے تو سب سے پہلے ملکہ زمانی کا سلام پڑھتے جس کاغذ پر سلام لکھا ہوتا وہ کاغذ اسی وقت پس پردہ بیٹھی ہوئی ملکہ زمانی کو پہنچا دیا جاتا، ملکہ زمانی کی صاحبزادی سلطان عالیہ بھی شاعرہ تھیں اور وہ بھی مرزا دبیرؔ کی شاگرد تھیں۔

مرزا دبیر کو سالانہ سب سے زیادہ رقم ملکہ زمانی کی سرکار سے ملتی تھی، ملکہ زمانی کو شاہی خزانے سے کروڑوں روپے ملے جس کے نتیجے میں ملکہ زمانی نے ایسی داد و دہش، فیاضی، سخاوت اور سیر چشمی کے مظاہرے کئے کہ سارا شہر لکھنؤ ان کا ثنا خوان ہوگیا، ان کی سرکار میں سیکڑوں ملازمین و متوسلین تھے جو ان کے خوانِ کرم سے مستفید ہوتے تھے، ہزاروں غربا ان کے بذل و عطا سے مالا مال ہوگئے اور یہی وجہ ہے کہ اودھ کی تاریخ میں ان کا نام بہت ممتاز نظر آتا ہے۔

ملکہ زمانی کے امام باڑے گولہ گنج میں مرزا دبیرؔ شہر کے سب سے بڑے مرثیہ گو کی حیثیت سے مجالس پڑھا کرتے تھے اور ملکہ زمانی مرزا دبیرؔ کا اتنا پاس کرتی تھیں کہ ان کے سفارشی رقعوں پر غربا کو سالانہ ہزاروں روپیہ ملکہ زمانی کی سرکار سے عطا ہوا کرتا تھا۔ ملکہ زمانی نے ماہ بہ ماہ رقم مرزا دبیرؔ کو بھجوانے کا انتظام بھی کر دیا تھا۔ (دبستان دبیرؔ ص ۴۲۵)

ملکہ زمانی کے حالات کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد حاصل کی گئی۔

۱۔ تاریخ اودھ ۲۔ فسانہ عبرت ۳۔ قیصر التواریخ ۴۔ بیگمات اودھ ۵۔ لکھنؤ نامہ ۶۔ دبستان دبیرؔ

ملکہ زمانی کے غیر مطبوعہ مرثیے و سلام

مرزا دبیرؔ شاہی مجلسوں میں مرثیہ پڑھتے تھے اور بادشاہ غازی الدین حیدر، بادشاہ نصیر الدین اور ملکہ زمانی کے دربار سے وابستہ رہے، دربار میں وہ قیمتی شاہی لباس پہن کر جاتے تھے۔ اکثر مرثیوں میں انھوں نے شاہانِ اودھ کی مدح بھی کی ہے۔ اس سلسلے میں مرزا دبیرؔ کی ایک مثنوی ''معراج نامہ'' اور ایک نثری تصنیف ''ابواب المصائب'' کا ذکر بھی مناسب حال ہے۔ مثنوی ''معراج نامہ'' نصیر الدین حیدر بادشاہ کے عہد (۱۸۲۷ء۔ ۱۸۳۷ء) میں ممتاز الدہر ملکہ زمانی کی فرمائش پر لکھی گئی اور اس نسبت سے اس کا ایک نام ''ممتاز نامہ'' ہے۔ اس مثنوی میں ملکہ زمانی کی مدح ملاحظہ ہو:-

بفر مودۂ بیگم خوش خصال — کہا تو نے معراج مولا کا حال
ہے ملکہ زمانیہ ممتاز دہر — یہ نام مبارک ہے مشہور شہر
یہی ہے زمانے میں اس کا خطاب — اسی نام سے چُن لے نام کتاب
اک ادنیٰ دعاگو ہے اس کا دبیرؔ — نحیف و غریب و ذلیل و حقیر
بجالایا فی الفور ارشاد خاص — اطاعت ہے سب نوکروں کا خواص

اس مثنوی پر تبصرہ کرتے ہوئے کاظم علی خاں صاحب لکھتے ہیں ''مرزا دبیرؔ کے لئے شہرت ہے کہ وہ مدح امرا و اغنیا سے محفوظ رہے اس مثنوی کی دریافت نے اس رجحان کو گزند پہنچائی ہے۔'' (''مرزا دبیرؔ کی مرثیہ نگاری'' ص ۱۸۹ ایس اے صدیقی)

مرزا دبیر کو ملکہ زمانی سے بہت عقیدت تھی اور بعض مرثیوں میں انھوں نے ملکہ زمانی کے لئے دعائیں مانگی ہیں۔ میرے پاس ملکہ زمانی کے مرثیوں کی وہ جلد قلمی موجود ہے جو خصوصیت سے ملکہ زمانی کے لئے ترتیب دی گئی تھی، اس جلد میں ملکہ زمانی کے سات مرثیے اور نو سلام ہیں اور چند مرثیے مرزا دبیر کے بھی ہیں، یہ بیاض ۱۲۳۸ھ میں بمقام لکھنؤ لکھی گئی، مرزا دبیر کے ایک مرثیے کا مطلع ہے:-

"جب قتل جوانانِ حسینی ہوئے رن میں"

یہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے، مرثیے کے مقطع میں مرزا دبیر کہتے ہیں۔

اب کیا کہوں اس لاش کا میں خیمہ میں لانا ۔۔۔ ہے عمر قلیل اور بڑا ہے یہ فسانا
ہے عرضِ دبیر اب یہی اے خالق دانا ۔۔۔ آباد تیرے فضل و کرم سے ہے زمانا
اب ملکہ زمانی پہ یہ الطاف و عطا کر
اوج وحشم و دولت و اقبال سوا کر

مرزا دبیر نے بعد میں اس مقطع کی بیت تبدیل کر کے اس مقطع کو دوسرے مرثیے میں استعمال کیا ہے مرثیہ دفتر ماتم جلد ۱۲ کا ہے۔

"جب نیزے کی خواہش ہوئی اکبرؑ کے جگر کو"

اب کیا کہوں اس لاش پہ زینبؑ کا میں جانا ۔۔۔ ہیں عمر کے دن تھوڑے بڑا ہے یہ فسانہ
ہے عرض دبیر اب یہی اے خالق دانا ۔۔۔ آباد تیرے فضل و کرم سے ہے زمانہ
اے بارِ خدا واسطہ ہم شکل نبیؐ کا
محتاج نہ کرنا مجھے دنیا میں کسی کا

مرزا دبیر کی حیات کا یہ گوشہ ابھی تک محتاجِ تحقیق ہے کہ مرزا دبیر اپنے شاگردوں کے مرثیوں کے مقطعے خارج کر کے اپنے نام کے مقطعے مرثیوں میں رکھ کر مرثیے محفوظ کر لیتے تھے، یہی کچھ ملکہ زمانی کے مرثیوں کے ساتھ بھی ہوا ہے، اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ یہ ملکہ زمانی کا کلام نہیں ہے بلکہ مرزا دبیر ان کو تصنیف کر کے دے دیا کرتے تھے اور ملکہ زمانی کا مقطع مرثیے میں لگا دیتے تھے، پھر بھی حیرت ہے کہ جو کلام دوسرے کو دے دیا گیا اور اس کا معاوضہ بھی کسی نہ کسی صورت میں وثیقے کی شکل میں قبول کر لیا گیا ہو اور شخصیت کے انتقال کے بعد مرثیوں کو پھر اپنے

نام سے مقطع تبدیل کر کے مشتہر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کا ایک نفسیاتی پہلو یہ ہے کہ استاد شاگرد کا مصرع تو تبدیل کر دیتا ہے لیکن اپنی تخلیق سے دستبردار نہیں ہوتا، اس کے معنی یہ ہیں کہ شاعر کے یہاں وسعت قلب بہت کم ہوتی ہے یا ہوتی ہی نہیں ہے۔

ملکہ زمانی کے بیشتر مرثیے اب مرزا دبیرؔ کے مرثیوں کی جلدوں دفتر ماتم میں شامل ہیں۔

پہلے صفحے پر سُرخ روشنائی سے درج ہے:-

جز سلام از تصنیف بیگم صاحبہ نواب ملکہ زمانی ممتاز الدہر دام اقبالہا مرثیوں پر ''تصنیف بیگم صاحبہ نواب ملکہ زمانی ممتاز الدہر دام اقبالہا'' سُرخ روشنائی سے لکھا ہے، مرثیے سیاہ روشنائی سے لکھے ہیں مگر مقطع میں ملکہ زمانی کا نام سُرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے، بند نمبر بھی سُرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں، مرثیے کے آخر میں، آمین آمین اور آمین بحق امیر المومنین علیہ السلام بھی سُرخ روشنائی سے تحریر ہے، کتابت نہایت عمدہ ہے اور ہر صفحے پر تین بند ہیں۔

سلاموں کے مطلع اور مقطع درج کئے جاتے ہیں:-

مطلع

زباں گو ہے جب تک دہن میں ۔۔۔ سلامی رہ ثنائے پنجتن میں

مقطع

دعا کر حق سے اے ملکہ زمانی ۔۔۔ یہ کہہ درگاہِ ربِ ذوالمنن میں

ترقی پر رہے اقبال میرا ۔۔۔ رہوں ہر دم عزائے پنجتنؑ میں

مطلع

مجرئی خاکِ درِ شاہ کو کیا کہتے ہیں ۔۔۔ خاک کہتے ہیں مگر خاکِ شفا کہتے ہیں

مقطع

یہ سلام ایسا کہا ملکہ زمانی تونے ۔۔۔ آفریں تجھ کو شہؑ کرب و بلا کہتے ہیں

مطلع

مجرئی شاہ کی شہادت ہے ۔۔۔ پنجتنؑ کی جہاں سے رحلت ہے

مقطع

ہے یہ ملکہ زمانیہ کی دعا یا الٰہی دمِ اجابت ہے
غم نہ ہو جز غم حسینؑ کوئی بس یہی تجھ سے میری حاجت ہے

مطلع

مجرئی تھی یہ شب قتل دعا زینبؑ کی بھائی کے سامنے آجائے قضا زینبؑ کی

مقطع

سایہ زہراؑ کا ہے اے ملکہ زمانی تجھ پر یاد رہتی ہے تجھے صبح و مسا زینبؑ کی

مطلع

پڑھوں سلام مُحبانِ پنجتن کے لئے کہ ایک تحفہ یہ کافی ہے انجمن کے لئے

مقطع

شتاب ملکہ زمانی کی ہو مراد حصول حسین کے لئے اے کبریا حسنؑ کے لئے

مرثیے کا مطلع

ملکہ زمانی کا مرثیہ :-

جب قلعۂ شیریں کے برابر حرم آئے
شیریں کو خبر پہنچی کہ شاہِ امم آئے
لب پر سرشہؑ کے یہ سخن دمبدم آئے
شیریں سے کوئی کہہ دے کہ وعدے پہ ہم آئے
سرنیزے پہ تن رن میں ہے عریان ہمارا
انصاف سے دیکھے کوئی سامان ہمارا

مرزا دبیر کا مرثیہ :-

جب حرم قلعۂ شیریں کے برابر آئے
غل ہوا کعبے سے مولا مع لشکر آئے
کہا شیریں نے کہ ارمانِ دلی بر آئے
میرے مولا مرے سلطاں مرے سرور آئے
شانِ حق نورِ خدا قدرت باری دیکھو
جاؤ لوگو مرے آقا کی سواری دیکھو

مرزا دبیر نے پانچ مرثیے شیریں کی روایت کے لکھے ہیں، ملکہ زمانی کا مرثیہ مرزا دبیر کے پانچوں مرثیوں سے مختلف انداز کا ہے۔ مرثیے کا مقطع درج ذیل ہے :-(۴۳ بند)

یہ سن کے حرم کرنے لگے اشک فشانی اب تاب رقم کی نہیں اے ملکہ زمانی
کر عرض کہ اے حیدرؑ کرار کے جانی کونین میں ہوگا نہ ہوا ہے ترا ثانی
جو کچھ مرا مقصد ہے وہ سب تجھ پہ عیاں ہے
سب مشکلیں حل کر تو امام دو جہاں ہے

دوسرا مرثیہ:-

جب آ کے حرم باغ فدک میں رہے شب کو　　زینبؑ نے بہت یاد کیا شاہ عرب کو
بانو سے کہا دیکھو ذرا قدرت رب کو　　دو باغ تھے اماں کے یہ معلوم ہے سب کو
اک باغ تو چھینا گیا پہلے ہی وطن میں
باقی رہا اک باغ سو کاٹا گیا رن میں

مقطع:-

اب مرثیے کو ختم کر اے ملکہ زمانی　　زہراؑ سے یہ کر عرض بصد اشک فشانی
اے مادر شاہ شہدا مریم ثانی　　سُن لیجئے لِلّٰہ مری عرض زبانی
حافظ رہے شبیرؑ مرے جاہ و حشم کا
عباسؑ مرے سر پہ رکھیں سایہ علم کا

مقطع سے پہلے مرثیے کا آخری بند یہ ہے : -(حضرت علیؑ کی زبانی)

جو ظلم کہ ہونا تھا ہوا شکوہ ہے اب کیا　　میں داد تو دیتا نہیں ہاں دیتا ہوں پُرسا
تم صبر کرو صبر کرو صبر کی ہے جا　　اب قائمہ عرش ہلا وے گی تو زہراؑ
سُن کر یہ صدا حال ہوا غیر حرم کا
تھرآنے لگا روضہ شہنشاہ امم کا

مرزا دبیرؔ نے مقطع میں بیت تبدیل کر کے مرثیے کو بعد میں اپنے کلام میں شامل کرلیا،
اب یہ مرثیہ دفترِ ماتم جلد ۱۳ میں شامل ہے:-

جو ظلم کہ ہونا تھا ہوا شکوہ ہے اب کیا　　میں داد تو دیتا نہیں ہاں دیتا ہوں پُرسا
تم صبر کرو صبر کرو صبر کی ہے جا　　صابر کی ہو اولاد نہیں چاہیئے شکوا
سُن کر یہ صدا حال ہوا غیر حرم کا
خاموش دبیرؔ اب نہیں مقدور رقم کا

مرزا دبیرؔ نے یہ مرثیہ اگر ملکہ زمانی کو اُن کے نام سے دے دیا تھا تو پھر بعد میں اپنے مرثیوں میں کیوں شامل کیا اور اگر کسی دوسرے نے ایسا کیا ہے تو مقطع کس نے کہا اور اُس نے ایسا کیوں کیا، یہ وہ سوالات ہیں جن سے تحقیق کے بہت سے باب کھلتے ہیں۔

ملکہ زمانی کا تیسرا مرثیہ : -(۳۵ بند)

محبوس جب کہ نائب مشکل کشا ہوئے　　یعنی اسیر حضرتِ زین العبّا ہوئے
سادات بے نقاب ہوئے بے ردا ہوئے　　راہی دیارِ شام کو اہل جفا ہوئے
سو رنج کوچ میں تو ہزاروں مقام میں
گذرے رسول زادیوں پر راہِ شام میں

مقطع:-

اے ملکۂ زمانؔی یہ ہے شکر کا مقام　　کونین میں ہے صاحبِ قدرت ترا امام
کس کی مجال ہے کہ لکھے معجزے تمام　　اب عرض کر حسینؑ سے اے شاہِ خاص و عام
ہیں ختم تیری ذات پہ مشکل کشائیاں
ملکہ زمانؔی کی کرو حاجت روائیاں

اب یہ مرثیہ ''دفتر ماتم'' کی جلد دہم میں مطلع ثانی کے طور پر شامل ہے مرثیے میں مرزا دبیؔر کا مقطع بھی ندارد ہے اس کے باوجود یہ مرثیہ دبیؔر کے کلام میں شامل چلا آ رہا ہے۔

ملکہ زمانی کا چوتھا مرثیہ : -(۳۵ بند)

جب محفل حاکم میں شہؑ دیں کا سر آیا　　سر آیا کہ خورشید فلک سے اُتر آیا
پہلے تو سرِ نائبِ خیر البشر آیا　　پھر قافلہ سیدانیوں کا نوحہ گر آیا
رخسار حرم گیسوئے اطفال کھلے تھے
سر ننگے تھے شانہ بندھے تھے بال کھلے تھے

مقطع:-

پھر سوئے نجف دیکھ کے رو رو یہ پکاری　　اے بابا میری وارثی کر جاؤ میں واری
بس ملکہ زمانؔی کہ قلق دل پہ ہے طاری　　اب آگے نہ لکھ زینبؑ ناشاد کی زاری
کر حق سے دعا احمدؐ مختار کا صدقہ
صحت دے مجھے عابدؑ بیمار کا صدقہ

یہ مرثیہ مرزا دبیر کی مرثیوں کی جلد ''دفتر ماتم'' جلد نمبر ۱۱ صفحہ نمبر ۱۹۹ پر مرزا دبیؔر کے مقطع کے ساتھ موجود ہے:-

اس نوحے سے مسجد میں ہوا حشر کا ساماں　　جلاد گرا خاک پہ حاکم ہوا لرزاں
سیدانیوں کو لے گئے ظالم سوئے زنداں　　بس کلکِ دبیرؔ اب نہیں تحریر کا امکاں
محشر ہوا زندان میں ظاہر شب اوّل
یعنی کہ سکینہؑ ہوئی آخر شبِ اوّل

ملکہ زمانی کا پانچواں مرثیہ :-(۳۵ بند)

جب قیدیوں کو راہ میں ماہ صفر ہوا　　اور شام میں ورود بوقتِ سحر ہوا
ماہِ صفر کی پہلی کو آخر سفر ہوا　　ہر جا قلق اسیروں پہ افزود تر ہوا
دربار میں جو چار گھڑی تک کھڑے رہے
زنداں میں آ کے غش کئی ساعت پڑے رہے

مقطع:-

اب کبریا سے ملکہ زمانؔی یہ کر دعا　　یارب بحقِ احمدؐ و زہراؑ و مرتضاؑ
یارب بحقِ حرمت بیمار کربلا　　یارب برائے عزتِ ناموسِ مصطفاؐ
اب دستِ التجا پہ مری چشم غور ہو
پھر اوج اوج ملکہ زمانؔی کا دور ہو

مرثیے کے مقطع سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مرثیہ اس وقت کہا گیا جب وزیر اعظم مہدی علی خاں ملکہ زمانی کے خلاف ہو گئے تھے اور انھوں نے بادشاہ نصیر الدین حیدر کو بھی ملکہ زمانی کے خلاف کر دیا تھا۔ بادشاہ نے ملکہ زمانی کی محل سرا میں آنا جانا ترک کر دیا تھا، اب ملکہ زمانی کی شان و شوکت میں کچھ کمی آ گئی تھی:-ع

''پھر اوج اوج ملکہ زمانؔی کا دور ہو''

ملکہ زمانی کا یہ مرثیہ اب ''دفتر ماتم'' جلد دوم ص ۱۲۱ پر موجود ہے، مرزا دبیرؔ نے یا کسی اور نے مرزا دبیرؔ کا یہ مقطع مرثیے میں شامل کر دیا ہے:-

یہ بات سُن کے ہند میں باقی رہا نہ ہوش　　برپا ہوا اسیروں میں آہ و فغاں کا جوش
تا عرشِ کبریا گیا فریاد کا خروش　　اب ہے مقام گریہ دبیرِؔ حزیں خموش
رونق جو شہر شہر یہ تیرے سخن کی ہے

تائید کبریا کی مدد پنجتنؑ کی ہے

ملکہ زمانی کا چھٹا مرثیہ :۔(۴۶ بند)

جب خواب میں حاکم کو پیمبرؐ نظر آئے   کھولے ہوئے گیسوئے معنبر نظر آئے
شاہِ شہدا بھی اُسے بے سر نظر آئے   گودی میں لئے لاشۂ اصغرؑ نظر آئے
کہتے ہیں کہ خواہر پہ مری رحم کی جا ہے
میں سر کا ہوں محتاج وہ محتاجِ ردا ہے

مقطع:۔

بس ملکہ زمانی نہیں اب طاقت تقریر   کر عرض سکینہؑ سے کہ اے دختر شبیرؑ
تیری نگہہ مہر مرے حق میں ہے اکسیر   اور سایہ دامن ہے تیرا خلعتِ توقیر
فرماؤ سفارش مری شاہ شہدا سے
محفوظ رکھیں مجھ کو ہر اک رنج و بلا سے

ملکہ زمانی کا یہ مرثیہ اب ''دفتر ماتم'' جلد ہفتم ص ۱۸۵ پر مطبوعہ موجود ہے، مرزا دبیر نے ملکہ زمانی کا مقطع ہٹا کر اپنا مقطع شامل کر دیا ہے:۔

خامے کو دبیر اب نہیں تحریر کا امکاں   اغلب ہے کہ مجموعۂ ہستی ہو پریشاں
کہہ بادشہؑ دیں میں کہ مولا ترے قرباں   واللہ کہ کیا شیعوں پہ تونے کیا احساں
قلبی لِولاک اے پسرِ فاطمہ زہراؑ
روحی بفداک اے پسرِ فاطمہ زہراؑ

ملکہ زمانی کا ساتواں مرثیہ :۔(۳۰ بند)

زنداں میں پہلی شب جو حرم پر گزر گئی   ہوتے ہی صبح دختر شبیرؑ مر گئی
بالی سکینہؑ نام محبت کا کر گئی   جنت میں شہؑ کے مُجرے کو وقتِ سحر گئی
دنیا میں داد رس نہ ملا داد خواہ کو
جا کر نشاں طمانچوں کے دکھلائے شاہ کو

مقطع:۔

تم کو تمہاری قبر کو اللہ کی پناہ   پھر آوں گی یہاں اگر آنا ملے گا آہ

یہ کہہ کے قید خانے کی لی مقبرے سے راہ　　اب عرض کر یہ ملکہ زمانیؔ کہ یا الٰہ
تیرے کرم سے ہو مجھے جاہ و حشم نصیب
غیراز غم حسینؑ نہ ہو کوئی غم نصیب

ملکہ زمانیؔ کا یہ مرثیہ اب ''دفتر ماتم'' جلد چہارم ص ۱۸۸ پر موجود ہے، مرزا دبیرؔ نے اس مرثیے کا مطلع اور مقطع دونوں تبدیل کر کے اپنے مرثیوں میں شامل کرلیا۔

مرزا دبیر کا مطلع:- (جب داغ بے کسی نہ سکینہ اٹھا سکی) اور مطلع ثانی سے یہ مرثیہ ملکہ زمانیؔ کے مرثیے سے مماثل ہو جاتا ہے:-

جب گل ہوا چراغ حرم قید شام میں　　یعنی سکینہؑ مر گئی یادِ امام میں
دیکھے ستم یزید کے دربارِ عام میں　　شہؑ کے سلام کو گئی دارالسلام میں
دنیا میں داد رس نہ ملا داد خواہ کو
جا کر نشاں طمانچوں کے دکھلائے شاہ کو

مرزا دبیرؔ نے مقطع میں چوتھا مصرع اور بیت تبدیل کی ہے:-

تم کو تمہاری قبر کو اللہ کی پناہ　　پھر آؤں گی اگر مجھے آنا ملے گا آہ
یہ کہہ کے قید خانے کی لی مقبرے سے راہ　　بس اے دبیرؔ بس کہ ہوا حال اب تباہ
یوں ملتجی حضورِ خدا اور رسولؐ ہو
یہ مرثیہ بحق سکینہؑ قبول ہو

ملکہ زمانی کے خاندان سے مرزا دبیرؔ کا گہرا تعلق ہے، تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں، مرزا دبیرؔ کو وہاں سے بڑی بڑی رقمیں ملتی تھیں، اس لئے وہ مرثیوں کے مقطعوں میں اُن کی مدح سرائی کرتے تھے، حیرت ہے کہ بعد میں مرزا دبیرؔ نے مقطعے تبدیل کر دیئے ہمارے کتب خانے میں مرزا دبیرؔ کا ایک اور قلمی مرثیہ ۱۲۳۸ھ کا ہے جس کا مطلع ہے:- ع

''جب شام میں ہر ایک طرف یہ خبر آئی''

اس مرثیے کے مقطعے میں مرزا دبیرؔ نے ملکہ زمانی کے سمدھی ناصر الدولہ نواب اصغر علی خاں بہادر کی مدح کی ہے:-

خاموش دبیرؔ اب ہے ہجوم غم شبیرؑ　　مضمون روایت تو کئے خوب سے تحریر

اب مانگ دعا حق سے کہ اے مالکِ تقدیر ۔ ہو اس کا زیادہ حشم و دولت و توقیر

یہ عاشق سبطین رسول دو جہاں ہے

اصغر علی خاں فخرِ امیرانِ زماں ہے

''دفتر ماتم'' جلد دہم میں ص ۱۶۳ پر مطبوعہ مرثیے میں مرزا دبیرؔ نے مقطع اس طرح تبدیل کر دیا ہے:-

خاموش دبیرؔ اب ہے ہجوم غم شبیرؑ مضمون روایت تو کئے خوب سے تحریر

اب مانگ دعا حق سے کہ اے مالکِ تقدیر شیعوں کا فزوں ہو حشم و دولت و توقیر

توفیق عزا دے اُنھیں عُمر اُن کی سوا کر

رتبہ انھیں سلمان و ابو ذر کا عطا کر

ناصر الدولہ نواب اصغر علی خاں بہادر، شاہِ اودھ محمد علی شاہ کے فرزند اکبر تھے، مگر موصوف خاص محل سے نہ تھے، بلکہ بادشاہ خانم کے بطن سے تھے، نواب اصغر علی خاں کے فرزند ممتاز الدولہ تھے۔ ممتاز الدولہ کی شادی ملکہ زمانی کی بیٹی سلطان عالیہ بیگم سے ہوئی تھی۔

ناصر الدولہ نواب اصغر علی خاں نے اپنے والد محمد علی شاہ کی حیات میں انتقال کیا ورنہ محمد علی شاہ کے بعد وہی اودھ کے بادشاہ ہوتے چنانچہ قانون اودھ کے مطابق ممتاز الدولہ محجوب الارث ہو گئے اور محمد علی شاہ کے دوسرے بیٹے امجد علی شاہ تاجدار اودھ ہو گئے۔

(بیگمات اودھ ص ۱۱۲)

نواب سلطان عالیہ بیگم، سلطانؔ

نواب سلطان عالیہ بیگم، ملکہ زمانی کی بیٹی اور نواب کیواں جاہ کی حقیقی بہن تھیں، مرزا دبیرؔ کی شاگرد تھیں اور اس دور کی بہترین نازک خیال شاعرات میں شمار کئے جانے کے قابل تھیں۔

سلطان عالیہ بیگم کی شادی نواب ناصر الدولہ اصغر علی خاں کے بیٹے فریدوں مرتبت مبارز الملک ممتاز الدولہ نواب حسین علی خاں تہوّر جنگ سے ہوئی۔ ناصر الدولہ نواب اصغر علی خاں اس رشتے کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن بادشاہ نصیر الدین حیدر کی راج ہٹ کے سامنے کسی کی نہ چلی اور شادی ہو کے رہی، بادشاہ نصیر الدین حیدر نے بڑے دھوم دھام سے شادی کی۔ شاہی

خزانے کا تیس لاکھ روپیہ اس شادی پر صرف ہوا، سلام کرائی میں دولھا یعنی نواب ممتاز الدولہ کو نوّے لاکھ روپے ملے جس میں سے انھوں نے کافی رقم کے نوادر یورپ سے منگائے انھیں نوادر میں ایک گھڑی تھی جس کی قیمت ایک لاکھ روپے تھی۔

سلطان عالیہ بیگم بڑی تُنک مزاج تھیں اور اسی وجہ سے شوہر سے اُن کی نہیں بنتی تھی۔ سلطان عالیہ بیگم کی دو اولادیں ہوئیں، ایک سعید الدولہ نواب ذکی علی خاں جن کی تعمیر کردہ کربلا اب بھی محلّہ وکٹوریہ گنج میں موجود ہے، اور دوسری ایک صاحبزادی نواب عفت آرا بیگم عرف بکّن بیگم صاحبہ (عفت آرا بیگم کے نوحے، سلام اور مرثیے ''بیاض عفت'' کے نام سے شائع ہوئے تھے) عفت آرا بیگم کی شادی چھوٹے صاحب عالم نواب قمر الدین حیدر سے ہوئی تھی جو آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ کے حقیقی بھتیجے تھے۔

سلطان عالیہ بیگم کے فرزند سعید والدولہ کی بیٹی یعنی سلطان عالیہ کی پوتی عصمت آرا بیگم عرف چُٹّن صاحبہ تھیں جن کی کربلا مشہور ہے، عصمت آرا بیگم کے یہاں کا تعزیہ چہلم کے روز دھوم دھام اور کثیر رقم کے صرفے سے اٹھا کرتا تھا مگر ۱۹۳۲ء سے یہ جلوس تعزیہ موقوف ہوگیا۔ عصمت آرا بیگم عصمتؔ تخلّص کرتی تھیں اُن کے کلام کی دو جلدیں ہمارے کتب خانے میں موجود ہیں، جس میں سلام، نوحے اور مہندیاں خاصی تعداد میں ہیں۔

سلطان عالیہ بیگم بڑی اولوالعزم رئیسہ تھیں، خود ایک بلند پایہ شاعرہ تھیں اور شعر و سخن کی بڑی قدر دان، وہ خود اور اُن کے شوہر نواب ممتاز الدولہ دونوں مرزا دبیرؔ کے شاگرد تھے، سلطان عالیہ بیگم بڑے دھوم دھام سے مجلسیں کرتی تھیں جن میں بالعموم مرزا دبیرؔ پہلے سلطان عالیہ کا سلام پڑھتے تھے اور پھر اپنا مرثیہ شروع کرتے تھے، سلطان عالیہ خود پس پردہ موجود رہتی تھیں اور جیسے ہی مرزا دبیرؔ منبر سے نیچے تشریف لاتے تھے عرض کرتی تھیں۔

''ابا جان مرثیہ مجھے عنایت کردیجئے''

چنانچہ سلطان عالیہ کے پاس مرزا دبیرؔ کے مرثیوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا، ثابتؔ لکھنوی نے ''دربارِ حسین'' میں لکھا ہے کہ مرزا دبیرؔ نے سلطان عالیہ کو پچاس ساٹھ مرثیے انھیں کے تخلّص سے کہہ کردیئے تھے، لیکن ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کا بیان ہے کہ یہ روایت بالکل بے بنیاد ہے۔

سلطان عالیہ بیگم، مرزا دبیرؔ کی بڑی چہیتی شاگرد تھیں جن کو مرزا دبیرؔ نے بیٹی بنایا تھا، چونکہ وہ اعلیٰ درجہ کے سلام کہتی تھیں اس لئے مرزا دبیرؔ اکثر ان کی تخمیس کر دیا کرتے تھے، سلطان عالیہ کے سلام چالیس اور پچاس شعر کے ہوتے تھے اس لئے جب مرزا دبیرؔ اُن کی تخمیس کرتے تھے تو چالیس پچاس بند کا مرثیہ تیار ہو جاتا تھا، یہ سارے مخمس ''دفترِ ماتم'' میں خود مرزا دبیرؔ کے نام سے موجود ہیں اور شاید یہی وہ مرثیے (خمسے) ہوں گے جو سلطان عالیہ، مرزا دبیرؔ سے اس لئے مانگ لیتی تھیں کہ یہ اُن کے سلاموں کی تخمیس تھے۔

سلطان عالیہ بیگم کے بہت سے سلام دفترِ ماتم کی جلدوں میں موجود ہیں اور ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان عالیہ کے کلام میں استادانہ پختگی پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی لکھتے ہیں:-

> ''جہاں تک زبان کا تعلق ہے ان کے سلاموں کی زبان نہایت مستند اور ٹکسالی ہے اس لئے کہ یہ سلام اودھ کی ایک شاہزادی کے ہیں اور بیگمات لکھنؤ کی زبان کا اسناد ناقابل انکار ہے، تخیل کی بلندی اور مشاہدہ کی گہرائی ایسی ہے کہ پڑھنے والا چونک اٹھتا ہے، مضامین نہایت پاکیزہ اور بلند، انداز بیان دلکش اور بندشیں ایسی حسین ہیں کہ دل پھڑک اٹھتا ہے، ذیل میں ہم اُن کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کر رہے ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ اس محترم شاعرہ کی ادبی عظمت پورے طور پر ظاہر ہوگی بلکہ یہ بھی اندازہ ہوگا کہ اس دور کی شریف پردہ نشین خواتین نہ صرف یہ کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتی تھیں بلکہ ایک اعلیٰ ادبی مذاق کی عامل ہوا کرتی تھیں۔'' (دبستانِ دبیرؔ ص ۴۲۸)

نیزہ ہو دل میں، لاش ہو رن میں، سناں پہ سر
طوفانِ نوحؑ گریہ عابدؑ سے تھا خجل
کبرٰا دلھن بنی تو یہ تقدیر نے کہا
دولھا کا خون خاکِ عزا، گردِ راہ شام
اکبرؑ نے رضا مانگی تو بانو یہ پکاری
کیوں کر کہوں تم جاؤ گے اور جانے میں دوں گی

اکبرؑ کو تھے شباب کے ارماں نئے نئے
اٹھتے تھے قطرے قطرے سے طوفاں نئے نئے
کل تم ہو اور سوگ کے ساماں نئے نئے
بدلے گی رنگ ماتھے کی افشاں نئے نئے
دم گھٹتا ہے باتیں کرو اے ماہِ جبیں اور
واری نہ میں ہی اور ہوئی ہوں نہ تمہیں اور

چلائی دلھن ماتھے پہ خوں دولھا کا مل کر — تقدیر میں لکھی تھی یہ افشاں جبیں اور
سیدانیوں کے چہرے پہ یا بال تھے یا ہاتھ — بے پردہ نہ ایسا ہو کوئی پردہ نشیں اور

ہلال نقوی صاحب!

خوش رہیئے۔

مضمون یہیں پر ختم کر رہا ہوں، ابھی بہت سی خواتین کا تذکرہ باقی ہے، میرے کتب خانے میں بہت مرثیے، سلام اور نوحے شاعرات کے موجود ہیں، کل سے محرم شروع ہے، اب فرصت کا امکان کم ہے، آخر میں ایک ضروری بات وہ یہ کہ ''رثائی ادب'' شمارہ نمبر ۱۵ میں ڈاکٹر نیر مسعود صاحب کا مضمون ''مرثیے کی تنقید، معیار و مسائل'' شائع ہوا ہے، ص ۲۱ پر لکھتے ہیں :-

میر انیس کے مرثیے

وطن میں قافلۂ کربلا کی آمد ہے

اور زندان شام میں ہند کی آمد وغیرہ کے مرثیوں کے بہت اچھے تجزیے کئے جا سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر نیر مسعود صاحب کا اصل مسودہ دیکھئے، اس میں انھوں نے یہ مرثیہ مونسؔ کا لکھا ہوگا۔ کمپوزنگ میں غلطی ہوئی ہے۔

یہ مرثیہ میر مونسؔ کے شاہکار مرثیوں میں ہے اور مراثی میر مونسؔ جلد سوم میں شائع ہوا ہے۔

مسعود حسن ادیبؔ مرحوم کے بھائی آفاق صاحب جب کراچی آئے تھے تو دو مرتبہ میرے یہاں تشریف لائے انھوں نے مجھے بتایا کہ مسعود صاحب مرحوم ''شاہکار انیسؔ'' کی طرح اس مرثیے کو ''شاہکار مونسؔ'' کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

مرثیوں کے مصنفین کے بارے میں احتیاط کیجئے، ڈاکٹر اکبر حیدری نے تو مرثیوں کا کام بگاڑ ہی دیا ہے، اب یہ کام سنبھالنے اور درست کرنے میں وقت لگے گا۔

غیر منقوط مرثیے

ادبی صنعتوں میں سے ایک صنعت ''غیر منقوط'' ہے۔ اس صنعت کو ''غیر منقوط'' کے علاوہ ''بے نقط'' اور ''صنعتِ مہملہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس صنعت میں صرف وہ حرف استعمال کئے جاتے ہیں جن کے اوپر نیچے نقطہ نہیں ہوتا، گویا نقطے والے حروف سے پرہیز کیا جاتا ہے، یہ بڑی مشکل اور سنگلاخ صنعت ہے جس میں بہت کم شعراء اور ادباء پوری طرح کامیاب ہو سکے ہیں۔

صنعتِ غیر منقوط کی مثالیں قرآنِ کریم کی آیات میں بھی موجود ہیں مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، آلٓمٓ، سَمِعَ اللّٰهُ، حُدُود اللّٰهِ، لِلسَّائل وَالمحروم، وَالعصرِ، اللّٰهُ الصّمد، آلٓمٓ، لا اله اِلا هو، وَهُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰه اِلّا هُوَ لهُ الحَمدُ،

حضرت علی علیہ السلام کا ایک مکمل خطبہ ایسا ہے جس میں کوئی نقطہ استعمال نہیں ہوا ہے۔ یہ پورا خطبہ اور اس کا ترجمہ درج ذیل ہے یہ عربی ادب کا شاہکار ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكَ الْمَحْمُودُ الْمَالِكِ الوَدُود مُصَوّرِ كُلّ مَوْلَودٍ وَمَالِ كُلِّ مَطْرَوْدٍ سَاطِح الْمِهادِ مَوطِدَ الْاَ وَطَارِ وَمُرْسِلَ الْاَمْطَارِ وَمُسْهِلِ الْاَ وُطَارِ عَالِمَ الاسْرَارِ وَمُدْرِكِهَا وَمُدمِّرِ الْاُملاك وَمُهْلِكِهاَ وَمَكَرّر الدّهُوى وَمُكَرّهَا وَمُورِ دِالْاُمُورِ وَمصدرهَا عَمَّ صَمَاحَة وَكَملَ رُكَامُهٗ وَهَمَل قَطَارَعَ السّوالَ وَالامَلَ واَوَسَعَ الرّمَل وارْمَلَ اَحْمدُهٗ حَمْدَ اَحْمَد ودَامَدَاه وَوَادَحِدّهٗ وَحُدَهُ الا وَآهُ وَهُواللّٰه لَا اِلٰهَ للامَمِ سِرَاهُ وَلَا صَادِعَ لِمَا عَدّلَهٗ وَسَوّاهُ اُرْسَلَ مُحمدًا عَلَماَ ،

لِلاسْلَامِ وَاِمَامَ لِلْحُكَّامِ وَمُسدّدَ اللّرِعاءِ ومُعطّلاَ احْكَام رُدٍّ وسُواعٍ
اَعْلَمَ وَعَلّمَ وَحَكَمَ وَاَحْكَمَ وَاَصّلَ الْاُصول وَمَهّدَ ولكذّا لُوعُودَ
وَاَوْعَدَ اَوْصَلَ اللّٰه لَهٗ الاكْرام وَاَودعَ رُوْحَهُ السّلَامَ وَرَحِمَ لَهٗ
وَاهْلَهٗ اَلْكِرَامَ مَالَمعَ الیّ وَمَلَعَ" وَآلّ" وَطَلَعَ هَلَال" وَسَمَعَ اِهْلَال"
اِعْلَمُو اَرعَاكُمُ اللّٰهُ اصْلَحَ الْاَعمال واسَلكُوْا سَالِكَ الحلال
واُطْرَحُوْا الْحَرَامَ وَدَعُوهٗ وَالسْمَعُوا امر اللّٰهِ دَعُوْهُ وصِلُوا
الْاُرَحَامَ وَرَاعوهَا وَعاصُوا الَاهوَآءِ وَاَرْرَعُوْها وصاهِر واَهْلَ
الصّلَاح وَالْوَرعْ وَصَارِمُوْا رَهطَ اللّهُود الطّمَعْ وَمَصَاهِرُكُمْ اَطْهَر
الَاحْوارِ مَولِدًا وَاَسْرَاهُمْ سَرْدوَ او احْلَا هُمْ مَو رِدًا وَحرّموَا اَمّلُمْ
وحَلّ حَرّمُكُمْ مَلِكَ عَروُسَكُمُ الْمكرّمَ ومَاهِرآ الَهَا كَماَ مَحصَرَ رَسُوْلُ
اللّٰه اُمّ سَلَمه وَهُوَ اكْرَمُ صِهرآ اَوْدَعَ الاَ ولادَ وَمَلَكَ مَا اَرادَ اوَمَا
سَمَا مَمّلِكَهٗ وَلَا وَهِمَ وَلَا وكِسَ مُلَا حِمُهُ وَلَاوصِمَ اَسْئَلُ اللّٰهُ لكُم
اِحمَادَ وَصَالِهٖ وَدَوَام اسْعَادِهٖ وَلُهَمَ كلاً اِصلَاحَ حَالِهٖ وَالِاَ عُدَا
دَلِمآلَهٖ وَمَعَارِهٖ وَلِهٗ اَلْحَمْدُ والسّرمَدُ والْمَدحُ لِرَسُوْلِهٖ اَحمده

میں اللہ کی حمد کرتا ہوں جو بادشاہ ہے حمد کردہ مالک ہے محبت کرنے والا ہر مولود کا مصور اور ہر ٹھکرائے ہوئے کی بازگشت ہے۔ فرش زندگی بچھانے والا پہاڑوں کا قائم کرنے والا بارش کا بھیجنے والا اور سختیوں کا آسان کرنے والا ہے وہ اسرار کا جاننے والا مدرک اور ملکوں کا برباد کرنے والا اور زمانوں کا گردش دینے والا ان کا لوٹانے والا اور امور کا مورد و مصدر ہے اس کی سخاوت عام ہے اور اس کا انتظام کامل ہے اس نے مہلت دی ہے اور سوال وامید میں مطاوعت پیدا کی اور رمل وارمل کو وسعت دی۔

میں اس کی حمد کرتا ہوں ایسی حمد کہ جو طویل ہے اور اس کی توحید بیان کرتا ہوں جیسا کہ اس کی طرف رجوع ہونے والوں نے بیان کیا ہے۔ وہی وہ خدا کہ امتوں کا اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ کوئی اس شخص کا بگاڑنے والا نہیں جس کو اُس نے درست کیا ہو۔ اس

نے محمدؐ کو اسلام کا علم اور حکام کا امام زیادتیوں کا روکنے والا اور ودّ اور سواع (دونوں بُت ہیں) کے احکام کو باطل کرنے والا بنا کر بھیجا اس نے تعلیم دی اور حکم دیا اور اصولوں کو مقرر کیا اور ہدایت کی وعدہ وفائی کی تاکید کی اور اللہ نے اکرام کو اس کے ساتھ متصل کر لیا اور ودیعت کی روح کو سلامتی کے ساتھ اور اس پر رحم اور اس کے اہلِ بیت کو مکرم کیا جب تک سراب کی چمک باقی ہے اور چاند روشن ہے اور ہلال کو دیکھنے والا منتظر ہے، جان لو خدا تم سے رعایت کرے تمہارے اعمال کی اصلاح کرے حلال کے راستوں پر گامزن رہو اور حرام کو ترک کرو اور حکم خدا کو مانو اس کی حفاظت کرو اور صلۂ رحم کرو اور اس کی رعایت کرو اور خواہشات کی مخالفت کرو ان کو چھوڑو اور نیکوکاروں کی مصاحبت اختیار کرو لہو و لعب اور لالچیوں سے جدائی اختیار کرو۔ تمہارے ہم صحبت لوگ معاملات کی حیثیت سے پاک و پاکیزہ ہوں اور سرداری کی حیثیت سے منتخب ہوں بحیثیت میزبان کے شیریں بیان ہوں اور آگاہ ہو کہ اسی نے حرام کیا ہے تمہاری ماؤں کو اور حلال کیا ہے تمہاری بیویوں کو اور مالک بنایا ہے تم کو تمہاری مکرم دولہنوں کا اور بنایا ہے تم کو ان کا مہر دینے والا جیسا کہ رسول اللہ نے ام سلمٰہ کا مہر ادا کیا وہ خسر کی حیثیت سے بزرگ ترین ہستی ہیں۔ انہوں نے اولاد چھوڑی اور مالک بنایا ہر اُس چیز کا جو انہوں نے چاہا اس مالک بنانے والے نے نہ ہی سہو کیا اور نہ وہم و غفلت۔ میں اللہ سے تمہارے لئے سوال کرتا ہوں کہ ان کے وصال کی اچھائیاں تمہیں ملیں اور ان کی سعادت کی مداومت حاصل ہو اور کل کے لئے اصلاح حال کی اور اس کے مآل و معاد کے سامان کے لئے یعنی اس کی دنیا و آخرت کی بہبودی کے لئے خواہش کرتا ہوں حمد و ہمیشگی اسی کے لئے ہے اور مدح اس کے رسولؐ کے لئے ہے۔ جس کا نام احمدؐ ہے۔

اکبر بادشاہ کے زمانے میں فیضی نے ''سواطع الالہام'' کے نام سے قرآنِ کریم کی غیر منقوط تفسیر لکھی ہے۔ صنعت غیر منقوط میں اس کتاب کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی اور اس مخصوص صنعت میں یہ کتاب ضرب المثل بن گئی اور اُسے دنیا بھر میں پذیرائی حاصل ہوئی۔

اُردو میں غیر منقوط تحریر لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ اور صنعتِ غیر منقوط میں شاعری کرنا نثر سے بھی مشکل ہے، اس صنعت میں انشا اللہ خاں انشا کا قصیدہ در مدح حضرت علیؓ المسمٰی بہ ''طور الکلام''

بہت مشہور ہوا انشا نے اس قصیدے میں اُردو کے علاوہ عربی، فارسی اور ترکی میں بھی غیر منقوط شعر کہے ہیں۔

میری کتاب ''شعرائے اُردو اور عشق علیؑ'' میں یہ پورا قصیدہ موجود ہے میں نے اس غیر منقوط قصیدے کی شرح بھی تحریر کردی ہے۔ قصیدے کا مطلع ہے۔

ملاؤ مروحہ آہ سردِ کو ہر گام
کہ دل کو آگ لگا کر ہوا ہوا آرام

انشا نے ایک ''دیوانِ بے نقطہ'' بھی تصنیف کیا ہے جو اُن کے کلیات میں شامل ہے۔ مرزا دبیر نے صنعت غیر منقوط میں ایک مرثیہ ۷۳ بند کا حضرت عباسؑ کے حال کا اور چند رباعیاں قطعات اور ایک سلام بھی تصنیف کیا ہے۔

مرثیے کا مطلع ہے۔

مہر علمِ سرورِ اکرم ہوا طالع وہ مہر ہوا مہرِ سحر کم ہوا طالع
ہے ماہ مرادِ دلِ عالم ہوا طالع ہر کام علمدار کا ہمدم ہوا طالع
عکسِ علم و عالم معمور کا عالم
گہ ماہ کا گہ مہر گہ طور کا عالم

مہذب لکھنوی نے مرزا دبیر کا یہ مرثیہ ماہ کامل، کے نام سے ۱۹۶۱ء میں شائع کیا تھا مرزا دبیر نے غیر منقوط میں دبیر کی جگہ عطارد تخلص رکھا ہے اس سلسلے میں خود کہتے ہیں۔

ڈھونڈھا جس دم تخلص بے نقطہ
ہمنام دبیر کا عطارد نکلا

مرزا دبیر نے غیر منقوط مرثیے کا قطعہ تاریخ بھی کہا ہے جس کے آخری شعر میں تاریخ ہے۔

سال کا ادراک اس دل کو ہوا مصرع کہا
مدحِ روحِ سالم سرور عطارد کا کلام ۱۲۵۹ھ

مرزا دبیر کی غیر منقوط یہ رباعی بہت مشہور ہے۔

اعدا کو اُدھر حرام کا مال ملا حرؑ کو اسد اللہ کا اِدھر لال مِلا

واللہ کُلاہِ سرِ عالم ہوا حُر خلّہ ملا ، معصومہؑ کا رومال مِلا

غیر منقوط سلام کا مطلع ہے۔

مسطور گر کمال ہو سروِ امام کو
مصرع ہمارا سرو ہو دارالسّلام کا

مرزا دبیرؔ کے دیگر مرثیوں میں بھی کہیں کہیں غیر منقوط بند ملتے ہیں۔ مثلاً

حُر حملہ ور ہوا کہ اسد حملہ ور ہوا وہ حملہ ور اُدھر اِدھر اسلام ور ہوا
سر گرم معرکہ سرِ اعدا اگر ہوا وہ گُل کھلا کہ لالۂ کہسار سر ہوا
اہلِ حسد کو درس اُدھر آہ آہ کا
حورو ملک کو ورد ادھر واہ واہ کا

مرزا دبیرؔ کے ایک مشہور شاگرد نواب محمد تقی خاں اخترؔ نے بھی ایک مرثیہ غیر منقوط تصنیف کیا جس میں ۱۰۱ بند ہیں یہ مرثیہ ۱۸۹۱ء میں مطبع شوکت جعفری لکھنؤ سے نواب محمد تقی خاں اخترؔ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ مرثیے کا مطلع ہے۔

ہم طالع ہما مرا وہم رسا ہوا طاؤسِ کلکِ مدح اڑا اور ہما ہوا
مطلع ہمارا مطلعِ مہرِ سما ہوا اور دوحۂ کلام سراسر ہرا ہوا
مصرع ہوا کہ سروہ دارالسّلام کا
عطرِ گلِ ارم ہوا حاصل کلام کا

مولانا محمد حسین آزادؔ نے اخترؔ کے اس مرثیے کو ''آبِ حیات'' میں مرزا دبیرؔ کے نام سے منسوب کر دیا ہے۔ ظاہر ہے یہ آزادؔ کا تسامُح ہے۔ غلط فہمی کی وجہ سے اب تک یہ مرثیہ مرزا دبیرؔ کا ہی سمجھا جاتا ہے۔

مرزا دبیرؔ کے ایک شاگرد سیّد محمد شمیمؔ جو کجھوہ ضلع سارن (بہار) کے رہنے والے تھے خوب خوب مرثیے تصنیف کئے ہیں ایک مرثیے میں غیر منقوط بند دیکھئے۔

دل دو عدو کا اور ہوسِ ملک و مال دو کاسہ سرِ سوار کا دو اور ڈھال دو
ہر مُہرو اسم و سکّہ و سرکوہ و لال دو مہرو مہ و سماؤ سمک اور سال دو

رہوار دو ، اِدھر ہوا ، اسوار اُدھر ہوا
اور اس کا ہم کمال حسامِ دوسر ہوا

مرزا دبیرؔ کے ایک اور شاگرد سیّد محمد علی زائرؔ زید پوری نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی مدح میں ۱۳۷ اشعار پر مشتمل غیر منقوط قصیدہ کہا ہے۔ مطلع ہے۔

ہمدم مادر ہمہ درد و الم
حمد صمد مدح امام امم

قاری یعقوب علی خاں نصرتؔ نے بھی ۵۰ بند کا ایک مرثیہ چند رباعیات اور ایک سلام غیر منقوط تصنیف کیا ہے۔ نصرتؔ غیر منقوط میں مدد تخلص استعمال کرتے تھے۔ مرثیے کا مطلع ہے۔

مدّاح ہوا کلک امام دوسرا کا مسرور ہو دل لکھ کلمہ صلِّ علیٰ کا
مطلع ہو کہ عالم ہو مہ و مہر سما کا مدّاح ہو مورد کرم و مہر و عطا کا
سردارِ دو عالم کا اگر رحم و کرم ہو
اس مدح کا واللہ صلہ حورو ارم ہو

عبدالرؤف عروجؔ نے غلطی سے اس مرثیے کو اپنی کتاب ''اُردو مرثیے کے پانچ سو سال میں'' میر انیسؔ کے نام سے چھاپ دیا ہے۔ نصرتؔ کے اس مرثیے کو مرزا محمد صابر شکیبؔ نے ڈرگ روڈ کراچی سے میر انیسؔ کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ اس مرثیے کو میر انیسؔ کی طرف منسوب کرنا گمراہ کن ہے۔

میر انیسؔ کے سلسلے میں ایک حکایت مشہور ہے۔ امیر احمد علوی ''یادگارِ انیسؔ'' میں لکھتے ہیں۔

''مرزا دبیرؔ نے ایک بے نقطہ مرثیہ کہا جس کا مطلع ہے

مہر علم سرورِ اکرم ہوا طالع

ایک صاحب نے میر انیسؔ سے ذکر کیا کہ مرزا دبیرؔ نے ایک مرثیہ کہا ہے جس میں اوّل سے آخر تک کوئی حرف نقطہ دار نہیں آیا ہے۔ میر انیسؔ مسکرائے بولے یہ کہیئے سر سے پاؤں تک مہمل ہے جو لوگ جانتے تھے کہ اس صنعت کو مہملہ کہتے ہیں وہ میر انیسؔ کے لُطفِ بیان سے محظوظ ہوئے۔

میر انیسؔ نے غیر منقوط مرثیہ تصنیف نہیں کیا لیکن اُن کے ایک مشہور مرثیے

"جب حضرت زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں"

میں حضرت قاسمؑ کی جنگ کے موقع پر چار (۴) بند غیر منقوط تصنیف کئے گئے ہیں۔

وہ طاہر و اَطہر ہو اگر معرکہ آرا (۱) معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
آگاہ ہو کس طرح کہو عمرو کو مارا صمصام کا اِک وار ہوا کِس کو گوارا
وَاللہ گر اک دَم کو وہ صمصام عَلم ہو
ہر روح کو اُسدم ہوسِ مُلکِ عَدم ہو

سردارِ اُمم محرمِ اَسرارِ محمدؐ (۲) مہ رو اسد اللہ کا دِلدارِ محمدؐ
دِلدار و دِل آرام مددگارِ محمدؐ ممدوحِ مَلک مالک سرکارِ محمدؐ
سرور کہو اِسلام کا اِس مالک کُل کو
آرام دو اِک دم دِلِ سردارِؐ رُسُل کو

کِس کا اَسد اللہ سا ہوا والدِ مرحوم (۳) حلالِ مہم، مالکِ کل، طاہر و معصوم
صدرِ دوسرا رحمدل و سرورِ مہموم آسودہ ہو ہر سالکِ و گمراہ وہ محروم
معصوم کا دِلدار ہو سالارِ اُمم ہو
اُولاد کا اِس عالم و عادل کو اَلَم ہو

اِس طرح کا والا ہمم اِس طرح کا سردار (۴) اِس طرح کا عالَم کا مُمدِ اور مددگار
وہ مصدرِ الہامِ اَحد محرمِ اَسرار وہ اصلِ اُصولِ کرمِ وَادرِ دَادار
حاصل اگر اک مردِ دِلِ آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا

میر عشق نے چندر باعیاں اور ایک سلام غیر منقوط تصنیف کیا ہے۔ میر عشق غیر منقوط میں تخلص "درد" لاتے ہیں۔ سلام کا مطلع ہے۔

طور اس کلام کا دل حاسد کو سم ہوا ہر مصرع سلام حُسام دو دم ہوا

مقطع ہے۔

مولا مدد کرو اسد کردگار ہو آؤ کہ درد مورد درد و الم ہو

میر عشق کی ایک رباعی غیر منقوط یہ ہے۔

احمد کا گل آہ اور محرومِ لحد　وہ سرّ الٰہ اور محروم لحد

صدمہ ہوا سر کھلا محمدؐ کا درد　معصومہ کا ماہ اور محرومِ لحد

اُردو نثر نگاری میں بھی صنعت غیر منقوط پر تھوڑا بہت کام ہوا ہے شائق دہلوی نے پہلی مرتبہ اُردو غیر منقوط لغت ''شائق اللغات'' ۱۹۱۵ء میں تالیف کیا جو ۱۹۶۱ء میں کراچی سے شائع ہوا ۱۹۷۵ء میں مرزا محمد صابر شکیبؔ نے ''لغت غیر منقوط'' کراچی سے شائع کیا۔ شکیبؔ کو ''شائق اللغات'' کا علم نہ ہو سکا اس لئے انہوں نے اپنی کاوش کو اوّلیت کا درجہ دیا حالانکہ ان کی کاوش نقشِ ثانی ہے جدید دور کے شاعروں میں کامل جونا گڑھی نے ماہِ کامل کے نام سے دیوانِ غیر منقوط تصنیف کیا انہوں نے ایک طویل مرثیہ غیر منقوط تصنیف کیا جو ان کے مرثیوں کی جلد اوّل میں شامل ہے۔

(تفصیلات دیکھئے اُردو مرثیہ پاکستان میں) کامل جونا گڑھی نے ۷، ستمبر ۱۹۷۷ء کو کراچی میں وفات پائی۔ آپ جونا گڑھ ریاست کے درباری شاعر تھے۔

اُردو کے عظیم مرثیہ نگاروں کا یہ فیضان ہے کہ ۱۹۸۳ء میں محمد ولی رازیؔ نے حضرت رسولِؐ خدا کی سوانح حیات ''ہادیٔ عالم'' کے نام سے شائع کی، پوری کتاب غیر منقوط ہے اور نہایت فصیح اور بلیغ کتاب ہے حکومتِ پاکستان نے اس کارنامہ پر مصنّف کو ایوارڈ سے نوازا، محمد ولیؔ صاحب نے کتاب غیر منقوط ہونے کے باوجود احتیاط اتنی برتی ہے کہ واقعات کے بیان، مکالموں کی نقل اور آیات و احادیث کے مفہوم میں اپنی طرف سے کوئی بیشی گوارا نہیں کی۔ مختلف مقامات پر عربی عبارتوں کے جو ترجمے کئے ہیں۔ وہ تقریباً لفظ بہ لفظ ہیں مثلاً حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہ السلام کے نکاح کے موقع پر حضرت ابو طالبؑ نے جو خطبہ دیا اُس کے عربی الفاظ یہ ہیں۔

"الحمد لله الذی جعلنا من ذرية ابراهيم وذرع اسماعيل وضِئضی معدّو عنصر مفرو جعلنا خضنة بيته وسواس حرمة وجعل لنا بيتا محجوجا وحرما أمنا وجعلنا حكام الناس ثمّ ان ابن اخی محمد بن عبدالله لا يوزن به رجل الّا رجح به ان كان فی المال قلّ، فان المال ظلّ زائل وأمرا حائل۔ و محمد من قد

عرفتم ابتۂ منی قد خطب خدیجۃ بنت خویلد، وبذل لها من الصّداق ما أجله من مالی عشرین بعیر اوھوواللّٰہ بعد ھذالہ بناء عظیم۔

"ساری حمد اللہ کے لئے ہے، اُسی کے کرم سے ہم معمارِ حرم (سلام اللہ علیٰ روحہٖ) کی اولاد ہوئے اور اُس کے ولدِ اوّلؑ کے واسطے سے ہم کو سلسلۂ معد کی طاہر اصل ملی، اُسی کے کرم سے ہم کو حرم کی رکھوالی کا اکرام ملا اور ہم کو وہ مسعود گھر عطا ہوا کہ دور دور کے امصار و ممالک کے لوگ اُس کے لئے راہی ہوئے۔ وہ حرم عطا ہوا کہ لوگ وہاں آکر ہر طرح کے ڈر سے دور ہوں، اسی گھر کے واسطے سے ہم کو لوگوں کی سرداری ملی۔ لوگو! معلوم ہو کہ محمد (صلی اللہ علیٰ رسولہٖ وسلم) وہ مردِ صالح ہے کہ مکّے کا ہر مرد اُس کی ہمسری سے عاری ہے۔ ہاں مال اُس کا کم ہے، مگر مال سائے کی طرح ہے۔ اِدھر آئے اُدھر ڈھلے، اس کو دوام کہاں؟ سارے لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ مری سگی اولاد کی طرح ہے اور وہ اس صالحہ سے عروسی کے لئے آمادہ ہے اور ہمارے مال سے دس اور دس سواری اس کا مہر طے ہوا۔ اور اللہ گواہ ہے کہ اس مردِ صالح کا معاملہ اہم ہے۔ وہ سارے لوگوں سے مکرم ہوگا اور اُس کی اساس محکم ہوگی"۔

ظفر ہاشمی صاحب نے غیر منقوط نعتیہ مجموعہ تصنیف فرمایا تو خواہش مند ہوئے کہ میں اس مجموعہ پر پیش لفظ تحریر کروں۔ راقم الحروف۔ نے غیر منقوط پیش لفظ ان کی خدمت میں لکھ کر پیش کیا جو یہاں درج ہے:-

(تبصرہ غیر منقوط)

مدحِ سرکارِ دو عالم صلعم

مدحِ محمدؐ و آلِ محمدؐ اساسِ اسلام ہے، اِدھر ارادۂ مدح ہوا، اُدھر مالکِ مُلکِ عدم کی امداد ہوئی، اِسم احمدؐ کا وِرد، و، اوراد، روح و دل کا آرام ہے۔

الحمدللہ مدّاحِ محمدؐ کا دِل مدحِ محمدؐ وآلِ محمدؐ سے الہام کا گھر ہے، امرِ الٰہیٰ سے حکم ہوا ملکِ سدرہ کو کہ مدّاح کو آسودہ حال کرو، املاکِ ارم عطا کرو اور مالا مال کردو، سرِّ الٰہیٰ حس ومحسوس سے ماوراء ہے، ہاں اہلِ ادراک، اہلِ دل، اہل اللہ کو کُل کا کُل حاصل ہے۔ مدّاح کا صِلہ ائمہؑ کا حُلہ ہے، رسولؐ دو عالم دارُالعِلم ہے اور علیؑ درِ علم ہے، درِ علم دائم ہے، دردِ دل کی دوا درِ علم سے لے لو، دردِ دل کو درود درکار ہے، ادا کرو درود۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

دمِ مرگ آسرا ہے اسمِ محمدؐ کا، درود کے ورد سے راہِ مُلکِ عدم سہل ہوگی، اُردو مدح گوئی کے لئے مدّاحِ محمدؐ کا رس امرس ہے، مدح "رمل" کی ہو یا "کامل" کی، رسم ہے ولی واحد کے گھر کی کہ مدّاح کو ائمہؑ کا حُلہ عطا ہو، طائرِ سدرہ کی مدد مدّاح کو ہر ہر لمحے حاصل رہے حکم اللہ، حکم رسولؐ، حکم امام ہے کہ مدّاح کی ساکھ دائم رہے، مدّاح کا کلام وِلا سلسلے وَار ہے، سحر حلال ہے، دُرِ سلکِ سُلوک ہے، ہر مصرع سوا لاکھ کا، مدح کس طرح ہو اُس کی وہ رسولؐ صاد ہے، طٰہٰ ہے، مالکِ عصر ہے، لمعہ طور ہے، وہی احمدؐ ہے وہی محمدؐ، اوّل وہی، معد وہی، مدّاحِ رسولؐ طال اللہ عمرہ، طالعِ ور ہے، کلام اُس کا طُرّۂ گُل ہے، ہر مصرع طلوعِ سحر کی طرح۔ مدّاحِ رسولؐ ر، ہا، می (ظفر کی "ر" ہاشمی کی ہا اور می) عصرِ حال کا علّام وعلاّمہ طرح دار ہے، عمادِ اُردو ہے، کلام اُس کا عطرِ گل ہے، عطرِ اگر ہے، کلام عمدہ ہے، کار آمد وکار گر ہے۔

سامعِ کرام کلام اس کا کُل کا کُل عروسِ اُردو ہے، مدح، اللہ کے دلدار کی ہو، دُلدُل سوار کی ہو، ہر طرح سالم، کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللّٰهِ کا عکاس ہے کُل کلام، کُھل کر کہو، کو مل ہے کلام، گواہِ عادل لاوَلَکَ سے کہے گا لامع کوہِ حرا ہے کلام، مائدۂ محرمِ اسرار ہے کلام، مطلعِ سحر کی طرح مرصع ہے کلام،

"عِلم" حصارِ روحِ کلام و"عمل" مالکِ حُورِ ادراک"

"............ ۱۴۲۱ھ ...."

حسرتی کا غیر منقوط مرثیہ:

حسرتی ہاشمی ۱۹۰۱ء میں بہرائچ شریف میں پیدا ہوئے آپ کے مورث اعلیٰ الملقب سر

خروسالار بادشاہ، حضرت محمود غزنوی علیہ الرحمت کے بھانجے حضرت سید سالار مسعود غازی رحمت اللہ علیہ کے ہمراہ جہاد تبلیغ اسلام میں شریک تھے۔ سرفروشی کا یہ جذبہ خطۂ بہرائچ میں ورود کا سبب بنا جو اس زمانے میں ہندوؤں کے سورج دیوتا کی پرستش کا مرکزی استھان (عبادت گاہ) تھا۔ ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی میں آپ کے جد میر حسن علی اور میر ببر علی نے اپنی قائدانہ اور مجاہدانہ صلاحیتوں کے جوہر دکھائے۔ جزل ہیولک کی کمین گاہ سے میر برادران کو توپ دم کرنے کے احکام صادر ہوئے اور بالآخر ایک مردِ حُر نے اپنے خونِ دل لخت لخت سے خاکِ لکھنؤ کو سیراب کیا۔ جبرو انتقام کا سیلاب بلاخیز سر سے گزر گیا۔ دوسرے پروانہ آزادی کے استقبال میں بہرائچ نے اپنی بانہیں پھر پھیلادیں۔

حسرتی ہاشمی کی تعلیم وتربیت بہرائچ میں ہوئی۔ تحصیل واکتسابِ علم کا سلسلہ شروع ہوتے ہی قصبہ نانپارہ کے خانوادۂ سادات کے بزرگ قاضی، قاری حافظ سیّد محمد عابد علی کی صاحبزادی آپ کے عقد میں آئیں جن کا زہد وورع اور صدق وصفا اپنی مثال آپ تھا۔ آپ کے دل میں حبِ رسول کی ایسی شمع روشن تھی کہ آپ کی نعتیں سوز وگداز کا مُرقّع تھیں۔ ان کی رحلت کا واقعہ حسرتی ہاشمی کے لئے سوہانِ روح بن گیا۔

حسرتی ہاشمی نے ۱۹۵۲ء میں ہندوستان سے ہجرت کر کے کراچی میں سکونت اختیار کی اور ۲۵، جنوری میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

حسرتی ہاشمی کو شعر وسخن کی لذّت اور سیف وقلم کی حکمت ورثے میں ملی تھی۔ آپ کی فکر رسا پر مذہبی اور عسکری رنگ غالب تھا۔ تغزل کے مضامین میں جذبات واحساسات کی عکاسی بڑی پُرسوز ہے۔ آپ کا ایک نعتیہ شعری مجموعہ گلبن پیغمبری ملقب بہ معراج نامہ حسرتی مطبوعہ ۱۳۶۶ ہجری قدسی مطابق ۱۹۴۶ء کلیل پرنٹنگ پریس ضلع بہرائچ (یو۔پی) ہندوستان سے شائع ہوا جو اس وقت نایاب ہے اور جس کے محاسن شعری اور خصائص دینی کے بارے میں مولانا حامد بدایونی جیسے جلیل القدر عالم رقمطراز ہیں۔

”......... بلاشبہ طریقہ نگارش اور واقعہ معراج پر بشری زبان میں کچھ کہنا حقیقتاً کار مشکل ہے مگر حسرتی صاحب کی کاوش فکر ونظر قابلِ داد ہے“۔

گلبن پیغمبری ملقب بہ معراج نامہ حسرتی کے طرزِ کلام اور جذبۂ عقیدت کے بارے میں شیخ

الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ الازہری فرماتے ہیں۔

"......... کلام سے زیادہ طرزِ کلام سے لطف اندوز ہوا۔ جذبہ قادیت کا غلبہ اور خارستان اختلاف روایات سے بے نیازی خود نظم سے ظاہر ہے"۔

علاّمہ موصوف کا قطعۂ تاریخ موضوع سے عقیدت اور کلام سے محبت کا مظہر ہے۔ جس کے ایک ایک لفظ سے محبت کا نور کلام کی ستائش بن کر پھیل رہا ہے۔

حسرتی چوں نظم خواندہ گفتمش
مرحبا پر نور کردی مطلعش
سال تاریخش بگفتہ اعظمی
یک ہزار وسہ صدو پس شصت و شش

۱۳۶۶ ہجری قدسی

حضرت مولانا ابوالمحامد سیّد محمد قادری چشتی اشرفی جیلانی محدث کچھوچھوی کا قطعۂ تاریخ بھی گلبن پیغمبری کی عظمت موضوع اور حکمت سخن کی گل افشانیوں کا روح پرور پیغام ہے۔

کلام حسرتی بہر سخنداں
بہار ستاں ، خیابان و گلستاں
برائے سال طبعش گفت سیّد
بہار بوستانِ نغمہ سنجاں

۱۳۶۶ ہجری قدسی

حسرتی ہاشمی کا یہ نعتیہ مجموعہ حسن بیان اور پاکیزگی زبان کا آئینہ دار ہے۔ حضرت محسن کاکوروی کے معراج نامہ کے بعد بہ اعتبارِ موضوع اُردو ادب کی دوسری بڑی کاوش سخن ہے اور قدرت زبان و بیان، سلاست و فصاحت اور اثر و کیف کے لحاظ سے بے نظیر تخلیق ہے۔

"معراج حضور والا" ۱۳۶۶ھ آپ کے قلبی جذبات اور فکری احساسات کا دلآویز مرقع ہے جس میں تاریخ حقائق کی صحت کے سلسلے میں اسناد کے اہتمام میں بھی بڑی محنت کی گئی ہے۔

معمور ہیں انوار سے جو ارض و سما آج

ہیں جلوہ فگن عرش پہ محبوبِؐ خدا آج

اے چشمِ حقیقت تجھے ہو جائے گا معلوم
ہے واقعہ قرآن و احادیث سے منظوم

مذکورہ حدیثوں میں ہے وہ جسم مُنور
بیداری میں تھا جلوہ نما عرش علا پر

دیکھا ہے کبھی آئینہ ہوتی نہیں تاخیر
اس پار نظر آتی ہے تجھ کو تری تصویر

وہ جسم لطیف ایسے گیا عرش علا پر
جاتی ہے نظر جیسے تری شیشے سے باہر

واقعۂ معراج، بشریت کی تاریخ میں علوئے انسانیت کا وہ زرّیں باب ہے جو فلسفۂ تسخیرِ کائنات پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ یہ شانِ علو ملّت اسلام کا مقدر بن کر صدیوں پیشانیِ جہاں بانی پر چمکتی رہی ہے ''نوائے دل میں'' یہی عظمتِ رفتہ ایک تڑپ بن کر الفاظ کا قالب اختیار کرتی ہے۔

روددادِ غم زیست بیاں کرتا ہوں تجھ سے
سن لے مرے یارب اسے صدقے میں نبیؐ کے

لایا ہے ترا حسرتی معروضۂ تقصیر
ہے اپنے گناہوں پہ بہت نادم و دلگیر

ہے تو وہ تہی دست سراپا وہ خطا ہے
لیکن تری رحمت پہ اسے ناز بڑا ہے

حسرتی ہاشمی کے قیام مراد آباد کا زمانہ شعر و شاعری کے مذاق کا پر شباب دور تھا۔ شعر و سخن کی مجلسیں اپنے عروج پر تھیں لیکن اس دور کا تقریباً تمام کلام گردشِ روزگار کی نذر ہو گیا۔

حسرتی ہاشمی کا ایک عظیم ملّی اور قومی و شعری کارنامہ غیر منقوط مرثیہ ہے جس کی نمایاں خصوصیت

مانوس الفاظ کا انتخاب ہے کیونکہ کسی موضوع کا پابند بلکہ پابند در پابند ہونا یعنی غیر منقوط ہونا واقعہ نگاری واقعی سخت مشکل کام ہے۔ بقول مولانا محمد متین خطیب، مفسرِ قرآن ریڈیو پاکستان۔

''......غیر منقوط مرثیہ لکھنا بڑا دشوار ہے لیکن حسرؔتی صاحب نے اس پر قابو پایا اور مرثیہ میں اِدھر اُدھر کی باتیں جمع کرنے کے بجائے تاریخی مواد لانے کی بھرپور کوشش کی ہے جو یقیناً قابلِ تحسین ہے۔ مجھے امید ہے کہ موجودہ نسل کے طلبہ اور عوام کو اس سے فائدہ پہنچے گا''۔

جہاں تک غیر منقوط مرثیے کے شعری وفکری محاسن اور حسرؔتی ہاشمی کی قدرت کلام اور جدّت زبان و بیان کا تعلق ہے اس میں جناب ذوالفقار علی بخاری سابق ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان ممتاز دانشور شاعر اور ادیب کا تبصرہ ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

''......کسی صنعت کو چہ جائیکہ وہ صنعت غیر منقوط کو سامنے رکھ کر اور اپنے قلم کو اس صنعت کی پابندیوں اور زنجیروں میں جکڑ کر مسدس کہنا سیّد صفدر علی صاحب کا ہی کارِ عظیم ہے اور پھر اس پابندی کے ہوتے ہوئے بھی ایسے ایسے مصرعے بہم پہنچائے ہیں کہ اللہ اکبر! فرماتے ہیں۔

اولاد ہے رسول کی آلام کے لئے

پھر فرماتے ہیں:-

حاصل درِ امام سے ہر اک ہوئی مراد

اللہ تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ سیّد صاحب کی سعی مشکور ہو''

''وصالِ امام'' میں موضوع کی تاریخی حیثیت اور ملّی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ کہا گیا ہے وہ بلاشبہ شعر و ادب کی دنیا میں ایک قابلِ تحسین منظوم کارنامہ ہے:-

وہم و گماں سے دور ہے امر محال سا
اللہ کے رسولؐ کا ہمسر ہو دوسرا
اللہ کہہ رہا ہے کہ حامل کمال کا
اللہ کا رسولؐ ہے اللہ کے سوا

اک دو کماں کی دوری سے اللہ سے ملے
اس طرح سے رسولؐ وہ اللہ کے ملے

مسلم سے اس طرح سے ہوئے لوگ ہم کلام
ہے واسطہ امام سے ممدوح سے ہے کام
لکھ دو امام کو کہ ہے لوگوں کی رائے عام
اصرار ہے ہمارا کہ سردار ہوں امام
لکھا امام کو کہ ہر اک ہم کلام ہے
آمد امام کی ہو صلاح عوام ہے

اس طور ہم کلامِ عدو ہے رہ حسد
ہاں آرہا ہے وہ اسد اللہ کا اسد
اعدا کے سارے وار کئے اس طرح سے رد
سارے اکٹھا ہوگئے حسّاد و اہل کد
ہالہ ساگردِ ماہ عدو کا حصار ہے
ہے وہ امام عصر سماں سوگوار ہے

پروفیسر ڈاکٹر ظفر ہاشمی صاحب نے اپنے والد سید صفدر علی حسؔرتی کا یہ غیر مطبوعہ غیر منقوطہ مرثیہ مجھے عنایت کیا کہ میں ''القلم'' میں شائع کردوں۔ ''القلم'' شمارہ ۳ میں شائع ہو چکا ہے۔ مرثیہ اور یہ مضمون مجموعۂ نوادرات میں دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

سیّد صفدر علی حسرؔتی — غیر مطبوعہ

مرثیہ غیر منقوط

اَللہ لا اِلٰہ ہے وَاللہ ہے اَحد (۱) اَللہ کا کلام ہے اَللہ الصَّمد
کس کا درِ کرم سے ہوا ہے سوال رد — اے داد رس دُعائے دِلی ہے کہ اَلمدد
مَدّاح مُدعی ہو ادائے کلام کا
لالہ کرے گماں گُلِ دارالسّلام کا

اَللہ وحدہ ہے دوئی واں ہے گمرہی (۲) مالک وہی ہے اور اُسی کی ہے سَروری
ہر اک کمی کمی ہے کمی کوئی سی سہی — لے درس مہر و ماہ سے محسوس ہو کمی
وہ مہر ہو کہ ماہ کمی کا سوال ہے
وہ حاصلِ کمال حصولِ کمال ہے

ہر دل اُسی کا گھر ہے مگر ہے وہ لامکاں (۳) اِک وہم ہے کہ کر سکے ادراک کام واں
وہ اور ہو رسائی ادراک الاماں — ہمدم احاطہ اُس کا سراسر ہے اِک گماں
واں عالم ہراس ہے ہر سُو ہراس ہے
اِک سعی لا حصول عدوے حواس ہے

ہر سُو اُسی کا عکس ہے اِک درسِ آگہی (۴) ہر عکس سے ہے عکس کمالِ مُصوری
عالم کوئی ہو حاصِل عالم ہے اِک وہی آگے ہے لَا اِلٰہ کے اوہام گمرہی
ہے علم اہلِ علم کو آگاہ ہر کوئی
ہر کاسہ ہے گواہ کہ ہے کاسہ گر کوئی

آلودگی ماہِ سراسر ہے اِک گماں (۵) مٹی اُڑائے لاکھ کوئی سُوئے آسماں
اے کوردل ملا ہے کہاں اِس طرح سے واں ساحل سے ہو حصول گُہر اِس طرح کہاں
لے درس کو ردل کہ ہے دعوائے لَا اِلٰہ
عالم کوئی ہو ، ہو سرِ سودائے لَا اِلٰہ

حسّاس دل کے واسطے گر علم ہی ہے مد (۶) کر مرگ کے سوال کو سعیٔ عمل سے رَد
صد سال طولِ عُمر لے اِدراک سے مدد اِک درسِ آگہی حدِ ادراک ہے لحد
وَاللہ لَا اِلٰہ سے کس کو کلام ہے
وہ مُدّعائے کُل ہے حصول دوام ہے

ہر دوسرا ہے مصدرِ دعوائے لَا اِلٰہ (۷) ٹوٹے طلسم دہر صدا آئے لَا اِلٰہ
ہر دل ہے گھر اُسی کا دل آرائے لَا اِلٰہ مُسلم وہی ہے ہو سرِ سودائے لَا اِلٰہ
لا علم واں ہے وہم سا موہوم واں دوئی
واللہ لَا اِلٰہ ہے معدوم واں دوئی

وہم و گماں سے دور ہے امرِ محال سا (۸) اللہ کے رسول کا ہمسر ہو دوسرا
اللہ کہہ رہا ہے کہ حامل کمال کا اللہ کا رسولؐ ہے اللہ کے سوا
اِک دو کماں کی دُوری سے اللہ سے ملے
اس طرح سے رسولؐ وہ اللہ کے ملے

اللہ کا رسول ہے گھر علم کا اگر (۹) حکمِ رسول ہے کہ علیؑ اس مکاں کا دَر
احساس علم کی ہے کمی کا کہ ہے کسر دل ہے مُصر کہ آلِ محمدؐ کی مدح کر
مدّاح بِکلک آل رسُولؐ کرام ہے
اُس دور کے امامؑ[1] سے روئے کلام ہے
کلکِ رواں، رواں ہو مگر اس طرح سے ہو (۱۰) معلوم سارا حال ہے ہر اہل علم کو
کس طور سے روا ہے عمل اس طرح کرو مُلکِ عوام اِک ہو علمدارِ مُلک دو
اِسلام کے اُصول سے ہٹ کر حصُول کا
کوئی عمل ہو عکس ہے رَدِّ اُصول کا
گر سطح اک ہو اور ہو مسطور دُو سطر (۱۱) وسطِ سطور اک سا مساوی رہے مگر
آگے سِروں کو طول دُو ہر سُو اِدھر اُدھر امکاں ہے کس طرح سے سرِ مُو کی ہو کسر
حل مسئلہ ہے اور اِسی طرح دُور ہو
امکاں ہے کس طرح سے کہ وصلِ سطور ہو
حسّاس دل امام کو احساس اک ہُوا (۱۲) حرص و ہوائے مُلک ہے اَعدا کا مُدّعا
دل کو اِمام عصر کے دھکا سا اِک لگا آلِ رسُولؐ اس کو کرے کس طرح رَوا
ہو ہر عمل عوام کے آرام کے لئے
اولاد ہے رسُولؐ کی آلام کے لئے
ہو گرم معرکہ ہوسِ مُلک کے لئے (۱۳) آلِ رسُولؐ اس کو گوارا کہاں کرے
سر کردگی مُلک کو ٹھوکر سے مار کے کس حوصلے سے سارے مراحل وہ طے کئے
ہے سالمی مُلک کی روحِ رواں امام
دراصل ہے مُدرّسِ صُلح واماں امام

---

[1] امام حسن علیہ السّلام

اس امر کا ہے عالمِ اسلام اک گواہ (۱۴) سر کردگیٔ ملک سے ہو کر علیحدہ
ہموار کی عدو کے لئے کس طرح سے راہ　　اُس رحم دل امام کا کردار واہ واہ
مہر و عطا سے اُس کی کسی کو کلام ہے
کردے عطا وہ مُلک عطائے امام ہے

محروم واں سے کوئی ہو اِک اَمر ہے محال (۱۵) امکاں کہاں کہ رَد کسی سائل کا ہو سوال
کس مصدرِ کمال سے صادر ہوا کمال　　کس کی عطا ہے لعل و گہر مُلک اور مال
حاصل درِ امام سے ہر اک ہوئی مُراد
گھر ہی ملا ہے وہ کہ دِلی مِل گئی مُراد

کس کو وہ مُلک و مال عدو کو عطا کرے (۱۶) اُس مردِ دل امام کا وہ دل وہ حوصلے
اُس کا ہر اَمر اَمر ہے اسلام کے لئے　　لے دَرس کوئی اُسوۂ آلِ رسُولؐ سے
اللہ رے وہ حِلم و رواداریٔ امام
مسلُوک کس طرح سے ہوا ہادیٔ امام

اُس کا ہر اَمر اُس کے ہے کردار کا گواہ (۱۷) کس سادگیٔ و حِلم سے ہموار کی ہے راہ
عالی ہمم کے واسطے کوہِ گراں ہے کاہ　　اَعدا سے وہ سلوک کرے ہے کمال واہ
ہے مُدّعائے صُلح عدو کے حصول کا
اِک عکس ہے امام کے سہل الاصُول کا

ہر درد دُکھ گوارا ہے مُسلم کے واسطے (۱۸) کردار سے امام کے اس طرح درس لے
حاصل ہوا کمال عطائے امام سے　　لوراس آئے مالکِ واحد ہو مُلک کے
اُس کی عطا ہے وہ کہ مراد دلی مِلی
سر کردگی وہ عالمِ اسلام کی مِلی

کس طور ردئے عدل روا ہے کہ عہد لو (۱۹) طرّہ ہے اور وائے اُسی کو روا کہو
حاکم ہو ہر عمل ہے رَوا اس لئے کرو   اولاد اس لئے کہ علمدارِ مُلک ہو

ہر امر ہاں روا ہے کہ ہو حال کمال
حاصل وہی کمال ہے ہو حاصلِ کمال

ہر دور کا عمل ہے کسے اس سے ہے کلام (۲۰) درد و الم عوام کا حصّہ ہے اس سے کام
کس کے گلے سے آ کے مِلی ہے گلے حُسام   اِس اَمر کا دراصل ہے سہرا سرِ عوام

سر دے کے اس طرح سے وہ سر معرکہ کرے
مر کر کسی کے واسطے طے مرحلہ کرے

اول سے اِک ہے عالمِ اسلام کا اصُول (۲۱) حاکم ہوا عوام کی رائے ہوئی حصُول
ہے مصدرِ اُصول وہ اللہ کا رسُولؐ   صدمہ ہو گر عوام کو دل اُس کا ہو ملول

حاکم کوئی ہو اہل ہو رائے عوام سے
سردار ہو کے لو وہ لگائے عوام سے

اسلام ہی سے دہر کو درس عمل مِلا (۲۲) ہے مُلک اہلِ ملک کا حاکم ہے دوسرا
سردارِ اہلِ دل کا سدا سے عمل رہا   ہمدرد ہو عوام کا حاکم ہے مُلک کا

اسلام کے اُصول سے کس کو کلام ہے
کوئی ہو مُلک طے ہے کہ ملکِ عوام ہے

اسلام ہے اُصولِ مکمّل کا مُدّعا (۲۳) عالم کو درس عالمِ اسلام سے مِلا
صَد آہ اس طرح سے وہ درسِ رسولؐ کا   ردِّ اُصول اَمر ہو اس طور سے رَوا

ٹھوکر وہاں لگائی ہے رائے عوام کو
ہوگا ملال روحِ رسُولِ کرام کو

امرِ مُسلّمہ ہے اٹل ہو کے وہ رہے (۲۴) عالم کوئی ہو مرگ ہے ہر اک کے واسطے
مُلکِ عدم کا درس کوئی مرثیوں سے لے طامع ہے مُلک و مال و گہر دہر کے لئے

رُوداد ہی وہ معرکہ آرا کڑی ہے اِک
ہمدم ہوا سے لعل و گُہر کی لڑی ہے اِک

حاصل مآلِ کار کہ حاکم[1] وہ عہد کا (۲۵) سردارِ مُلک راہیٔ مُلکِ عدم ہوا
اولاد[2] حکمراں ہوئی لعل و گہر مِلا اس طرح روئے عہد ہوا حل وہ مُدّعا

دُکھ درد کا وہ دور مسلسل کہ الاماں
آلام کا وہ عہد مکمّل کہ الاماں

اُٹھا وہی سُوال کہ ہر اک سے عہد لو (۲۶) حل مُدّعائے دل کے لئے ہر عمل کرو
اُصول اَمر ہو کوئی وہ اَمر ہو ہوگا وہ کس طرح سے گوارا امام کو

رُوداد سے گواہ کہ اصل الاصُول سے
ہٹ کر عمل ہوا ہے صراطِ رسُول سے

حرص و ہوا کو اور دو اِس طور سے ہوا (۲۷) حل اس طرح سے وائے کرو دل کا مُدّعا
ہر وہ عمل روا ہو کہ رد ہو اصُول کا حاکم ہی ٹھہرے ملک کے ہے اس لئے رَوا

رَدِّ اصُول گر ہو کر اپا رَوا عمل!
ہوگا وہ کس طرح سے اُصولاً روا عمل

حاکم وہی ہے اہل عمل اس طرح کرے (۲۸) صدمہ کوئی عوام کو ہو اُس کا دل دُکھے
ہمدردیٔ عوام سے اِک واسطہ رہے محسُوس ہو عوام کا ہر درد دُکھ اُسے

حاکم کوئی ہو عاملِ حُکمِ رسُولؐ ہو
روئے اُصول رہروِ راہِ اصُول ہو

[1] معاویہ [2] یزید

گائے گئے ہوس کی وہ لے سے مِلا کے راگ (۲۹) ہے حاصل عمل کہ لگائی گئی وہ آگ
اہلِ حرم کا اور لٹے اس طرح سہاگ   صد آہ ہوگئی ہے اساسی مدام لاگ

حاصل مآل کار ہے رَدِّ اصُول کا
گھر کس طرح سے وائے لٹا ہے رسُولؐ کا

رُوداد کہہ رہی ہے کہ رَدِّ اصُول کا (۳۰) دراصل مُدعا ہے کہ حاصل ہو مُدّعا
گھر کو لگا کے آگ دو اس طور سے ہوا   وائے مآلِ کار کرو ہر عمل روا

سُوکھا گلا ہو آلِ رسولؐ کرام ہو
مُسلم! کی ہو حُسام گلوئے امام ہو

اک رہبرِ و صِراطِ اماں اس طرح مٹے (۳۱) ہموار اور راہ کوئی اس طرح کرے
صُلح واماں سے کام کوئی اس طرح سے لے   حرص وہوا کو کوئی ہوا اس طرح سے دے

ہے عودول[1] ہی حاصل کلام کا
مدّاح[2] س و ص علی ہے امام کا

رَدِّ اصُولِ اَمر کو وائے روَا رکھو (۳۲) رائے عوام واں ہوئی لکھا امام کو
اصرار ہے کہ آؤ ادھر ہم سے عہد لو   سردار ہوں امام ہمارے وہ حُکم ہو

مُسلم گئے کہ حال سے آگاہ ہوں امام
طے مرحلہ ہو اس طرح ہمراہ ہوں امام

مُسلم سے اس طرح سے ہوئے لوگ ہمکلام (۳۳) ہے واسطہ امام سے ممدوح سے ہے کام
لکھ دو امام کو کہ ہے لوگوں کی رائے عام   اِصرار ہے ہمارا کہ سردار ہوں امام

لکھا امام کو کہ ہر اِک ہمکلام ہے
آمد امام کی ہو صلاحِ عوام ہے

---

۱ عدل   ۲ سیّد صفدر علی

آلِ رُسولؐ کا وہ ہوا کارَواں رَواں (۳۴) آگے مِلا امام کو اِک راہرو وہاں

اس طور سے کہا کہ دِگرگوں ہے واں سماں مُسلم کا واں وصال ہوا ہے اماں کہاں

مُسلم کی مرگ کا ہے اَلم دل ملُول ہے

اک مرحلہ ہے اور وہ آلِ رسُولؐ ہے

لوگوں سے واں امام مُصر اس طرح ہوئے (۳۵) آگاہ ہر کوئی ہے عدو کے سلوک سے

مکاں کہاں اماں کا کہاں واں اماں ملے واں مرگ کا سوال ہے ہر اک کے واسطے

گھر کا ارادہ کوئی کرے ہے صلائے عام

ہُو سُوئے دررواں کہ ہماری ہے رائے عام

مُسلم کے گھر کے لوگوں کا اِصرار واں ہوا (۳۶) طالع کا ہو لکھا ہوا ہر حال سے ادا

ہوگا وہ ہر طرح سے کہ ہو کر وہی رہا امکاں ہے کس طرح سے کوئی اُس کو دے مٹا

گھر لوٹ کے ملے گا وہاں کس طرح سکوں

ہوگا کہاں وہ گھر کا سماں کس طرح سکوں

حکم امام سے وہ ہوا کارواں رواں (۳۷) آگے مِلا عدو کا وہ سالار حُر وہاں

روکا کہا کہ عہد کرو اور مِلے اماں ہوگا عدول حُکم کا حاصل صِلہ گراں

اور سَدِّ راہ معرکہ آرا عدو ہو آہ

آلِ رسُولؐ اور وہ سوکھا گلو ہو آہ

اعدا سے اس طرح سے مُصر واں ہوئے امام (۳۸) اِصرار ہے ہمارا مکرّر صلائے عام

ہے کام آگہی کا ہمارا ہوا وہ کام ہے مُدّعا کلام کا ہے حاصلِ کلام

آگاہ کر رہا ہوں کہ اِک دل مُلول ہوں

عالم کو اِس کا عِلم ہے آلِ رسولؐ ہوں

اہلِ حرم سے اور ہو اس طور سے گلہ (۳۹) معصوم[۱] سے ہو آہ لڑائی کا وسوسہ
مسرور اس طرح سے ہو مردود حرملہ معصوم سے امام کا لے الاماں صلہ
ہو مدعی کمال کا کس طور سے عدو
رسوائے دہر اور ہے اس طور سے عدو

دل کا سکوں امام کی روح اسدؑ علی[۲] (۴۰) سرگرم معرکہ ہوئے اللہ کے ولی
اعدا کے سارے سرد کئے ولولے دلی سودائے لا الٰہ کی عالم سے داد لی
سردے کے اس طرح سے ہوئے واصلِ الٰہ
لے درس کوئی درس ہے اک حاصلِ الٰہ

لو سوئے معرکہ وہ علمدار ہے رواں (۴۱) سہما ہوا عدو ہے دگرگوں ہے واں سماں
وہ دل کے حوصلے وہ رہے ولولے کہاں روئے گروہِ اعدا سے ہے اُڑ رہا دھواں
سہما ہر اک عدو ہے کہ اس طرح دار سے
سہمی ہوئی ہے مرگ دلاور کے وار سے

سرگرداں ہر عدو ہے کہ عالم ہوا دگر (۴۲) سہما ہر اک ہے معرکہ ہو کس طرح سے سر
رائے عدو کی واں ہوئی اس طور سے اگر کر لو حصار گردِ دلاور ادھر اُدھر
الحاصلِ کلام کہ دلدارِ لا الٰہ
اللہ سے ملا وہ علمدارِ لا الٰہ

اس طور ہم کلام عدو ہے رہِ حسد (۴۳) ہاں آرہا ہے وہ اسد اللہ کا اسد
اعدا کے سارے وار کئے اس طرح سے رد سارے اکٹھا ہوگئے حساد و اہلِ کد
ہالا سا گردِ ماہ عدو کا حصار ہے
ہے وہ امامِ عصرؑ سماں سوگوار ہے

---

۱ حضرت علی اصغرؑ شیر خوار ۲ حضرت علی اکبرؑ، حضرت قاسمؑ وغیرہم

رُوداد ہے گواہ کوئی اُس کے ما سِوا (۴۴) عالم ہو سوگوار کوئی اس طرح مٹا
مرگِ امام درس ہے اِک لا اِلٰہ کا سردے کے اس طرح سے وہ اللہ سے ملا

مرگِ رہِ الٰہ کی عُمرِ دوام ہے
اِکسٹھواں سال سالِ وصالِ امام ہے

اے اہلِ دل سوال ہے اِک دل کا واسطہ (۴۵) مہماں سے اِس طرح کوئی دکھلائے ہمّہ
اہلِ حرم سے اور ہو معصوم سے گلِہ لے اور اس طرح عدمِ عہد کا صِلہ

اِک کارواں کرے گا ارادہ لڑائی کا
ہے مُدّعا عدو کا اعادہ لڑائی کا

اَعداد واں گروہِ عدو طامعِ دِرم (۴۶) دُو صد دہم ملا کے وہ اٹھارہ صد دہم
ہمراہ واں امام کے مردم مع حرم اٹھارہ دس ملا کے کرو اُس کو سو سے کم

وہم و گماں سے دُور ہے آلِ رسولؐ کا
ہوگا گماں لڑائی کا اُس دل ملُول کا

آلودہ آہ گرد سے مُسلم کا ہو لہو (۴۷) مُسلم کی ہو حسام مُسلماں کا ہو گلو
مسرُور آہ دل کو کرے اس طرح عدو معصوم کا لہو ہو رَوا حاصلِ علو

درسِ سرِ امام ہے دعوائے لا اِلٰہ
سَر ہے وہی کہ ہو سرِ سودائے لا اِلٰہ

مرزا محمد حسن مذنبؔ لکھنوی

کے غیر مطبوعہ مرثیے

مرزا محمد حسن مذنبؔ لکھنوی عرفِ عام میں چھوٹے مرزا کی عرفیت سے مشہور تھے۔ ریاض الفصحا، سخن شعراء، سراپا سخن، ”خوش معرکہ زیبا“ میں اُن کے مختصر حالات اور نمونہ ٔ کلام ملتا ہے۔ مذنبؔ غزل، مرثیہ، مثنوی کہتے تھے۔ وہ ذاکری بھی کرتے تھے۔ مصحفیؔ لکھتے ہیں۔

”میرزا محمد حسن عرف چھوٹے مرزا۔ مذنبؔ تخلص ابن میرزا حسن خوش تحریر و خوش تقریر جوان ہیں۔ ابتدائے جوانی ہی سے مختلف علوم حاصل کر لیے تھے اور متعدد فنون میں بقدر حال استعداد پیدا کر لی تھی۔ خصوصاً روایت خوانی حضرت سید الشہداء علیہ السلام میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور اس سے بخوبی عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ اکثر دینی کتابوں کو دیکھا اور سمجھا ہے۔ ان کا ذہن رثائی عبارتوں کی تطبیق اور ان سے اچھی طرح پیوند لگانے میں بہت رسا ہے اور اکثر نظم شعر میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کی عمر ۳۲ سال کے قریب ہوگی“۔[۱] (ترجمہ) ریاض الفصحا آغاز ۱۲۲۱ھ اختتام ۱۲۳۶ھ (اس درمیان مذنبؔ ۳۲ برس کے تھے) سعادت خاں ناصرؔ کے بیان سے مزید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

”طالب علم نامی، شاعر گرامی، صاحب رائے صایب، حضرت استاد مرزا محمد حسن مغفور تخلص مذنبؔ عرف چھوٹے مرزا صاحب نور اللہ مرقدہ خلف الصدق اور شاگرد مرزا

احسن ابن مرزا عبدالرحمٰن شامی ہمیشہ عمدہ روزگار اور صاحب اقتدار رہے۔ فن شاعری اور سخنوری ارث لیکن وہ جناب طرف کتاب خوانی اور نثر نویسی کے معروف، نظم کی نسبت نثر مشہور و غزل کے بدلے سلام مشہور تر اور ہر شخص کا منظور نظر۔ حکیم ظفر علی خاں کی فرمائش سے تمام ”جلاء العیون“ کو نظم کیا اور اس کے صلے میں سرمایہ دین و دنیا حاصل کیا۔ نثر اور نظم ان کی مثل ظہوری ید بیضا کلام معجز نظام مطبوع خلق خدا“۔[۲]

محسن علی محسنؔ لکھتے ہیں: مذنبؔ مرثیہ گویوں میں نامی، مرزا محمد حسن عرف چھوٹے مرزا باشندۂ لکھنؤ، صاحب دیوان شاگرد مرزا رفیع سودا۔[۳]

مذنبؔ کے والد مرزا احسن کے متعلق سعادت خاں ناصرؔ لکھتے ہیں ”آبروئے شعر و سخن مرزا احسن علی تخلص احسن۔ جوان خوش خلق، طالب علم مستعد تھے۔ اوائل میں خواجہ محمد یونس خان کی سرکار میں معزز اور محترم رہے بعد اس کے نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر کے حضور میں بہ صیغۂ شاعری ملازم ہوئے۔ نواب سرفراز الدولہ مرزا احسن رضا خاں کے رفیق بلکہ خاص الخاص تھے۔ ابتدا میں چراغ دانش و بینش میر ضیاء الدین ضیا کی خدمت سے روشن کیا ثانی الحال تلمذ سے مرزا رفیع سوداؔ کے ترقی تمام پیدا کی۔ والد ماجد اس فقیر کے استاد تھے۔ دو دیوان مع قصائد و مثنویات ترتیب دیئے ہوئے اس فیض بنیاد کے ہیں۔ مرزا سوداؔ کے تلامیذ میں مرزا احسن سا مستحسن کوئی نہ تھا۔[۴]

احسنؔ، سوداؔ کے نامور شاگرد تھے اور شجاع الدولہ کے عہد میں دہلی سے فیض آباد آئے پہلے خواجہ محمد یونس خاں سے متوسل تھے پھر نواب شجاع الدولہ کے دربار میں ملازم ہو گئے نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں کی سرکار میں بھی ملازم رہے۔ شیفتہ اور گوکل پرشاد نے لکھا ہے آصف الدولہ کی سرکار میں بحیثیت شاعر کے ملازم تھے۔[۵] تذکرہ نگاروں نے احسن کی خوش نویسی کی بہت تعریف کی ہے مصحفی انہیں خوش تحریر لکھتے ہیں۔[۶] اور شیفتہ خط کی عمدگی اور بیان کی پاکیزگی کا ذکر کرتے ہیں۔[۷]

معاصر تذکرہ نگاروں نے ان کے حسن واخلاق کی بہت تعریف کی ہے کمالؔ لکھتے ہیں کہ لکھنؤ میں مرزا حسن رضا خاں کے سرکار میں ان سے اکثر ملاقات ہوتی تھی وہ جوان خوش فکر و خوش مزاج ہیں۔[۸] میر حسن ”خوش خلق اور نیک خو“ بتاتے ہیں۔[۹] مصحفی اُن کی

شاعری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"قصیدے وغیرہ میں جو قوت شاعر کو درکار ہوتی ہے ان کے یہاں پائی جاتی ہے چونکہ فی الجملہ طلب علم کا بھی شوق ہے۔ شعر پوری متانت ورزانت کے ساتھ کہتے ہیں۔ احتیاط محاورہ اور صحت زبان کا بہت خیال کرتے ہیں"۔[۱۰]

میر حسنؔ لکھتے ہیں : "قصیدہ وغزل خوب می گوید"۔[۱۱]

امر اللہ الہ آبادی لکھتے ہیں کہ : "نازنیناں معانی کو حسین ترین انداز سے رنگین الفاظ کے زیوروں سے آراستہ کرتے ہیں"۔

کلیات سوداؔ کے مصطفائی نسخے میں ایک قصیدہ ہے جس کے مصنف احسنؔ ہیں۔ قصیدے کا مطلع ہے

کیا حضرتِ سوداؔ نے کی اے مصحفیؔ تقصیر
کرتا ہے جو ہجو اس کی تو ہر صفحے میں تحریر

مصحفیؔ نے ایک قصیدے میں ان کا ذکر کیا ہے۔

مرے شفیق ہیں اول جو میرزا احسنؔ کمال ساتھ متانت کے ہے انہوں کا کلام

احسنؔ کے دیوان کا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) کے کتب خانے میں موجود ہے۔[۱۳]

ڈاکٹر اسپرنگر نے دیوان احسن کا مطالعہ کیا تھا۔ ان کا بیان ہے : "یہ مرزا احسن علی۔ متخلص بہ احسنؔ کا اردو دیوان ہے۔ اس میں علاوہ غزلیات کے چند قصائد حضرت علیؓ نواب شجاع الدولہ ، نواب آصف الدولہ اور حسن رضا خاں سرفراز الدولہ کی تعریف میں تصنیف کیے۔ علاوہ ازیں ان کے دیوان میں سات مختصر مثنویاں بھی ہیں۔ (۱) مثنوی بینوا، (۲) مرد ظریف، (۳) ایک شخص زنکہ باز، (۴) بانکا ظریف، (۵) کلہ ہنر، (۶) ذکر خیر و برکت ، آخری مثنوی بلا عنوان ہے اور یہ غالباً گورنر جنرل کی تعریف میں ہے۔ دیوان احسن ۱۲۲۷ھ میں قمر الدین خاں قمرؔ عرف مرزا حاجی کی نگرانی میں نقل کیا گیا تھا۔ اس کی ابتدا اس مصرع سے ہوتی ہے۔[۱۴]

اک وصف بیاں ہو نہ خداوند جہاں کا

مذنبؔ لکھنوی اپنے والد احسنؔ کے شاگرد تھے۔ نساخ اور محسن علی مذنبؔ کو سوداؔ کا

شاگرد بتاتے ہیں۔ لیکن سعادت خاں ناصؔر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مذنبؔ اپنے والد احسنؔ کے شاگرد تھے اور احسنؔ سوداؔ کے شاگرد تھے۔ سعادت خاں ناصر مذنبؔ لکھنوی کے شاگرد ہیں اس طرح ناصؔر اپنی شاگردی کا سلسلہ بالواسطہ مذنبؔ، سوداؔ تک پہنچاتے ہیں۔ ناصر نے تذکرۂ "خوش معرکہ زیبا" کا آغاز سوداؔ کے حالات سے کیا ہے۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"شروع اس کو مرزا رفیع سوداؔ سے کرتا ہوں کہ اول تو وہ بزرگ موجد ریختہ گوئی کا ہے۔ دوسرے سلسلہ اس ہیچمداں کی شاگردی کا اس سے ملتا ہے

ذکر اول چاہیئے اس صاحب ارشاد کا — سلسلہ سوداؔ سے ملتا ہے میرے استاد کا

جاری ہمارے دم سے ہے سوداؔ کا سلسلہ — ناصؔر اب اس گھرانے میں باقی ہیں ایک ہم

مذنبؔ لکھنوی کا انتقال ۱۲۴۲ھ-۱۸۲۶ء میں ہوا۔ ناصؔر کا بیان ہے کہ "مرض زہر باد سے حلاوت جان شریں تلخ ہوئی اور اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کی۔ اس مؤلف (ناصؔر) نے کہ مسلم ترین تلامذہ میں سے ہے، یہ تاریخ ان کے انتقال کی کہی۔[۱۵]

قطعہء تاریخ

چوں غنچہ زخار الم ماتم مذنبؔ — گردید بخون غرق دل مضمحل ما

چوں سرمہ اگر چرخ بساید تن زارم — دشوار کہ ایں غم روداز آب و گل ما

چوں شیشہء ساعت نہ تہی شدولم از گرد — اشک آمد و گریہ لبے متصل ما

آیند بروں بس کہ شکست است بجانم — صد نیشتر و خارِ چو بیز نہ گل ما

ایں مصرع تاریخ فرو ریخت و کلکم — بنہادہ عجب داغ جدائی بدل ما

------------ ۱۲۴۲ھ ------------

سعادت خاں ناصؔر نے مذنبؔ کے آٹھ شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔

شائقؔ وضیاءؔ: سید صحیح النسب۔ نجیب الطرفین برگزیدۂ دارین شاعر خوش تقریر سید محمد خلف الصدق میر محمد تقی ابتدائے شوق میں شائق تخلص کرتے تھے۔ اب تخلص "ضیاؔ" قرار دیا ہے۔ شاگرد حضرت محمد حسن مذنب۔

قاصؔر: "معنی یابی پر طبیعت اس کی قادر سید آقا میر تخلص قاصؔر شاگرد استادنا محمد حسن مذنبؔ

عارضہ جذام بہانہ مرگ اس نیک نام کا ہوا"۔

تائبؔ : زینت بزم سخن تخلص تائب نام اس کا سیّد میرن زود رنج دیر آشنا۔ حوصلہ بلند بخت نارسا۔ آوارہ وطن عظیم آباد مسکن شاگرد مذنبؔ۔

کاشفؔ : شعر و سخن سے آگاہ اور واقف شیخ کاشف علی۔ تخلص کاشفؔ۔ شاگرد مذنبؔ۔

طپشؔ : طپشؔ تخلص معلوم۔ نام نا مفہوم شاگرد حضرت مذنبؔ۔

مغمومؔ : موزون الطبع کلو خاں قوم افغان اور شیعۂ حضرات چہار دہ معصومینؑ، تخلص مغموم، شاگرد مذنبؔ۔

فاطرؔ : خوش ظاہر پیر بخش خاں تخلص فاطرؔ کو کا نواب نصیر الدولہ بہادر شاگرد محمد حسن مذنبؔ۔

ناصرؔ : مؤلف تذکرہ بندہ پریشاں خاطر سعادت خاں تخلص بہ ناصرؔ دعائے خیر کا طالب شاگرد محمد حسن المذنبؔ۔

محسن علی محسنؔ کا قول ہے کہ مذنبؔ مرثیہ گویوں میں نامی، مرزا محمد حسن عرف چھوٹے مرزا باشندۂ لکھنؤ، صاحبِ دیوان شاگرد مرزا رفیع سوداؔ۔ [۱۶]

مذنب صاحبِ دیوان تھے اور مرثیہ نگاری میں بھی ممتاز و مشہور تھے لیکن دیوان کا پتہ کہیں نہیں چلتا۔ صرف مختلف تذکروں میں متفرق اشعار ملتے ہیں۔ خوش معرکۂ زیبا سے کچھ اشعار نقل کیے جا رہے ہیں۔

سر گزشت سینۂ سوزاں نہ پوچھی یار نے　　کی نہ کچھ تاثیر اپنی آہ آتش بار نے
سرخ منہ آیا نظر مانند مل خردہ دہن　　دی گواہی عرق پیکاں کی لبِ سوفار نے

نامے چھپ چھپ کے وہ غیروں کو رقم کرتے ہیں　　اس میں گر جھوٹ ہو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں

ناخن بدل ہے ابرو از بس کہ مہوشاں کا　　شیوہ ستارہ ریزی ہے چشم خوں فشاں کا
گل میخ خار ٹھونکیں نرگس کی چشم بد میں　　گلزار میں ہے جاری یہ حکم باغباں کا
جو پان کھا کے سر نعش آیا وہ قاتل　　میرے عزیزوں نے میرا وہ خوں بہا سمجھا

ہوئی جو اس سے دل مضطرب کو کچھ تسکیں　　　میں اپنے نالے کو وقت سحر دعا سمجھا

اب جو پھر ملنے کا ہم سے نامہ و پیغام ہے　　　نامہ بر کہیو تمہارا یہ خیال خام ہے

منحرف جس وقت ہم سے یار پرفن ہو گیا　　　اپنا ہی دل آخر اپنے جی کا دشمن ہو گیا
دیکھ اے رشک پری اس کی کبھی آکر تو سیر　　　گلشن لالہ تیرے کشتہ کا مدفن ہو گیا

نخوت حسن سے ہرگز نہ دیا اس نے جواب　　　حال دل ہم نے کہا گرچہ مکرر اپنا

لاکھ اگر صدمے ہوں اک آہ رسا کرتے نہیں　　　تیرے بیمار غم ہجراں دوا کرتے نہیں

کم ہوتی نہیں ہے کسی عنواں طپش دل　　　ہے دامن مژگاں سے فروزاں طپش دل
نظارۂ بستان جہاں کے نہیں مشتاق　　　کر دے گی دروں اپنا گلستاں طپش دل

ہوئی ہے عیاں جب سے الفت ہماری　　　اسے غیر لگتی ہے صحبت ہماری

خاطر اغیار کی منظور ہو جس دلبر کو　　　بے خطا کیوں نہ وہ ٹھہرائے گنہگار ہمیں
جب نظر آگیا وہ شوخ طرحدار ہمیں　　　رنگ دکھلانے لگا دیدۂ خونبار ہمیں

جی میں آیا تھا یہ اک دن راہ میں ٹھہرائیے　　　پر ہوا اک آن میں اُس گُل کا توسن ہو گیا
عشق کرتے اب کسی سے عار آتی ہے ہمیں　　　کیا کریں مستعملِ اخلاف یہ فن ہو گیا

سر رکھا یار کے قدموں پہ جھکا کر اپنا　　　تو بھی اس نے نہ نکالا کبھی خنجر اپنا
ہر طرح اس کی اطاعت میں رہے ہم مصروف　　　نہ ہوا ہائے کسی طرح وہ دلبر اپنا

کوچۂ یار میں ٹھہرے تو کہا یوں اس نے ۔۔۔ در پہ میرے نہ لگانا کہیں بستر اپنا
تا دمِ نزع نہ بر آئے امید دلِ زار ۔۔۔ شکوہ کیا کیجئے یوں ہی تھا مقدر اپنا

عاشق بچارہ سب صورت سے حاضر تھا ولے ۔۔۔ کیا کرے معشوق ہر جائی وفا کرتے نہیں
عاشقی میں اب بہم پہنچا ہے ہم کو امتیاز ۔۔۔ ہر کس و ناکس کو مذنبؔ آشنا کرتے نہیں

ابتدائے ترکِ الفت میں بہت بیتاب تھا ۔۔۔ رفتہ رفتہ اب مرے دل کو قرار آنے لگا

ہے مجھ کو عشق کا آزار پہچانا نہیں جاتا ۔۔۔ ہوا ہوں اس قدر بیمار پہچانا نہیں جاتا
خراشِ ناخنِ غم اس طرح چہرے سے ظاہر ہے ۔۔۔ کہ اس کا طالب دیدار پہچانا نہیں جاتا
صفائی عارضِ گلگوں کی زائل ہو گئی آخر ۔۔۔ نمایاں خط ہوا دلدار پہچانا نہیں جاتا
گریباں میں رفوگر نے کیا ہے جور فو مذنبؔ ۔۔۔ تم ایسا روئے ہو ایک تار پہچانا نہیں جاتا

خواب میں شب اس گلِ زیبا سے ہم آغوش تھا ۔۔۔ تا سحر بستہ سے میرے بوئے گل کا جوش تھا
حال زار افسوس مذنبؔ کا نہ پوچھا یار نے ۔۔۔ گل کا جب دیکھا تو پیغام صبا پر گوش تھا

ان کے دو مرثیے بھی مجھے ملے ہیں جو یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

حرم سے ہو کے مُرخص جو شاہؑ جانے لگے ۔۔۔ درِ خیام پہ رہوار کو منگانے لگے
سکینہؑ پیاری کو رو رو گلے لگانے لگے ۔۔۔ عصا کو تھام کے عابد جو اُن تک آنے لگے

کہا کہ پاؤں تمہارے تو لڑکھڑاتے ہیں
نہ آؤ تم ہمیں ملنے کو تم سے آتے ہیں

پکڑ کے ہاتھ سکینہ کا آئے اُن کے پاس ۔۔۔ تو پایا چہرہ سجّاد درد و غم سے اداس
کہا کہ اے میرے بیمار کیا ہے تجھ کو ہراس ۔۔۔ تو عرض سرور بیکس سے کی بہ حسرت و یاس

نہیں مرض سے توقع ہے زندگانی کی
کمال دل کو تمنا ہے جاں فشانی کی

یہ آرزو تو بر آتی نہیں ہے ہم کو نظر ۔۔۔ اسی مرض میں جو میں جاؤں اس جہاں سے گذر

تو غسل دیویں مجھے اپنے ہاتھ سے اکبرؑ　　کفن پہنا ویں مجھے آکے قاسمؑ مضطر
نماز آپ پڑھیں کام کر کے شفقت کو
اتاریں قبر میں عمّو ہماری میّت کو

یہ سن کے سبط نبیؐ زار زار رونے لگا　　کہا کہ اے میرے بیمار مبتلائے بلا
بہت سی کی ہے تمہیں زندگی خدا نے عطا　　وصی ہو تم میرے دنیا میں اور امام ہُدا
تمہیں ہو تعزیہ داران ستم رسیدوں کے
تمہیں ہو وارثِ دفن و کفن شہیدوں کے

تمہیں نکالو گے قاسمؑ کے تن سے تیر ستم　　چچا کے شانے کرو گے تمہیں بدن سے بہم
لہو بھرے ہوئے اکبرؑ کے گیسوئے پُر خم　　کرو گے پاک عبا سے تمہیں بدیدۂ نم
ہمارے سر کو بدن سے تمہیں ملاؤ گے
نہ تم کو رو دیں گے ہم تم ہی رونے آؤ گے

یتیم جتنے سرا یسمہ ہو ویں گے اطفال　　تشفی دیجیو ان سب کو بیکسی میں کمال
جو ہووے بہنوں کے دل پر تمہارے رنج وملال　　تو ان کو کیجو نصیحت بہ صبر و استقلال
اس اضطرار میں ان کو سنبھال لینا تم
ہماری لاش پہ ہر گز نہ رونے دینا تم

جو پوچھے عمّو کے احوال کو سکینہؑ جان　　تو اس سے کہیو کہ دریا پہ ہے علیؑ کا نشان
ہجوم فوج میں خالی نہیں کہیں میدان　　بھری ہے مشک تری ہیں کنارے پر حیران
جو فرصت آنے کی خیمہ تلک ہے پاویگا
تو مشک دوش پہ رکھ کر وہ منہ دکھاویگا

کرے جو فاطمہؑ قاسمؑ بنے کو استفسار　　تو رو یئو نہ کہیں اس کے آگے ڈھاڑیں مار
نئی دولھن کے رنڈاپے میں ہو جیو غم خوار　　یہ کہیو جاگا شبِ عقد کا تھا وہ دلدار
نہ واں کوئی خلل اندازِ خواب ہوتا ہے
وہ اک درخت کے سائے کے نیچے سوتا ہے

جو بانوؑ تم سے کرے کچھ تفحّص اصغرؑ　　تو کہیو گود میں اس کو لئے ہیں رن میں پدر

جناں سے آئی ہیں صحرا میں بنتِ پیغمبرؑ　　اب ان کو شاہ دیا چاہتے ہیں اپنا پسر
کہ اس کو پیاس میں تخفیف خستہ حالی ہو
عدو سے لڑنے کو میداں میں ہاتھ خالی ہو

کہے جو تم سے بہ حسرت یہ مادرِ لیلا　　کہاں ہے یوسف گلگوں قبائے آلِ عبا
جگر کو تھام کے ہاتھوں سے اس طرح کہنا　　زبسکہ ہے گا وہ ہم صورتِ رسولِ خدا
ہنوز اس نے نہیں تیغ آزمائی ہے
زیارت اُس کی میں مشغول سب خدائی ہے

جو پوچھیں عونؓ و محمدؓ کو زینبؓ و کلثومؓ　　تو عرض کیجو کہ اے خواہر شہ مظلوم
مخالفوں کا ہے میدان کربلا میں ہجوم　　ہیں ماموں کے وہ چپ و راست میں کھڑے معصوم
بجز جو جائیں گے اتمام حجت حق میں
وہ قتل ہوں گے رکاب امام بر حق میں

وصیت اور بھی تم گوش دل رکھنا یاد　　پنہانے طوق گراں لائے جبکہ ابنِ زیاد
جھکانا گردنِ لاغر کو بادلِ ناشاد　　کہ قید جبر اسیروں کی انتہا ہے مراد
فگار خار سے یہ آبلوں کا عالم ہو
نہ پاکو سلسلۂ خاردار کا غم ہو

مذنبؔ کے دوسرے مرثیے سے انتخاب :

کے اتنے میں علیؓ اکبرؓ کو اک لگا نیزا　　تڑپ کے گھوڑے کی گردن سے لپٹا ماہِ لقا
عناں چھٹی تو اُدھر اسکو لے گیا گھوڑا　　وہاں تو منتظر اس گھات کے تھے اہلِ جفا
بزیر تیغ ستم جلد دھر لیا اُس کو
میں کس زباں سے کہوں ٹکڑے کر دیا اُس کو

جنابِ شاہ نے دیکھا جو پھر کے چار طرف　　نہ پایا پہلو میں رعنا جوان اپنا خلف
قلق سے آگیا آنکھوں میں خوں دہن میں کف　　کہا کہ ہائے کدھر ہو گیا وہ جا کے تلف
تھا پہنے خلعتِ زریں جو یہ کھڑا رن میں
اُٹھا کے گھوڑے کو قاسمؑ بھی جا پڑا رن میں

لگے یہ تیر تنِ نازنیں میں تاسوفار   کہ چھوٹنے لگی رگ رگ سے اسکے خون کی دھار
ہوا جراحتِ کاری سے جبکہ وہ سرشار   تب اُس جریح پہ روحِ حسنؑ کو آیا پیار
تھے پاس لختِ جگر وہ گلے کا ہار کئے
گلے لگا کے دُرِ اشک بھی نثار کئے

تھے رزم گاہ میں گھوڑوں پہ عونؑ اور جعفرؑ   لہو کے چھینٹوں سے پوشاک تھی سب اُنکی تر
یُرش جو کرنے لگا ان پہ شام کا لشکر   تو ہاتھ قبضہء شمشیر پر وہیں رکھ کر
کہا غرورِ شجاعت ہو جس کو وہ آوے
یہ کم سنوں کی بھی جرأت کو آزما جاوے

غرض کہ ہوگئی ان شامیوں سے ردوبدل   چلی یہ تیغ ہوئے شہ کی نظروں سے اوجھل
سپر کے پرزے ہوئے ٹوٹے اُن کی تیغ کے پھل   نہ پاس جب رہے ہتھیار تو ہوئے بیکل
پیاسے زخمی ہوئے دھوپ میں غش آنے لگے
جفائے قابوئے دشمن سے وہ ٹھکانے لگے

سنائی ہاتف غیبی نے شہ کو تب آواز   خفا نہ ہونا کہیں اے اِلٰہ کے ہمراز
پیاسے گھر گئے میداں میں سب ترے جانباز   وگرنہ قتل نہ تھا سہل اُن کا بندہ نواز
قلق کی جا ہے کہ بستی اجڑ گئی تیری
تھی مصلحت کی لڑائی بگڑ گئی تیری

وگرنہ تابِ حسام امام لاتا کون   تمہارے روبرو لڑنے کو رن میں آتا کون
تمہاری فوج پہ تیغ اپنی آزماتا کون   امام زادے کو پھر ظلم سے رُلاتا کون
تمہیں مصیبت و غربت میں سر کٹانا تھا
تمہیں رسولؐ کی امت کو بخشوانا تھا

یہ وقت وہ ہے تزلزل میں ہے تمام زمیں   کہ تیز چلتی ہے پیہم سموم گلشنِ دیں
یہ وقت وہ ہے کہ روتا ہے جبرئیل امیںؑ   یہ وقت وہ ہے کہ خنجر بکف ہے شمر لعیں
یہ وقت وہ ہے کہ زہرؑا کا باغ لٹتا ہے
یہ وقت وہ ہے کہ بانوؑ کا ساتھ چھٹتا ہے

سنا یہ شہ نے تو گھوڑے کی زین سے اترے   قریب گنج شہیداں زمین پر بیٹھے
نمازِ آخری کے سجدۂ دوئم میں جھکے   کہ شمر آن کے پہنچا وہیں چھری لیکے
بس آگے کہہ نہ تو مذنبؔ شہادتِ شبیرؑ
انیس ہو تیری تا نزع الفتِ شبیرؑ

ان کے علاوہ نواب شمس آباد کے کتب خانے میں دو اور مرثیے ملتے ہیں جن کے مطلع یہ ہیں:

(۱) جب فاطمہؑ کو داغ فراق پدر ملا (۳۰ بند، ۱۲۳۰ھ)۔

(۲) رن میں سر دینے گیا جب علی اکبرؑ پیارا (۳۸ بند)۔

اس طرح مذنبؔ کے دریافت شدہ مرثیوں کی تعداد چار ہو جاتی ہے۔

حواشی:

۱: ریاض الفصحا۔ ص ۲۸۰۔
۲: خوش معرکۂ زیبا۔ ص ۵۱، ۵۲۔
۳: سراپا سخن۔ ص ۹۰۔
۴: خوش معرکۂ زیبا ۴۹، ۴۸۔
۵: گلشن بے خار۔ ص ۱۹۔ ارمغان گوکل پرشاد۔ ص ۶۔
۶: تذکرۂ ہندی۔ ص ۱۷۔
۷: گلشن بے خار۔ ص ۱۹۔
۸: مجمع الانتخاب۔ ص ۲۶۔
۹: تذکرۂ شعرائے اردو۔ ص ۱۶۔
۱۰: تذکرۂ ہندی۔ ص ۱۷۔
۱۱: تذکرۂ شعرائے اردو۔ ص ۱۶۔
۱۲: تذکرہ مسرت افزا۔ ص ۴۶۔
۱۳: اردو ادب اکتوبر ۱۹۵۰ء، ص ۱۷۹۔
۱۴: اودھ کیٹلاگ۔ ص ۵۹۹۔
۱۵: خوش معرکۂ زیبا۔ ص ۵۱۔
۱۶: سراپا سخن۔ ص ۹۰۔
۱۷: مراثیٔ مذنبؔ،
(قلمی بیاض کتب خانہ ضمیر اختر نقوی)

محمد عظیم تجمّل لکھنوی کا غیر مطبوعہ مرثیہ

تجمّل تخلص تھا۔ اعظم الدولہ سرور اور قدرت اللہ قاسم نے اُن کا نام "محمد عظیم" لکھا ہے۔ (عمدۂ منتخبہ اور مجموعۂ نغز)، ذکا نے انھیں "میر" اور کریم الدین نے "بیگ" لکھا ہے۔ (تذکرۂ ذکا اور طبقات الشعرائے ہند) تجمّل کا وطن لکھنؤ تھا۔ سرور لکھتے ہیں "ساکنین لکھنؤ است" (عمدۂ منتخبہ) ذکا لکھتے ہیں "ساکن لکھنؤ" (تذکرۂ ذکا) قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں "مقیم بلدہ لکھنؤ" (مجموعۂ نغز) شیفتہ لکھتے ہیں "ارباب لکھنؤ میں سے تھے" (گلشنِ بے خار) قطب الدّین باطن نے بھی اُنھیں "لکھنوی" لکھا ہے (گلستان بے خزاں)

تجمّل لکھنوی کے شاعرانہ مرتبے اور علمی استعداد کے سلسلے میں قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں۔ "تجمّل عزیزی است شیریں کلام مردِ ظریف طبع نیک نہاد خوش طبع خوبی نژاد است (مجموعۂ نغز) کریم الدّین لکھتے ہیں۔ "تجمّل عزیز شیریں کلام، کہتے ہیں کہ مردِ ظریف الطبع نیک نہاد، خوش طبع خوبی نژاد تھا۔" (طبقات الشعرائے ہند) شیفتہ نے تجمّل تخلص کے دو الگ الگ شاعر بتائے ہیں حالانکہ دونوں شاعر ایک ہی ہیں، وہ لکھتے ہیں، متوسط درجہ کی زندگی بسر کرتے تھے، کسی قدر پڑھے لکھے بھی تھے۔" (گلشنِ بے خار)

قطب الدّین باطن نے شیفتہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صاحبِ "گلشنِ بے خار" ان کی نسبت کیا فقرہ بٹھاتے ہیں اور کس کس طرح کے اعتراض اٹھاتے ہیں کہ "بخنے از علم بہرہ نداشت" اتنے فقرے کے فقرے دینے میں ان کی کم علمی مشہور کر دی خدا جانے یہ کیا عادت اُن کی ہے کہ ساری خوبی دور کر دی، کسی کے بُرا کہنے سے کوئی

بُرا نہیں ہوتا اِلّا ناواقف کے نزدیک اچھا نہیں ہوتا بلکہ دلیل کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کسی کو ایسا لکھا تو وہ ایسا نہ ہوگا نہیں تو ویسا تھا اور ایسا لکھا۔" (گلستانِ بے خزاں)

سرورؔ، قاسمؔ، ذکاؔ، اسپرنگرؔ، ناصرؔ، شیفتہؔ، کریم الدّین اور خوشگیؔ نے تجمّلؔ لکھنوی کو جرأتؔ کا شاگرد لکھا ہے۔ "تذکروں میں غزل کے چند اشعار ہی ملتے ہیں :-

----

وہ ولولے نہ رہے عہدِ نوجوانی کے
مزے کہاں سے اٹھیں عیشِ زندگانی کے

یہ دو ورق ہیں مرے عشق کی کہانی کے
کتاب قصۂ فرہاد و قصۂ مجنوں

سمجھنا سخت مشکل ہے مری شیریں مقالی کا
کوئی خسرو سے پوچھے لطف اس مضمون عالی کا

ذکاؔ اور اسپرنگرؔ نے لکھا ہے کہ "تجمّلؔ لکھنوی زیادہ تر مرثیے کہتے ہیں۔ (تذکرۂ ذکاؔ اور یادگارِ شعرا)

لالہ سری رام نے لکھا ہے :-

"تجمّلؔ لکھنوی کے خوش فکر شاعر تھے جو قدرت اللہ شوقؔ کے تذکرے کی تیاری کے وقت لکھنؤ میں بہ اطمینان زندگی بسر کرتے تھے، کلام سے زبان کی صفائی اور خوش گوئی ظاہر ہے، کیا خوب کہتے ہیں۔۔" (خم خانۂ جاوید جلد دوم)

افسردہؔ، گداؔ، حیدریؔ، احسان اور ناظمؔ کے عہد میں تجمّلؔ لکھنوی کے مرثیے بھی مشہور تھے، اب اُن کے مرثیے نایاب ہیں، سفارش حسین نے "اردو مرثیہ" میں تجمّلؔ لکھنوی کا ذکر کیا ہے لیکن مرثیے کا نمونہ انھیں دستیاب نہیں ہوا، ہمارے کتب خانے میں اُن کا ایک قلمی مخطوطہ موجود ہے جو شائع کیا جا رہا ہے۔

"تجمّلؔ لکھنوی کا یہ مرثیہ بحر بسیط مثمّن مطوی اور بحر منسرح مثمّن موقوف دونوں بحروں میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اس عہد میں اس بحر میں بہت زیادہ مرثیے تصنیف کئے گئے ہیں۔"

مرثیہ

پھر مہ عاشور میں چشمِ جہاں کر کے نم　　برہم و درہم کیا دفترِ تن یک قلم
کشورِ جاں پر جھکا لشکرِ اندوہ و غم (۱) سینے میں برپا ہوئے آہ و فغاں کے علم
دل کی طرف غم چلا خنجرِ خونیں بدست
صبر کے لشکر کو دی فوج الم نے شکست

حضرتِ عباسؑ نے شاہ کے آروبرو　　دوش پہ رکھا علم سوئے فلک کر کے رو
ہاتھ اُٹھا کر کہا رکھیو مری آبرو (۲) اے میرے پروردگار اب ہے یہی آرزو
سینے پہ داغِ وفا تا بہ عدم ساتھ ہو
آگے ہو نیزے پہ سر پیچھے علم ہاتھ ہو

خلق کہے سر دیا شہہؑ کے علم دار نے　　جنس وفا مول لی غم کے خریدار نے
آج کے دن، کی وفا، بھائی وفا دار نے (۳) نام کیا فوج میں فوج کے سردار نے
چھوڑ گیا حشر تک ذکرِ وفا بر زمیں
تھی یہی شرطِ وفا اس پہ ہزار آفریں

تھی دلِ عباسؑ کی حق سے یہی گفتگو　　ہاتھ میں میرے علم، ہاتھ تیرے آبرو
یعنی دمِ واپسیں کیجو مجھے سرخ رو (۴) اتنے میں اِک دور سے آئی صدائے غلو
یعنی کہ اصغرؑ کے تئیں دودھ بن آیا ہے غش
مر چلے ہم تشنہ لب یا ابتا العطش

یعنی اے بابا چلو جان چلی پیاس سے　　ہو چکے ہم ناامید جینے کی اب آس سے
پانی منگا دو ہمیں یا تو کسی پاس سے (۵) یا کہو اتنا سخن اب چچا عباسؑ سے
خیمہ سے دریا تلک بھائی جی ٹک جایئے
لے کے سکینہؑ سے مشک پانی کی بھر لایئے

کان میں عباسؑ کے جب کہ یہ پہنچا سُخن　　خیمہ کی جانب چلا گریہ کناں نعرہ زن
دیکھا تو اصغرؑ علی پیاس سے کھولے دہن　　ہچکیاں لیتا ہے اور پھر گئے اُس کے نین　(٦)

چشمِ سکینہؑ کی بھی دیکھی تو پُر اشک ہے
ہاتھ میں وہ چشمِ تر سوکھی لئے مشک ہے

کہتی ہے وہ تشنہ لب اے مرے پیارے چچا　　پیاس سے کئی دن ہوئے اب تو مرا دم چلا
غش میں اماں جان ہیں اور علی اصغرؑ موا　　ہو سکے گر اے چچا تُو لبِ دریا پہ جا　(۷)

پانی سے بھر کر شتاب لا دے مجھے مشکِ آب
مالکِ روزِ جزا دے تجھے اسکا ثواب

تازہ کرے جو کوئی تشنہ لبوں کا کنول　　حق سے یہ امید ہے شدّتِ محشر میں کل
ساقیٔ کوثر اُسے اُس کا وہاں دے بدل　　اور نکوئی رہے خلق میں ضرب المثل　(۸)

سُن کے یہ عباسؑ کا آگیا دل جوش پر
دامنِ ہمت کو باندھ مشک رکھی دوش پر

شیرِ دلاور چلا خیمے سے پھر بھرنے آب　　دل بہ وفا ہم بغل جا بہ اجل ہمرکاب
زندگیٔ دہر کو سمجھے ہوئے جوں حباب　　دل سے یہ کہتا ہوا اپنے بطورِ خطاب　(۹)

سُن میرے دل زندگی تیری دمِ چند ہے
یاں سے وہ منزل تجھے اب قدمِ چند ہے

آج کے دن بھائی پر وقت نپٹ سخت ہے　　تختۂ تابوت اُسے آج سرِ تخت ہے
شکلِ کفن سر بسر تن کے اوُپر رخت ہے　　مرنا تجھے اس گھڑی یاوریٔ بخت ہے　(۱۰)

پھر نہ کبھو عمر بھر وقت یہ ہاتھ آئے گا
حسرت و غم بعد ازیں خاک میں مل جائے گا

وقت نہیں رہنے کا بات یہ رہ جائے گی　　بھائی کے بن زندگی کیسے تجھے بھائے گی
ایک دن آخر ترے سر پہ اجل آئے گی　　قسمت اگر اُس گھڑی سر کو نہ کٹوائے گی　(۱۱)

سر پہ اس آفات کو بھائی تُو سہہ جائے گا
حشر تلک خلق میں حرف یہ رہ جائے گا

صبح قیامت تلک بھائی کے سب نوحہ گر سینہ و سر پیٹ کر یوں کہیں گے ہمدگر
ہوتا گر عباسؑ بھی فاطمہؑ کا اِک جگر ⑫ بھائی حسینؑ اپنے کا ساتھ وہ سب چھوڑ کر
جان کو کرتا عزیز بھائی نہ رکھتا عزیز
ہائے یہ کرتا ہے کام کوئی بھی اتنا عزیز

جس گھڑی ہو کر شہید یہ شہہؑ والا مقام بے سروں کی فوج سے دونوں جہاں کا امام
باتنِ آلودہ خوں جا کے بہ دارالسّلام ⑬ فاطمہؑ کے روبرو ہووے کھڑا تشنہ کام
اور وہ اماں دوڑ کر لے اُسے آغوش میں
گریہ کناں زار زار آوے گی اک جوش میں

روؤے گی بے اختیار اُس گھڑی کر کر کے بین صحن میں فردوس کے ہووے گا اِک شور وشین
پوچھے گی اُس وقت وہ روشنیٔ مشرقین ⑭ سب ہیں پر عباسؑ اِک آج کدھر ہے حسینؑ
جس گھڑی یہ والدہ اُس سے کرے گی خطاب
بھائی حسینؑ اُس گھڑی دیوینگے واں کیا جواب

کہوینگے اماں سنو غم کی مری داستاں لشکرِ قتّال میں جب میں کھڑا خستہ جاں
فوجِ ستم گرد تھی اور میں تھا درمیاں ⑮ چلتے تھے از چار سو نیزہ و تیر و سناں
زخموں سے شمشیر کے تن کا عجب حال ہے
تیروں سے سینہ مرا صورتِ غربال ہے

گھوڑے سے زخمی گرا جس گھڑی میں کھا کے غش دل میں تو اللہ تھا زیرِ زباں العطش
سر پہ وہیں آگیا قاتلِ جلّاد وش ⑯ سجدے میں خنجر تلے جب جھکا میں نالہ کش
ٹل گیا اُس وقت میں بھائی مرے پاس سے
مجھ کو توقع نہ تھی ہائے یہ عباسؑ سے

جب سُنے گی والدہ بھائی سے میری یہ بات مل کفِ افسوس کو مارے گی زانو پہ ہات
کہوےگی عباسؑ نے اے مرے والا صفات ⑰ ایسے بُرے وقت میں کیوں نہ دیا تیرا ساتھ
جان کو پیارا کیا بھائی نہ پیارا کیا
تو مؤا دریا پہ اور اُس نے کنارا کیا

کیسے کریگی بھلا تیری یہ غیرت قبول بھائی مرے دشت میں با تنِ تنہا ملوٗل
اور نہ کرے اُسکے ساتھ تو یہ سعادت حصول ⑱ شرم کر اے بے خبر آج بروئے بتولؑ
بھائی کے قدموں تلے مر تو اگر اہل ہے
زندگیٔ چند روز ورنہ یہاں سہل ہے

دل کو جو غیرت لگے باگ اٹھا ایک بار ڈال دیا نہر میں اَسپ جو تھا راہوار
مشک لی پانی سے بھر واں سے کیا جو گذار ⑲ پیچھے لگے تیغ زن تیغیں لئے کئی ہزار
شیر نے آخر کو ایک شانے پہ شمشیر لی
بازو اِدھر کٹ گیا مشک اُدھر پھیر لی

تیغ لگی دوسرے کاندھے سے بازو اُتر گرنے لگا خاک پر مشک گری زین پر
دانتوں میں تسمہ لیا تیر لگا آن کر ⑳ مشک سے پانی بہا نیزے سے چھدِ گئی کمر
جب لگی اُس شیر کے نوکِ سناں سینے میں
شکلِ اجل پھر گئی چشم کے آئینے میں

مشک چھٹی دانت سے پاؤں سے چھوٹی رکاب بھائی کو آواز دی اے خلفِ بوتراب
خاک پہ میں گر چلا میری خبر لے شتاب ㉑ روح مری دے چکی اس میرے تن کو جواب
اب سوئے شہرِ عدم چلنے کو تیار ہوں
جلد پہونچ بھائی میں تشنۂ دیدار ہوں

نالۂ عباسؑ کو بھائی نے سُن ایکبار اَسپ کی پھیری عناں تھا وہ جدھر شہسوار
لاش پر اُس بھائی کے آن کے با چشم زار ㉒ گھوڑے سے نیچے اُتر کہنے لگے یوں پکار
اے مرے بازوئے دل اے مرے آرامِ جاں
بازو ترے کیا ہوئے برچھی لگی ہے کہاں

لاش سے عباسؑ کے کچھ نہ جب آیا جواب رکھ لیا اُس لاش کو شہؑ نے بہ پشتِ عقاب
لے کے جنازہ چلے خیمہ کی جانب شتاب ㉓ حال اب اسوقت کا کیا کہوں میں دل کباب
چشمِ خلائق تمام تربتر از اشک تھی
گوشۂ تابوت پر لوہو بھری مشک تھی

تھی جو وہ تابوت پر مشک لٹکتی وہاں ۔ مشک کے سوراخ سے پانی کی جا خوں رواں
کہنے لگے دیکھ لوگ بہ آہ و فغاں ۔ لشکرِ شبیرؑ کا ہے یہ بہشتی جواں (۲۴)
فوج کے سلطان کا بھائی وفادار ہے
ہائے یہ رعنا جوان شہہؑ کا علمدار ہے

لاش کو عباسؑ کی شہہؑ نے پھر ایک آن میں ۔ رکھ دیا آخر کو لا گنجِ شہیدان میں
رہ گئے تنہا کھڑے جنگلِ ویران میں ۔ اتنے میں اِک غیب سے آئی صدا کان میں (۲۵)
یعنی حسینؑ اب شتاب عزمِ سفر کیجئے
وعدے پہ اُس روز کے آج وفا کیجئے

شاہؑ نے دل میں کہا وقت برابر ہوا ۔ آج مُسلّم ہمیں مرگ مقدر ہوا
خون اب اس حلق کا قسمتِ خنجر ہوا ۔ آج کی شب بالیقیں خاک پہ بستر ہوا (۲۶)
سوئینگے ہم حشر تک بے خبر اس دشت میں
تیغ سے کٹ جائیگا شام کو سر طشت میں

داہنے بائیں کوئی جب نہ رہا آشنا ۔ سوئے فلک دیکھ کر ہاتھ اُٹھا کر کہا
اے مرے پروردگار اب میں اکیلا رہا ۔ حق میں حسینؑ اپنے کی تیری جو کچھ اب رضا (۲۷)
دل کو حسینؑ اپنے تو مرگ سے خورسند کر
یعنی اسی خاک کا مجھ کو بھی پیوند کر

ہو گئی واں اُس گھڑی شہہؑ کی دُعا مستجاب ۔ تیغ لئے ہاتھ میں آ کے قضا نے شتاب
کاٹ جو دی شاہؑ کے خیمۂ تن کی طناب ۔ دم اُکھڑ اُس شیر کا رہ گیا شکلِ حباب (۲۸)
بولی قضا اے جواں دم کا تو مہمان ہے
مدفنِ اصلی ترا اب یہ بیابان ہے

شیرِ خدا کا پسر گھر گیا میدان میں ۔ دشمنوں کی فوج نے لے لیا درمیان میں
جب نہ رہی تاب کچھ شہہؑ کے تن و جان میں ۔ زین سے نیچے گرے تیروں کی باران میں (۲۹)
تیر لگے جس گھڑی اُس شہہِ مجبور پر
دھاریں لہو کی بہیں چہرۂ پُر نور پر

ذکر خفی دل میں کر خالقِ معبود کا　　سجدۂ آخر کیا خلق کے مسجود کا
اشک اِدھر بہہ چلا چشمِ خوں آلود کا　۲۴　خنجر اُدھر چل گیا قاتلِ مردود کا

عابدِ معبود نے سجدے ہی میں جان دی
سر نہ زمیں سے اٹھا واہ ری یہ بندگی

راز جو تھا درمیاں خالق و مخلوق میں　　تا دمِ خنجر رہا عاشق و معشوق میں
لاش کو رکھ الغرض نور کے صندوق میں　۲۵　لے کے ملائک چلے عالمِ عبوق میں

پڑ گیا اک زلزلہ عالمِ ملکوت پر
رونے لگے وحش و طیر شیر کے تابوت پر

مرنے سے اُس شاہؑ کے پڑ گئی لشکر میں لوٹ　　بھائی سے بھائی چھُٹا ماں گئی بیٹے سے چھوٹ
الجرم رہ گئے سینہ و سر کوٹ کوٹ　۲۶　بازوئے صبرِ تواں رہ گئے ماتم سے ٹوٹ

چھوڑ تجلّی بس اب دفترِ غم ہاتھ سے
رکھ دے چل اے چشمِ تر مثلِ قلم ہاتھ سے

ہوشؔ لکھنوی کا ہندی مرثیہ

میر شمس الدّین نام، ہوشؔ تخلص، رہنے والے لکھنؤ کے، شاگرد میر سوزؔ دہلوی، کلام ان کا فصاحت افروز، ان کا خاندان واجب الاحترام سمجھا جاتا ہے۔ (مجموعۂ نغز)

مصحفیؔ لکھتے ہیں:۔

میر شمس الدین ہوشؔ، جوان شیریں زبان است، شاگرد میر سوزؔ

یار ہنستا ہے چشمِ تر کو دیکھ　　گریہ تک اپنے تو اثر کو دیکھ

تیرے خط کا جواب آیا ہے　　ہوشؔ کھول آنکھ نامہ بَر کو دیکھ

(تذکرۂ ہندی)

اعظم الدّولہ سرورؔ نے بھی لکھا ہے کہ میر شمس الدّین ہوشؔ، باشندۂ لکھنؤ اور شاگرد میر سوزؔ، مصحفیؔ، قاسمؔ اور ذکاؔ کے حوالے سے اسپر نگر نے لکھا ہے:۔

"میر شمس الدین ہوشؔ لکھنوی، شاگرد سوزؔ، جوان ہیں" (یادگار شعرا)

شیفتہؔ نے "گلشنِ بے خار" میں لکھا ہے:۔

"میر شمس الدین ہوشؔ، میر سوزؔ کے شاگردوں میں سے ہیں"۔

"خوش معرکۂ زیبا" میں سعادت خاں ناصرؔ نے بھی شاگردانِ میر سوزؔ میں ہوشؔ لکھنوی کا ذکر کیا ہے۔ قطب الدین باطنؔ نے بھی "گلستانِ بے خزاں" میں ہوشؔ لکھنوی کا تذکرہ کیا ہے۔

مہاراج کمار محمود آباد کے ذخیرۂ مراثی میں ہوشؔ لکھنوی کا ہندی مرثیہ موجود ہے جس میں ۲۸ بند ہیں۔ یہ مرثیہ مہاراج کمار نے مجھے دکھایا تھا۔ میرے کتب خانے میں بھی یہ مرثیہ موجود ہے۔ شمس آباد کے کتب خانے میں بھی ہوشؔ لکھنوی کا ایک مرثیہ تھا، یہ مرثیہ اب ذخیرۂ مسعود حسن ادیبؔ علی گڑھ کے کتب خانے میں پہنچ گیا ہے۔ مرثیے میں ۳۱ بند ہیں اور مطلع ہے:۔

"بانو بچے کو دودھ پلا کے، چوم کے ماتھا چھاتی لگا کے"

مرثیہ

سگرا بنی مکھ پر انچرا ڈارے بین سناوت ہے
ہائے حسینا بابا مورے تم بن جیورا جاوت ہے
رین دِنا رووت ہوں تمرا دھیان جو موکو آوت ہے
جائے بسے ہو کون دیسا گھر بھی کوؤ بھلاوت ہے

۱

بابا مورے کون گھڑی تم گھر سے باہر قدم دھرا
دیس مدینہ جو پھر آون ایسو تمرا کٹھن بھوا
بابا مورے تمرے بچھڑے سلگت ہے مورا ہیارا
گھر بھی کوؤ اُجاڑ کے اپن، جنگل جائے بساوت ہے

۲

گھر ماں مورے کوؤ نہیں جو ساتھ ہے اب کھیلن ہاری
بابا مورے سُونی بکھری ہے اور میں ہوں دکھیاری
کہاں بتاؤں بابا مورے رین یہ ساری اندھیاری
جاگت جاگت تم بن بابا آنکھیں مون جاوت ہے

۳

پاتی کی آون کی تمھری جو راکھت ہوں من میں آس
بھور بھئی سے رہت ہوں بابا میں دکھیاری دہلی پاس
آوت ناہیں ہے جو مُھکا اُدھر کے کاہوں موباس
بابا مورے چھاتی پھٹت ہے جیرا روند ہو آوت ہے ۴

بابا تمھرے آون کی جو کبھی کھبر یا پاوت ہوں
تو یہ سگرا آنگن بالن سے میں اپنے بہارت ہوں
رونے پاوت ہوں تو تمھری خاطر مونده رکھاوت ہوں
تم جو نہیں آوت ہو بابا تو وہ مہکا کھاوت ہے ۵

گھوڑے کا اسوار جو کوؤ آنکست ہے ہمرے گاؤں
تو روت ہوں بابا تمھرے گھوڑے کا میں لے لے ناؤں
شہر مدینہ بھیو اے بابا گویا اوجڑ ہمرے بھاؤں
بابا تمھرا بچھڑن مُھکا رین دِنا کلپاوت ہے ۶

اکبرؑ بیرن تم ہوں موکو لشکر جائے بھلائے دیو
آون ہاری آئے نہ تم ایک خط بھی لکھ نہ پٹھائے دیو
چلتے بیر جو قول دیا تھا سو میں یاد دلائے دیو
اکبرؑ بیرن گھر آون میں کوؤ بھی بیر لگاوت ہے ۷

اکبرؑ بیرن تم بن راکھوں کیسو آپن من سمجھائے
اکبرؑ بیرن جانت تھی تمھو کا میں بابا کے جائے
۸ سو تم ایسو بھیّا مورے لشکر جائے کے دیو بھلائے
بھیّا بچھڑن تمھرا جی کا ہمرا چین بھلاوت ہے

ہووت ہے جو بہن کو بھیّا تم سے بیرن جیو کی آس
کِت گت ڈھونڈوں اکبرؑ تم کا تھری اب ہے بہن نراس
۹ نین میں ہیں پران ہمارے ابھوں نہ آئے ہمرے پاس
آوؤ نہ آوٗ جیو سکھ دیکھو بہن جیو سے جاوت ہے

یا کہیں ایسے جائے پھنسے جو آون پاوت ناہیں ادھر
کووٗ بساوت ناہیں بہن کو اور اُجاڑت ناہیں گھر
۱۰ کاہوں بیت میں پھنس گئے اکبرؑ جو تم لینی نہ موری کھبر
کیسے کہوں تورے میں واری بہنی نیر بہاوت ہے

دیکھ کھلونے اسگرؑ تورے جیون مہکا بھاری ہے
اسگرؑ بیرن گودی موری تم بن ہو گئی خالی ہے
۱۱ دلیس مدینہ بھیّا مورے بھاویں اوجڑ نگری ہے
آنگن پربت بھیو ہے موکو دہلی لگ ون جاوت ہے

آپ مسافر ہو گئے اسگرؑ اوجڑ کر گئے مورا گاؤں
بھیّا مورے تم بن کیسو یہاں میں آپن من پر جانوں
بورے ایسی رٹنت پھر ہوں رین دِنا میں تمھرا ناؤں
نین بیچ وہ صورت تمھری مورے آن سماوت ہے

۱۲

اسگرؑ بھیّا نظر پڑت ہے جھولا تمھرا جیوں گھڑی
چھاتی پھٹت ہے موری بھیّا تم بن موہ دکھیاری کی
آنگن سونا ہوا رے ہائے اُوجڑ لاگت ہے بھری
اسگرؑ بھیّا کب آلیو بہنی پیر مناوت ہے

۱۳

ہائے سکینہؑ ہمرے تمھرے بیچ پنچوا آن پڑا
دیس مدینہ بھیو ہمارا جنگل تمھرا دیس بھوا
ہائے سکینہؑ کھیلن ہمرا تمھرا کیسو چھوٹ گوا
کون گھڑی بابا نکلا جو گھر نہیں آون پاوت ہے

۱۴

بہن سکینہؑ دِھیَن پڑوس کی آوت ہیں گی جب گھر ہوں
کھیلن تمھرا ساتھ کا اپنے یاد آوت ہے تب موکوں
ٹوٹا جات ہے مور کرِجوا آگ اوبھت ہے ہیرے سوں
آنسو بن مورا سُلگت ہیرا آن نہ کوؤ بُجھاوت ہے

۱۵

کاسمؑ بیرن بہن سُنا ہے تم ہُواں اپنو بیاہ کیو
بھیّا اپنے چچا کی بیٹی کا کاہے ہو بھُلائے دیو
کاسمؑ مہندی اپنے ہاتھوں آپ ہی آپ لگائے لیو
پہلے نیگ بہن کو دے ہے جو کوؤ بیاہ رچاوت ہے ١٦

کھبر سُنت ہے بیاہ کے تورے میں مِندہی تھی بھگوائی
دین مبارک بادی آئین دیس کے سگرے لوگ لگائی
بہن بدیس تیں جو نہ بلائے یہ تورے کا جی میں آئی
یاد تمہاری کاسمؑ موکو جُوں مچھری تڑپاوت ہے ١٧

ہمکو بھولے بیرن پیارے ہوئی سکینہؑ تم کو پیاری
دکھ میں چھوڑ کے دکھیا کو نالے ہو سُدھ تم موری بساری
ایک بھی پاتی لکھ نہ پٹھائی تمہوں چھٹیاں لکھ لکھاری
نیگ لین اب آپ ہی آؤں جی میں ایسے آوت ہے ١٨

سہرا تو دیکھن ہم نہیں پایا پھولن میں کی باس سنگھاؤ
کاسمؑ بیرن سوہا جوڑا موری بہن کا آن دکھاؤ
کھیلن ہاری ساتھ کی اُن کی راکھت ہیں یوں من میں چاؤ
دلہن کے وہ چاند سے مُکھ پر کیسو نتھ سہاوت ہے ١٩

کھن آنگن کھن دوارے ٹھاری آس لگائے مو آون کی
کوؤ بات بنت نہیں موکو صاحب جی پر جاون کی
۲۰
تم آئے نہ پیک پٹھائے بات بنی جی جاون کی
جی کا کنول ہمارے بیرا اب پل پل مُرجھاوت ہے

مرن جیین ہے اکارت تم بن دل کا ہیرا بھیو ہمارو
سووت جاگت رین دنا اب رہت ہے موکو دھیان تہارو
۲۱
تم اپنے سہرے باگے پر یہ دکھیا صدکے کروارو
کوٹ برس یوں تم جیو بھیّا بہن تو یہ مناوت ہے

پوچھت ہوں میں کُشل تمہارے کربل میں جو آئے پیاری
بہت دنا بھئے میرے مسافر ہم نے تمہاری بات نہ ہاری
۲۲
اب تو پیار بھی آوت ناہیں ٹوٹ چکی اب آس ہماری
لاگت ہے جوں چھوری کٹاری سانس بھی اب نہیں جاوت ہے

ہائے چچا عباسؑ علی تم ہو کاہے کو دیو بھلائے
بابا کو پھیرا نہ گھر کا موہ دکھیا کے یاد دلائے
۲۳
یا کہیں جنگل بیچ پھنسے ہو اب لگ جو گھر میں نہیں آئے
کون کھبریا لاوے تمھری کوؤ نہ آوت جاوت ہے

بالے پن مین پپت پڑی ہے بِن ساتھی بِن سنگت ہوں
سبھوں بِن ترپٹ دُکھیاری سُونے گھر میں رووت ہوں
کوؤ ناہیں بیر بتاون رین دِنا میں ترپت ہوں
اِک پل جیون بھیو ہے دوبھر موت ہی موکو بھاوت ہے   ۲۴

اَمّا بانوؑ موہ دُکھیا کو تم ہو جائے بُھلائے دیو
بیٹی چھانڈے گھر میں رووت بیٹی دو اپنے ساتھ لیو
کیسو تم کا چین پڑا واں کاہے نہ موکو یاد کیو
تم بن بچھڑے موہے اَمّا یہ گھر ناہیں سُہاوت ہے   ۲۵

کوؤ پڑوسن دھی کو اپنی جو اپنے ہے گلے سے لگائے
تب تو گلے لگاون تھرا اَمّا موکو یاد ہے آئے
کیا ہی کروں کت جاوے دُکھیا جیورا ہے اب روندھا جائے
سگرا کنبہ لے گئے بابا آوت کوؤ نہ دکھاوت ہے   ۲۶

سُگرا بی بی کے شیون کا کوؤ نہ ہے پورا سُنوَیّا
چودہ طبق پڑے رووت ہیں ہوش بچارے موئے بَہیّا
نبیؐ کے نائب علیؑ جی صاحب گرہ کھبر کی او کھڑیّا
مدد کریں ہر آن میں تیری مرثیہ گو تو کہاوت ہے   ۲۷

ہمارے کتب خانے میں ہوشؔ لکھنوی کا ایک اور قلمی مرثیہ بھی موجود ہے۔ یہ مرثیہ مربّع ہے اور بحر مضارع مثمّن اخرب میں ہے۔

مرثیہ

خدمت میں اُس کے مجرا جو سبطِ مصطفےؐ ہے
دلبندِ فاطمہؑ ہے فرزندِ مرتضٰےؑ ہے
محبوبِ انبیاؑ ہے اور عاشقِ خدا ہے
نرغے میں ظالموں کے بے یار و آشنا ہے

جس کے لئے عزیزاں ارض و سما بنا ہو
وہ تین دن کا بھوکا، کیا قہر ہے کھڑا ہو
آبِ فرات جس کو حق مہر میں دیا ہو
بیٹا ہو اس کا پیاسا یہ زور ماجرا ہے

نرغے میں ظالموں کے بے خویش و بے برادر
نہوڑائے سر کھڑا ہے شبیرؑ گھوڑے اوپر
سارا بدن ہے زخمی کپڑے ہیں خون میں تر
سوکھی زبان اپنی ہونٹوں پہ پھیرتا ہے

دکھلائی دے رہے ہیں قاتل بھی ہر طرف کو
ایسا نہیں جو اُس پر کوئی رحم کھاوے یارو
وہ دیکھتا ہے جب بھی خیمے کی طرف رو رو
جی میں نہیں ہے طاقت وہ دھوپ میں کھڑا ہے

از بس کہ زخم اُس کے تن پر لگے تھے کاری
دریا لہو کا ہے ہے ہر زخم سے ہے جاری
تیروں سیتی چھپی ہے صورت وہ شکل ساری
گویا کہ قصد اُس کا پرواز عرش کا ہے

اہلِ حرم کی حالت اب کہیئے کیا عزیزاں
خیمے میں ہو رہا ہے رونے سے ایک طوفاں
حضرت سکینہؑ اُن میں از بس کہ ہے جو نالاں
ہر یک سے پوچھتی ہے بابا کو کیا ہوا ہے

لینے گئے تھے پانی میرے لئے جو بابا
پانی اگر نہ پایا تو گھر میں کیوں نہ آیا
یا آپ پانی پی کر بابا وطن سدھارا
زینبؑ پھوپھی بتاوٗ کیسا یہ ماجرا ہے

رو کر کبھی ہے کہتی یوں جا کے عابدینؑ سے
پانی مجھے پلاؤ بھیّا تمہیں کہیں سے
کیا غش پڑے ہو ہے ہے اٹھو تو اس زمیں سے
بابا کو ڈھونڈھ لاؤ احسان یہ بڑا ہے

بانوؑ سے پوچھتی ہے رو رو کے یوں وہ دُکھیا
کیوں نتھ اُتاری تم نے بتلاؤ مجھ کو امّا
کیوں بال نوچے تم نے منھ اپنا کیوں ہے پیٹا
کیا میرے بابا جاں کا احوال کچھ برا ہے

کبرٰؑ سے پوچھتی ہے اے مری آپا دلہن
قاسمؑ سے ہو گئی ہے کیا تم سے آج اَن بن
اندھیارا ہو گیا کیوں تم پر جہانِ روشن
سہرا تمہارا ہے ہے کیوں خاک پر پڑا ہے

اے ہوشؔ بس سکینہؑ کے بین مت رقم کر
روتے ہیں سننے والے سب اپنا پیٹ کر سر
دیوے گا پیر تیرا خواہش ہر اک برابر
کہتے ہیں شاعروں کو سب نے صِلا دیا ہے

راجہ چندو لال شاداںؔ کا نایاب مرثیہ

مہاراجہ چندو لال شاداںؔ کی پیدائش ۱۱۸۹ھ میں ہوئی اور آصف جاہ ثانی کے زمانہ میں تعلقدار کرور گیری کے عہدہ پر سرفرازی پائی۔ زمانہ مابعد میں ترقی کرتے ہوئے پیش کار سلطنت آصفیہ ہوگئے اور اسی پیشکاری کے زمانہ میں کئی سال تک دیوانی کے فرائض بھی انجام دیے۔ ۱۲۶۱ھ میں اس دار فانی سے کوچ کیا۔ (دکن میں اردو ص ۴۰۵)

سعادت خان ناصرؔ لکھتے ہیں: ”صاحب جود و نوال، رائے چندو لال، تخلص شاداںؔ، نائب والی دکن کاسب ہنر و فن، علم موسیقی پر قادر، سخنوری سے ماہر، .... چند غزل واسطے اصلاح کے شیخ ناسخؔ کی خدمت میں بھی آئی تھیں“۔ (خوش معرکہ زیبا ص ۵۳۳)

سری رام لکھتے ہیں: ”ان کے والد رائے نرائن داس خلف رائے بچھی نرائن کھتری رائے بریلی کے عمائدین میں سے تھے، ان کے چچا رائے نانک رام کمشنر کرور گیری دکن تھے۔ انھوں نے چچا کے ظل عاطفت میں پرورش پائی اور نواب ارسطو جاہ کی وزارت میں ملازم ریاست ہو کر درجہ بدرجہ ترقی پاکر نواب سکندر جاہ کے عہد حکومت ۱۸۰۶ء میں عہدہ پیشکاری وزارت آصفیہ پر ممتاز ہوئے۔ بہت بڑے منتظم فیاض و نیک نام اور ان کی سیر چشمی اور دریادلی کے متعلق آج تک صدہا حکایتیں زبان زد خاص و عام ہیں۔ دکن میں جو اعلیٰ درجہ کی عزت و نیک نامی انھیں ملی آج تک کسی امیر وزیر کو نصیب نہیں ہوئی“۔ (خم خانہ جاوید جلد چہارم ص ۳۷۱)

شاداںؔ نہ صرف سخن فہم اور قدر دان اہل علم تھے بلکہ خود بھی ایک باکمال اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ ان کا اردو اور فارسی کلام مشہور ہے۔ ان کا کلام نہایت سنجیدہ شگفتہ اور پسندیدہ مضامین کا ذخیرہ ہے۔ کلام کی رنگینی، انداز بیان کی جدت اور تخیل کی بلند پروازی قادر الکلامی کی شاہد ہے کلام کا زیادہ حصّہ معرفت اور تصوّف سے بھرا ہوا ہے۔ شاداں کے دو دیوان ہیں جو شائع بھی ہو چکے ہیں۔ جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔

انتظام سیاست میں منہمک رہنے کے باوصف ارباب کمال کے عموماً اور شعراء کے خصوصاً قدر دان تھے۔ استاد ذوقؔ اور حضرت ناسخؔ کو شاداںؔ نے دکن بلایا تھا لیکن یہ شعراء دکن نہ جاسکے شاداںؔ فارسی میں قتیلؔ کے شاگرد تھے۔ شاداںؔ کی سوانح حیات دکن سے شائع ہو چکی ہے۔

نمونہ کلام

جس نے نہ اسے جانا اس نے ہی لیا جانا
بس وہ ہی موحدّ ہے جو ایک خدا جانا

جدھر دیکھا مری نظروں میں تو تھا
مثال آئینہ خود رو برو تھا

مکاں ایک ہے گرچہ راہیں ہیں دو
یہ دیر آپ کا وہ حرم آپ کا

سختیاں عشق بتاں میں نہ اٹھاؤ شاداںؔ
کون جوڑے گا اسے دل جو تمہارا ٹوٹا

جس طرح بحر میں حباب رہا
اپنا اس طرح سے شباب رہا

راہبر ہو تو تجھے تا سر منزل پہنچائے
راہ تو دور ہے اور بیچ میں روڑے پتھر

کام رستم کا کرے جو اسے کہیے رستم
وہ زبردست ہے جو ہاتھ سے توڑے پتھر

پتھرا کے رہ گئی وہیں موسیٰ کی چشم شوق
نور اس کا جلوہ گر جو ہوا کوہسار پر

جنھوں کو کشف ہوتا ہے عیاں ہوتا ہے سب ان پر
دوانے بھی کہیں دنیا میں دانشمند ہوتے ہیں

برنگ بوئے گل رہتے ہیں گل میں اور جدا اس سے
جو ہیں آزاد دنیا میں وہ کب پابند ہوتے ہیں

آنکھ سے پردہ نہ کر پردے کا گھر یہ بھی تو ہے
تو تو دیکھے ہم نہ دیکھیں طرفہ تر یہ بھی تو ہے

زاہد کرے ہے زہد گنہگار ہے خجل
دیکھیں کرم کا اس کے سزاوار کون ہے

آنکھیں ہوں تو کوئی اس کو دیکھے
آنکھوں ہی کے پردے میں نہاں ہے

قطرہ دریا کی جدائی سے کرے جب اضطراب
ابر رحمت قطرہ کو اک آن میں دریا کرے

شکل ہستی سراب کی سی ہے
بے ثباتی حباب کی سی ہے

خوش قسمتی سے شادآں کا ایک کمیاب مرثیہ ہمیں مل گیا ہے جو یہاں ہدیہ ناظرین کیا جارہا ہے۔

مرثیہ

دیار شام میں جب قیدیوں کو شام ہوئی   وہ رات پیٹنے رونے ہی میں تمام ہوئی
ہوئی جو صبح کمر بستہ فوج شام ہوئی   ہوا یزید برآمد یہ دھوم دھام ہوئی
فلک ستائی مصیبت کی مبتلا زینبؑ
چلی یزید کی مجلس میں بے ردا زینبؑ

سنا سنا کے اسیروں کو کہتے تھے ناری   ہوئی تھی جشن کی پچھلے پہر سے تیاری
ہے خاص و عام سے معمور انجمن ساری   امیر شام نے پوشاک پہنی ہے بھاری
جو حکم ہو گا تو مجرے کو سر جھکا دیں گی
رسول زادیاں واں بیٹھنے نہ پاویں گی

یہ راہ گیروں سے کہتے تھے سید سجادؑ   کہ ہم اسیر تمہارے نبیؐ کی ہیں اولاد
غریب و بیکس و مظلوم خانماں برباد   یہ جان لو کہ یتیموں کی ہے بڑی فریاد
خدا کے عرش کو اس وقت زلزلہ ہوگا
جو قیدیوں کو نہ دیکھو گے تم تو کیا ہوگا

بھلا اسیروں کا اے شامیو تماشا کیا   بھرا ہے خاک سے چہرہ کھُلا ہے سر ان کا
جو سیر دیکھنے سے تم کو شوق ہے ایسا   تو جاؤ مجلس حاکم میں واں ہے لطف بڑا
خوشی ہے جشن ہے مطرب ہیں رقص ہوتے ہیں
یہاں تو سوگ میں سب وارثوں کے روتے ہیں

جواب دیتے تھے رہگیر ہو کے خندہ وہاں   بھلا یزید کے دربار میں یہ سیر کہاں
وہاں کہاں ہے اسیران با سر عریاں   وہاں کہاں ہے یہ پردرد نالہ و افغاں
یہ لوگ ہائے حسینا جو کہہ کے روتے ہیں
ہم ان کے نوحے کو سن سن کے شاد ہوتے ہیں

امام روتے تھے سن کر جواب سینہ فگار   بھرا تھا خلق کی کثرت سے کوچہ و بازار
ہر اک دکان میں رکھے ہوئے تھے سیب و انار   علیؑ کے لعل تھے واللہ کتنے غیرت دار
کہ بھوک پیاس کی شدت سے وہ تو مرتے تھے
مگر نگاہ نہ میوؤں کی سمت کرتے تھے

کھڑی تھیں عورتیں سب قصر و بام کے اوپر　　خصوص بچے تھے جس جس کی گود کے اندر
بیان کرتی تھیں آپس میں وہ یہ ڈر ڈر کر　　اڑھا دو چہروں پہ بچوں کے گوشۂ چادر
فلک نے حادثے ان کو عجب دکھائے ہیں
یہ اپنے پیاروں کو مقتل میں کھو کے آئے ہیں

پھر اپنے بچوں پہ وہ صدقہ کر کے سیب و انار　　سکینہؑ جان کو دکھلا کے کرتی تھیں گفتار
یہ میوہ نوش کر اے دختر شہ ابرار　　کہ رنج فاقہ کشی سے کچھ آئے تجھ کو قرار
رہے گی پیاس کی سوزش نہ تیرے سینے میں
نہ کھایا ہوگا یہ میوہ کبھی مدینے میں

علیؑ کی پوتی نے ان عورتوں سے جب یہ سنا　　اٹھا اٹھا کے سر اپنا سوئے فلک دیکھا
پھر ایک آہ بھری اور یہ جواب دیا　　ہم ایسے بھوکے نہیں ہیں جو کھائیں یہ میوہ
اگرچہ آج میں بھوکی ہوں اور پیاسی ہوں
مگر میں صاحب معراج کی نواسی ہوں

حلال تم پہ کیا جس خدا نے آب و طعام　　اسی نے صدقہ کیا آل مصطفےٰؐ پہ حرام
میں وہ اسیر ہوں نانا ہے جس کا خیر انام　　میں وہ غریب ہوں جس کا پدر ہے کل کا امام
قسم ہے رزق یداللہ کو سب بتاتے ہیں
ہمارے صدقے سے سب لوگ رزق پاتے ہیں

سنا کے ہم کو یہ اے صاحبو جو تم نے کہا　　نہ کھائے ہوں گے یہ میوے مدینے میں اصلا
یہ کل کی بات ہے جیتے تھے سید الشہداؑ　　ہمارے گھر میں خدا کا دیا سبھی کچھ تھا
بہت پدر کے تصدق سے چین پائے ہیں
ہمیشہ گلشن جنّت کے میوے کھائے ہیں

غبار و گرد سے منھ دیکھتی ہو یہ جو بھرا　　حسینؑ پانی سے دھوتے تھے اس کو صبح و مسا
پدر کے سینے سے ہوتی تھی ایک دم نہ جدا　　اور اب تو خاک پہ سوتی ہوں شب کو میں اس جا
پدر کے مرنے سے کیا کیا کیا حقیر مجھے
کوئی یتیم ہے کہتا کوئی اسیر مجھے

بیاں یہ سن کے سکینہؑ کا ایک حشر ہوا　　سر حسینؑ بھی نیزے پہ اس گھڑی کانپا
ہوئے جو داخل دربار خاصگان خدا　　میں کیا کہوں دلِ زینبؑ پہ جو قلق گزرا
منہ اپنا بالوں سے ہر دم چھپائے لیتی تھیں
دہائی حضرت خیر النساؑ کی دیتی تھیں

حدیث معتبرہ میں ہے اس طرح لکھا　　یزید نے پسر سعد کو یہ حکم دیا
کہ جن جوانوں سے یہ انصرام جنگ ہوا　　ستم سے جنکے لٹا ہے ریاض شیر خداؑ
وہ نذر فتح کی مجھ کو نہ مال و زر دیویں
علیؑ کے پیاروں کے لالا کے نذر سر دیویں

ہوا یزید کا یہ حکم جس گھڑی تشہیر　　میں کیا کہوں کہ ہوئے کس قدر ہیں خوش بے پیر
اتارے نیزوں سے ہیں لشکری سر شبیرؑ　　چلے یزید کے دربار میں وہ سارے شریر
بتولؑ حال شہیدوں کا دیکھ روتی تھی
علیؑ کی روح سروں پر نثار ہوتی تھی

لکھا ہے پہلے جو آیا تھا روبروئے یزید　　وہ شمر تھا شہ دیں کو کیا تھا جس نے شہید
دکھا کے سر وہ شہیدوں کا وہ لعین پلید　　امیر شام سے کہنے لگا بصد تاکید
میں پنجتنؑ کو جہاں سے مٹا کے آیا ہوں
یہ تحفہ تیرے لیے کربلا سے لایا ہوں

میں ذبح کرتا تھا جب شہ کو روتی تھی زہراؑ　　لپٹتی تھی مرے خنجر سے روح شیر خداؑ
نہ فاطمہؑ سے ڈرا میں نہ مصطفےؐ سے ڈرا　　گلا حسینؑ کا ہفتاد ضرب میں کاٹا
جفا جو مجھ سے ہوئی کب کسی سے ہووے گی
بتولؑ حشر تلک اب لحد میں رووے گی

کہا یزید نے جب تو نے شہ کو ذبح کیا　　مجھے بتا پسر فاطمہؑ کا حال تھا کیا
وہ شکر کرتا تھا یا کچھ ملول خاطر تھا　　پکارا شمر کہ صابر نہیں کوئی ایسا
قسم خدا کی کہ خنجر گلے پہ چلتا تھا
وہاں تو زخم سے پر شکر حق نکلتا تھا

اب ایسا کوئی نمازی نہ ہوویگا پیدا جب اس کے حلق پہ میں نے دھری تھی تیغ جفا
یہ منھ سے کہتا تھا سبحان ربّی الاعلیٰ پھر اس کو پانی کئی روز سے ملا بھی نہ تھا
لب فرات کو کیا اس گھڑی جو تکتا تھا
گلوئے خشک پہ خنجر مرا اٹکتا تھا

یہ شمر کہتا تھا ناگاہ حرملہ آیا اور اپنے ہاتھ میں اصغرؑ کی سیلیاں لایا
شلوکا کرتا بھی حاکم کو اس کا بتلایا پکارا لوٹ میں میں نے یہ مال بھی پایا
یہ تیری نذر کو کرتا شلوکا لایا ہوں
اور اس کے لاشے کو عریان چھوڑ آیا ہوں

کہا یزید نے بچے کو کس لیے مارا پکارا حرملہ یہ شہ کو تھا بہت پیارا
شہید کر کے اسے شہ کا دل کیا پارا جلایا بانو کے آگے پھر اس کا گھوارا
شجاع وصف شکن و صفدر و جری ہوتا
نہ قتل ہوتا تو یہ دوسرا علیؑ ہوتا

ابھی یہ حرملہ حاکم سے کرتا تھا تقریر کہ لایا ہاتھ میں اکبرؑ کے سر کو ابن نمیر
وہ زلفیں بکھری ہوئیں اور چاند سی تصویر دکھا کے سر کو یہ بولا یزید سے وہ شریر
ستم کی برچھی سے اس مہ لقا کو مارا ہے
تری خوشی کے لئے مصطفےٰؐ کو مارا ہے

سروں کا جائزہ لیتا تھا حاکم بے دیں کھڑی تھیں تخت کے آگے اسیر پردہ نشیں
جھکائے آنکھوں کو روتے تھے عابدؑ غمگیں پھوپھی سے کہتے تھے رو رو کے باصدائے حزیں
ذرا جہاں کے تم اب انقلاب کو دیکھو
سر حسینؑ کو بزم شراب کو دیکھو

یہ کہہ رہا تھا پھوپھی سے نبیؐ کا نور العین یزید جشن میں مشغول تھا بزینت و زین
کہ ناگہاں ہوئی پیدا صدائے شیون و شین کہ کہہ رہا ہے کوئی پیٹ کر حسینؑ حسینؑ
کہا یزید نے کیسا یہ شور ہوتا ہے
یہ میری جشن کی محفل میں کون روتا ہے

قریب تخت شمر تھا جو دست بستہ کھڑا　　یہ حکم حاکم مردود نے پھر اس کو دیا
یہ کون روتا ہے تو جا کے اس کو خوب رلا　　خلل کیا ہے مرے عیش میں سزا پہنچا

غم حسینؑ میں ہر بار نوحہ کرتے ہیں
مرے غضب سے نہیں یہ اسیر ڈرتے ہیں

یہ سن کے شمر لعیں خشمناک ہو کے چلا　　ہر ایک بی بی نے آنکھوں سے اشک کو پونچھا
قریب شمر لعین آیا اور کہنے لگا　　بتاؤ قیدیو کرتا ہے تم میں کون بکا

ہر ایک مرتبہ تعزیر اس کی پاتے ہو
اور اب بھی تم نہیں رونے سے باز آتے ہو

پکاری زینبؑ بیکس کہ سب یہیں ہیں کھڑے　　زمیں میں شرم کے مارے ہیں سب کے پاؤں گڑے
کہیں گیا نہیں کوئی یہیں ہیں چھوٹے بڑے　　سبھوں کی آنکھوں کے چشمے یہاں ہیں خشک پڑے

تو بے گناہ اسیروں پہ کر جفا ظالم
جو کوئی رووے اسے شوق سے رلا ظالم

ذلیل ہونا نہیں ہے ہمیں سر دربار　　حسینؑ بھائی کو یاں ہم نہ روئیں گے زنہار
کبھی مدینے میں لے جائے گا اگر غفار　　وہاں حسینؑ کو ہم روئیں گے پکار پکار

یہ غم وہ ہے کہ بھلا کس سے ضبط ہوتا ہے
ہیں آنکھیں خشک مگر دل ہمارا روتا ہے

رکھا ہوا ہے جہاں طشت میں حسینؑ کا سر　　جناب فاطمہؑ کی روح کا وہاں ہے گذر
سر اپنا پیٹتے ہیں سر کے پاس پیغمبرؐ　　خدا کا شیر بھی موجود ہے بدیدۂ تر

یہ غم ہے وہ کہ تسلی کبھی نہ ہووے گی
بتولؑ آج سے تا حشر یوں ہی رووے گی

اب آگے راوی پر غم نے اس طرح ہے لکھا　　پھر ایک غلغلہ دربار میں ہوا پیدا
کسی نے کان میں حاکم کے آن کر یہ کہا　　تو اپنے تخت پہ بیٹھا ہوا ہے غافل کیا

غم حسینؑ میں رو رو کے خاک اڑاتی ہے
سر اپنا پیٹتی ہندہ محل سے آتی ہے

یہ سن کے تخت سے اٹھا یزید گھبرا کر　　کہ سامنے سے وہاں آئی ہندہ ننگے سر
لبوں پہ ہائے حسینؑ اور چشم اشک سے تر　　اور ایک ہاتھ میں اپنے لیے ہوئے چادر
یہ رو کے کہتی تھی کیا دکھ فلک نے ڈالا ہے
غم حسینؑ نے گھر سے مجھے نکالا ہے

جہاں بندھے ہوئے رسی میں تھے کھڑے وہ اسیر　　وہاں پہ روتی ہوئی آئی ہندہ با توقیر
ہر ایک بی بی کا منہ دیکھ کر یہ کی تقریر　　بتاؤ کون سی اس میں ہے خواہر شبیرؑ
کہاں ہیں حضرت زینبؑ کے صدقے جاؤں میں
علیؑ کی بیٹی کے سر پر ردا اُڑھاؤں میں

کہا یہ فضہ نے ہندہ سے بادل مضطر　　لگا ہوا ہے لہو شہ کا جس کے ماتھے پر
وہی ہے دختر زہراؑ حسینؑ کی خواہر　　قدم پہ گر پڑی زینبؑ کے ہندہ یہ سن کر
حیا سے بالوں میں زینبؑ جو منہ چھپانے لگی
خدا کے عرش سے آواز گریہ آنے لگی

قدم کو چوم کے کہتی تھی ہندہ یہ ہر بار　　دکھاؤ چہرے کو اے زینبؑ بلند وقار
جو کوئی غیر ہو یہ شرم تھی اسے درکار　　قدیم میں تو ہوں لونڈی تمھاری سینہ فگار
جو تم اسیر ہو تو غم کی مبتلا ہوں میں
جو سر کھلا ہے تمھارا تو بے ردا ہوں میں

یہ کہہ کے ہندہ نے چادر کو سر پہ ڈال دیا　　تو سر کو پیٹ کے بولی یہ دختر زہراؑ
خدا کے واسطے ہندہ مجھے ردا نہ اڑھا　　کہ میں نے بھائی کے لاشے پہ ہے یہ وعدہ کیا
کہ جب تلک نہ کفن تجھ کو میں پنہاؤں گی
نہ اپنے سر کو بھی چادر سے میں چھپاؤں گی

پکاری ہندہ کہ کیا بے کفن ہے سبط نبیؐ　　کہا یہ دختر شیر خدا نے ہاں بی بی
پڑے ہیں دھول میں سبط محمدؐ عربی　　ابھی تلک نہیں اصغر کی لاش رن میں ملی
زمیں پہ برج امامت کے وہ ستارے ہیں
بچھونا دشت میں اور مصطفےٰؐ کے پیارے ہیں

زمیں پہ بیٹھ گئی ہندہ عاشق حیدرؑ کہا یزید سے لعنت خدا کی ہے تجھ پر
خدا کرے کہ گرے تجھ پہ آسماں پھٹ کر کہ تیرے ہاتھ سے خیر النساء ہے ننگے سر
جہاں سے پنجتنؑ پاک کو مٹایا ہے
نبیؐ کے بعد قضا تو نے کیا ستایا ہے

جھکا کے سر کو یہ بولا یزید بدکردار کہ آج تو نے کیا مجھ کو میری قوم میں خوار
نہ منہ دکھانے کی اب جا رہی مجھے زنہار کہ آج دیکھا تجھے سب نے یاں سر دربار
جو میرا نام تھا بالکل مٹا دیا تو نے
برہنہ سر یہاں آئی غضب کیا تو نے

پکاری ہندہ مجھے بے شعور ہے کہتا بھلا بتا تو میری قدر میرا پردہ کیا
رسولؐ زادیاں ہیں ننگے سر کھلے اس جا مجھے جواب تو دے ہے تو کلمہ گو ایسا
کہ مجھ غریب کو پردے میں تو بٹھایا ہے
نبیؐ کی آل کو بازاروں میں پھرایا ہے

کہا یزید سے سجادؑ نے بھی رو رو کر کہ اے یزید تو انصاف کر خدا سے ڈر
محل سے آئی جو ناموس تیری ننگے سر کمال صدمہ ہوا اس گھڑی ترے دل پر
نبیؐ کا کنبہ جو بازاروں میں پھرا ہو گا
علیؑ کی روح کو کیسا قلق ہوا ہو گا

ہمارے دل سے تو یہ درد پوچھ اے ظالم کہ ننگے سر مری ماں بہنیں ہیں کھڑی اس دم
رسولؐ زادیوں کو دیکھتے ہیں نا محرم بتا رسولؐ کو اس وقت کیسا ہو گا غم
لحد میں روح علیؑ آج نوحہ گر ہو گی
یقیں ہے قبر میں زہراؑ بھی ننگے سر ہو گی

سر حسینؑ کے پہلو سے تب یہ آئی صدا مریض پوتے یہ تیرا خیال ہے بیجا
سر حسینؑ یہاں مجھ کو کام خلد سے کیا کھڑی ہے با سر عریان فاطمہ زہراؑ
تمھارے رنج و الم میں شریک ہوتی ہوں
سر حسینؑ سے لپٹی ہوئی میں روتی ہوں

اب آگے میری زباں کو نہیں مجال بیاں   مگر یہ عرض ہے شہ سے کہ یا امام زماں
بحق اکبرؑ مظلوم و اصغرؑ ناداں   ترا غلام یہ شاداںؔ سدا رہے شاداں
ہر ایک لحظ فزوں افتخار و عزت ہو
زیادہ دولت و اقبال و جاہ و حشمت ہو

۱: مرثیہء شاداںؔ غیر مطبوعہ (قلمی بیاض کتب خانہ ضمیر اختر نقوی)۔

نواب محمد تقی ترقی کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ

ترقی کا پورا نام آغا محمد تقی، خطاب اسد الدولہ و رستم الملک خان بہادر اور عرفیت ”آغا صاحب“ تھی۔ ان کے والد کا نام محمد امین خاں نیشاپوری تھا۔ بچپن سے اُن کی پرورش اودھ کے نواب آصف الدولہ نے کی تھی، پھر اُن کی شادی لطف النساء بیگم سے ہوئی جن کی پرورش آصف الدولہ کی ماں نے کی تھی، اس پیوند کی وجہ سے نواب محمد تقی ترقی کو ایک بہت بڑا وثیقہ ہاتھ آیا جس نے انھیں امیر کبیر کا رتبہ دے دیا۔[1] ریاست و امارت کے علاوہ ترقی کا ادبی ذوق بھی پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا تھا۔ میر سوز کے شاگرد تھے، صاحب دیوان شاعر تھے، ان کا دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ دیوان کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں بھی محفوظ ہے جسے راقم الحروف نے دیکھا ہے۔ ترقی کا کلام اُن کے عہد کے اعتبار سے خاصا ترقی یافتہ ہے۔ زبان و بیان کی سلاست و صفائی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اُن کے کلام میں نامانوس ترکیبوں اور متروکات کی تعداد حیرت انگیز حد تک کم ہے، بڑے اہتمام سے مشاعرے منعقد کرتے تھے اور شعراء کے ساتھ سلوک کرنے میں حاتم زمانہ تھے۔ میر حسن، میر خلیق اور دوسرے شعراء پر اُن کے مُربیانہ احسانات تھے۔[2]

نواب بہو بیگم والدہ آصف الدولہ کے توسل کی وجہ سے مستقل قیام فیض آباد میں رہتا تھا۔ لکھنؤ کی چہل پہل فیض آباد میں رہنے والے سبھی امراء کے لئے کشش کا باعث تھی۔

جب بہو بیگم کا انتقال ہو گیا تو ساری رکاوٹیں دُور ہو گئیں اور ترقی بھی اپنے خاندان سمیت لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ بہو بیگم کا انتقال ۱۲۳۱ھ - ۱۸۱۶ء میں ہوا اور اُس کے بعد کسی قریبی تاریخ میں وہ لکھنؤ وارد ہوئے جس کا ذکر "قیصر التواریخ" میں حسب ذیل الفاظ میں ملتا ہے:

"بعد اس کے مرزا محمد تقی خاں........ اور جتنے امراء و اقرباء جناب مرحومہ تھے۔ دل میں سب متمنی لکھنؤ آنے کے اور رہنے کے تھے سب آئے، شرف ملازمت حاصل کیا۔ ہر صبح وقت دربار چائے پانی آتے تھے، زمرۂ کرسی نشیناں میں تھے"۔

آتش اور ناسخ کے ساتھ بھی ترقی نے مربیانہ احسانات کئے تھے۔ خاص طور سے قیام لکھنؤ کے بعد ترقی کی فیاضیوں سے ناسخ کو کافی فائدہ پہنچتا رہا۔ ترقی نے ۱۲۴۶ھ - ۱۸۳۰ء میں انتقال کیا۔ ناسخ نے قطعہ تاریخ کہا، اس قطعہ میں ترقی کی فیاضیوں اور حاتمانہ اوصاف کا خصوصی ذکر ہے۔

تھے حاتم زمانہ مرزا تقی ترقی — ایسے کہیں جہاں میں صاحب کرم نہ ہوں گے
تا حشر اس امیر فیاض کے برابر — اہل حشم نہ ہوں گے، عالی ہمم نہ ہوں گے
پائی وفات اس نے ماتم سرا ہیں سینے — ہے کون دل کہ جسمیں سوخار غم نہ ہوں گے
ہوں گے اگر نیستاں بہر قلم میسّر — اوصاف اسکے ناسخ تو بھی رقم نہ ہوں گے
لے لیں گے ساتھ اُسکو جب تک نہ روزِ محشر — خلد بریں میں داخل شاہِ اُمم نہ ہوں گے
گن اس بلیغ کا یوں مطلع برائے تاریخ — بس ایک سے زیادہ اعداد کم نہ ہوں گے
دنیا کے جو مزے ہیں باللہ کم نہ ہوں گے — چرچے یہی رہیں گے اے وائے ہم نہ ہوں گے

------۱۲۴۵ + ۱ = ۱۲۴۶ھ------

مرزا نظر علی شاگرد مصحفی نے بھی تاریخ کہی:

محمد تقی خان بہادر کہ بود — بجود و شجاعت عدیم المثال
بحکم خدا زیں سرائے سپنج — سوئے باغ فردوس کرد انتقال
پے سال تاریخ آں ذی شکوہ — چو کر دم نظر از دل خود سوال
ہما ندم خرد از سر حلم گفت — برفت از زماں قدردان کمال

+۸ ------۱۲۳۸ = ۱۲۴۶ھ------

ترقی کے بیٹے مرزا حیدر بھی صاحب دیوان شاعر تھے۔اُن کے خاندان میں کئی پشت تک شعری اور علمی ذوق باقی رہا۔اُن کے اہل خاندان اب بھی لکھنؤ میں موجود ہیں اور معززین میں محسوب ہیں۔(ترقی کے فرزند حیدر تخلص کرتے تھے۔نواب دلیر الدولہ محمد علی خاں بہادر فیروز جنگ عرف آغا حیدر، صاحب دیوان تھے، مرثیے بھی کہتے تھے۔مرزا محمد رضا برق لکھنوی کے شاگرد تھے) محمد حسین خان ترقی کو "صاحبِ ذوق سلیم" لکھتے ہیں [۳] اور سعادت خاں ناصر لکھتے ہیں: فیروزۂ معدنِ نیشاپور ترقی ان کے مدارج مشہور، رئیس باکرم سردار باحشم شمعِ انجمن افروز تخلص ترقی شاگرد میر سوز۔ ناصر نے ترقی کی غزلوں کے انتخاب میں ان کا یہ شعر بھی درج کیا ہے جس سے ناسخ نے ترقی کی تاریخ وفات نکالی ہے: [۴]

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے
یارانِ رفتگاں پر کیا روئیں اے ترقی کیا ہم روانہ سوئے ملکِ عدم نہ ہوں گے

ناصر نے غزلوں کا انتخاب بہت عمدہ کیا ہے۔ محسن لکھنوی انھیں "امیر با توقیر" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ [۵] نواب مصطفٰے خاں شیفتہ لکھتے ہیں "رؤسائے فیض آباد میں سے ہیں اور بہت بلند خصلتوں کے امیر ہیں۔ [۶]

کلب حسین خاں نادر نے ترقی کو سید لکھا ہے۔ [۷]

ترقی بڑے باغ و بہار آدمی تھے۔ فیض آباد میں ان کی سرکار سے بہت سے شعراء وابستہ تھے۔وہ خود بھی اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔انھوں نے فیض آباد میں مجلس مشاعرہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ترقی کی سخاوت شرح و بیان سے باہر ہے۔اہل کمال اور شعراء کے قدردان تھے۔ [۸] اور نواب شجاع الدولہ کے عزیز تھے۔ [۹] فیض آباد میں رہتے تھے صاحبِ دیوان تھے۔

انڈیا آفس لندن میں محفوظ دیوان جسے راقم الحروف ضمیر اختر نقوی نے دیکھا ہے۔ صاحب "خمخانہ جاوید" لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ: "نہایت خوش کلام اور رنگین طبع امیر تھے۔ آپ کا اساتذۂ قدیم میں شمار ہے متانت اور سنجیدگی کے پہلو بہ پہلو لطف زبان اور معاملہ بندی اپنا مزا دکھاتے ہیں۔ کلام میں درد اور دلکشی بھی موجود ہے۔ زبان صاف اور شیریں اور لطف محاورہ بھی اس میں موجود ہے۔ استعارات و تشبیہات سے کلام پاک ہے۔ [۱۰]

آپ کا خاندان اب تک لکھنؤ میں موقر و معزز خیال کیا جاتا ہے۔ آغا ابو صاحب

رئیس اعظم لکھنؤ آپ ہی کے خاندان میں ہیں۔[۱] دوسرے اصناف سخن کے علاوہ ترقی نے مراثی بھی لکھے ہیں۔ ان کے حسب ذیل مرثیے موجود ہیں :

فاطمہ صغرا یہ خط باپ کو لکھواتی ہے (۴۲ بند)

تھی قتل کے دن پیاس سے بیتاب سکینہؑ (۵۷ بند)

قید خانہ کو چلے اہل حرم ہائے غضب (۴۵ بند)

فوج کام آچکی جب شاہ کی رن میں ساری (۴۳ بند)

علی اکبرؑ موئے جب رن میں جا کے (۳۴ بند)

نواب محمد تقی ترقی کے مرثیوں سے چند بند اقتباس کر کے پیش کئے جاتے ہیں :

تھی قتل کے دن پیاس سے بے تاب سکینہؑ — اور کہتے تھے سب پانی ہے نایاب سکینہؑ
آنکھوں سے بہا چشمہ ء خوناب سکینہؑ — عباسؑ سے کرتی تھی طلب آب سکینہؑ
کہتی تھی بلکتی ہوئی پانی کو کدھر جاؤں
کیوں میرے چچا جان میں کیا پیاسی ہی مر جاؤں

پیاسوں کو کسی طور نہیں ملنے کا پانی — کیا مار ہی ڈالے گی ہمیں تشنہ دہانی
تا چند کروں پیاس سے میں اشک فشانی — کہتا نہیں اعدا سے کوئی میری زبانی
بچوں کو بھی پیاس اپنی بجھانے نہیں دیتے
کیوں خیمے میں تم پانی کو آنے نہیں دیتے

عباسؑ کو پیار آیا سکینہؑ سے یہ سُن کر — چھاتی سے لگا کر اسے منہ رکھ دیا منہ پر
اور یوں کہا صدقے ہو چچا اے مری دلبر — اور سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ قربان مرا سر
مشکیزہ کوئی ہو تو اٹھا لاؤ مری جان
میں پانی لے آؤں گا نہ گھبراؤ مری جان

حضرتِ عباسؑ گھوڑے سے کہتے ہیں :

گھوڑے سے کہا تجھ کو بھی ہے تشنہ دہانی — تو کس لئے اس نہر سے پیتا نہیں پانی
اُس نے کہا اے حیدرؑ کرار کے جانی — صورت ہے مجھے شاہ کے تازی کو دکھانی
پانی پیئے کس طرح علمدار کا گھوڑا
دو دن سے ہے پیاسا شہِ ابرار کا گھوڑا

یہی مضمون اسی صورتِ حال پر میر انیسؔ نے اپنے ایک مرثیے میں (در حال حضرتِ عباسؑ) باندھا ہے۔

گردن ہلا کے کہنے لگا اسپِ تیز گام　　　بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرام

(میر انیسؔ۔ جب کربلا میں داخلہ ءشاہِ دیں ہوا)

جنگِ حضرتِ عباسؑ: نواب محمد تقی ترقیؔ کے ایک مرثیے میں جنگِ حضرت عباسؑ کے احوال کی ایک بیت ملاحظہ ہو:

جو پاس تھا دو ہو گیا شمشیر زنی سے
جو دُور تھا مارا اُسے نیزے کی انی سے

محمد تقی ترقیؔ کا اسلوب اور زبان کا استعمال ان کی ہی ایک بیت سے ظاہر ہوتا ہے

تازہ مضمون ہر اک بند میں یہاں اور ہی ہے
یہ زباں اور ہی ہے اور یہ بیاں اور ہی ہے

مقطع کا مصرعہ ملاحظہ ہو:

اب آگے ترقیؔ کو نہیں طاقتِ تحریر

اسی مقطع کی بیت ملاحظہ ہو:

کیوں خیمہء شبیرؑ میں ماتم نہ بپا ہو
دنیا میں کوئی بھائی نہ بھائی سے جُدا ہو

اس بیت کو پڑھ کر میر انیسؔ کا ایک مصرعہ یاد آجاتا ہے۔

یارب جہاں میں بھائی سے بھائی جدا نہ ہو

نواب محمد تقی ترقیؔ کے ایک اور مرثیے سے چند بند اقتباس، یہ مرثیہ بحر ہزج مسدس مقصور محذوف میں ہے اور اس بحر میں درج ذیل مرثیہ نگاروں نے بھی مرثیے کہے جن میں سب سے پہلے مشہور اور قدیم مرثیہ گو سکندرؔ نے اس بحر میں مرثیہ کہا:

نے قاسمؑ کے سر سہرا بندھا کے

مرزا پناہ علی بیگ افسردہؔ: 　شہادت جب علی اکبرؑ نے پائی

میر احسان علی احسانؔ: 　سکینہؑ کہتی تھی سلطان بابا

ہوئی جب [illegible] زینبؑ
گئیں مقتل میں جب نالاں زینبؑ
ہوا جب پیاس سے بے جان اصغرؑ

حیدری: گیا دریا پہ جب عباسؑ مارا

عالم (در عہدِ نصیر الدین حیدر) : علیؑ اصغرؑ موئے جب تیر کھا کر

حبیب: یہی کہتے وطن میں آئے عابدؑ

ناظم : عزیزو پیاسا جو اصغرؑ علی ہے

میر نفیس: جب اکبرؑ کام آئے دشتِ کیں میں

مرزا الطاف حسین عالم لکھنوی: اجل جب اصغرؑ ناداں کو آئی

نواب محمد تقی ترقی کے مرثیے کے چند بند اسی رواں بحر میں ملاحظہ ہوں :

علیؑ اکبرؑ موئے جب رن میں جا کے چلے شہؑ ڈھونڈنے گھوڑا اٹھا کے
اتر لاشوں میں سر پر خاک اڑا کے یہ کہتے پھرتے تھے آنسو بہا کے
اندھیرا میری آنکھوں میں جہاں ہے
مرا بیٹا علی اکبرؑ کہاں ہے

ابھی تو فوج میں گھوڑا تھا ڈالا ابھی تو چھاتی پر کھایا تھا بھالا
یہیں تو تھا میرا گودی کا پالا ہوا کیا میرا لمبی زلفوں والا
ہمیشہ ناز و نعمت میں پلا ہے
خدا جانے کہاں زخمی پڑا ہے

زمیں سے شاہؑ نے اس کو اٹھایا سر اس کا اپنی چھاتی سے لگایا
علی اکبرؑ نے بابا کو جو پایا کہا بابا مجھے اب چین آیا
تمھاری گود میں اب دم نکل جائے
بھرا جتنا ہے دل میں غم نکل جائے

کہا حضرت نے کیا حالت ہے اکبرؑ کہو ٹک دل کی اپنے میرے دلبر
لہو میں کس طرح کپڑے ہوئے تر دکھاؤ زخم جو کاری ہے تن پر

نہیں اتنی بھی طاقت جو کھڑے ہو
زمیں پر شیر سے زخمی پڑے ہو

کہا اکبرؑ نے گر میں جیتا رہتا جہاں میں رہتی پھر عزت مری کیا
یہی کرتا ہر اک آپس میں چرچا موئے عباسؑ و قاسمؑ ہے یہ جیتا

بہت بہتر ہوا انجام میرا
رہے گا تا قیامت نام مرا

پہلا مرثیہ جناب فاطمہ صغراؑ کے مکتوب سے متعلق جو انھوں نے مدینہ سے اپنے بابا جان حضرت امام حسینؑ کو کربلا بھجوایا تھا۔ مرثیہ مسدس کی شکل میں ہے جو اُس وقت تک آہستہ آہستہ تقریباً واحد عروضی شکل مرثیوں کی قرار پا گئی تھی۔ ذیل میں متن مرثیہ درج کیا جاتا ہے۔

مرثیہ

فاطمہ صغرا یہ خط باپ کو لکھواتی ہے ایک تو غم ہے مجھے دوسرے تپ آتی ہے
نہ دوا پیتی ہوں میں اور نہ غذا بھاتی ہے دن تو کٹ جاتا ہے پر رات غضب لاتی ہے

فرش گل بھی ہے مجھے خار کا بستر بابا
ہر سر مو ہے بدن پر مرے نشتر بابا

تارے گنتے ہی گذرتی ہے مجھے رات تمام رونے میں کٹتا ہے دن صبح سے لیکر تا شام
نہ تو دن ہی کو مجھے چین نہ شب کو آرام روبرو آنکھوں کے ہے آپ کی تصویر مدام

مرگ بن اب نہیں کچھ سوجھتا چارا مجھ کو
بے اجل زیست نے اس ہجر کی مارا مجھ کو

کہ گئے تھے مجھے تم میں تجھے بلوالوں گا کہتے اکبرؑ بھی تھے میں لینے تجھے آؤں گا
کیوں عبث کہتے ہو جلد آپ کو پہنچا دونگا بولے عباسؑ یہ تھے یا وہیں دلوادوں گا

تپ غم کھاتی ہوں اور خونِ جگر پیتی ہوں
اسی اُمید میں میں آٹھ پہر جیتی ہوں

تپ کی شدت سے یہ پہنچا ہے مرے جسم کا حال گوشت سب گھل گیا ہڈی سے چمٹ گئی سب کھال
روکھا پھیکا ہے نمایاں تن لاغر کا حال بوجھ ہے تن پہ نقاہت کے سبب ہر اک بال

اک اذیت مجھے ہر لحظہ نئی ہے بابا
موت بھی شکل مری بھول گئی ہے بابا

نہیں معلوم کہ کب میری اجل آوے گی   جو مجھے دیکھے ہے کہتا ہے یہ مر جاوے گی
تم سے تقدیر مجھے کاہے کو ملواوے گی   آرزو وصل کی منہ گور کا دکھلاوے گی

تپ میں ہمسایے اگر پوچھنے آتے ہیں مجھے
بابا کہتی ہوں تو ہذیان بتاتے ہیں مجھے

دو قدم چلنے میں سر میرا پھرا جاتا ہے   صحن تک جاتی ہوں دالان سے غش آتا ہے
سونا گھر دیکھ کے دل سینے میں گھبراتا ہے   تیر لگتا ہے کلیجے میں جو سمجھاتا ہے

کوئی دن میں جو اسی غم سے مریگی صغرا
حشر تک گور میں رویا ہی کریگی صغرا

میری اماں سے یہ کہہ بھیجو اے اماں جان   گھل گئی غم میں کوئی آن ہے صغرا مہمان
لے چلی قبر میں ملنے کا تمہارے ارمان   دودھ اسے بخشو تو بیٹی کی ہے مشکل آسان

رات دن نزع کی حالت میں رہا کرتی ہوں
نہ تو ہوتی ہے شفا اور نہ کہیں مرتی ہوں

میری پھوپھیوں کو یہ تم بھیجو میرا پیغام   غم تنہائی نے صغرا کا کیا کام تمام
تم بھی بھولیں مجھے ہے سخت تعجب کا مقام   کہو پھر بی بی سکینہ کو مرا کہہ کے سلام

اپنی ہمجولیوں کو دل سے بھلایا بہنا
ساتھ کا کھانا بھی تو یاد نہ آیا بہنا

کہو عباسؑ سے صغراؑ نہ رہی تم کو یاد   چلتے دم کرتے تھے تم رو رو کے کیا کیا ارشاد
اے چچا جان کروں کس سے تمہاری فریاد   ہو گئی وعدہ خلافی سے میں بیمار زیاد

تپ سے بستر پہ یہ دکھیاری پڑی رہتی ہے
روبرو آٹھ پہر موت کھڑی رہتی ہے

بھائی اکبرؑ سے کہو بہنا ہے تم پر قربان   راہ تکتی ہوں بہت آوینگے کب بھائی جان
چشم مشتاق لگی رہتی ہے در سے ہر آن   جلد تم آؤ تو اس دل سے یہ نکلے ارمان

رکھ کے زانو پہ مرا سر کہو تم جان بہن
میں مروں کہتی ہوئی ہو ترے قربان بہن

بھائی قاسمؑ کا میں سنتی ہوں کہ ہوتا ہے بیاہ — ان سے کہہ دینا کہ دیکھی نہ مرے آنے کی راہ
ایسے بھولے ہیں مجھے بھائی وہاں جا کے واہ — میں چلی گور میں اور تم کو نہ دیکھا نوشاہ
جیتے جی تم سے نہ قسمت میں ہوا لینا نیگ
آؤ گے یاں تو مری قبر پہ رکھ دینا نیگ

میری جانب سے پھر اصغرؑ کو بہت کرنا پیار — کہو بن تیرے یہ صغرؑا کو نہیں آن قرار
اے جھنڈولے مرے بھائی میں ہوئی تجھ پہ نثار — گود میں لینے تڑپتی ہے یہ بہنا بیمار
داغ دے مجھ کو جدائی کا سدھارے اصغرؑ
صد وسی سال جیو رے مرے پیارے اصغرؑ

خط میں لکھوا چکی احوال یہ جس دم صغرؑا — کر کے ملفوف نویسندہ نے خط اُس کو دیا
خط لئے در پہ کھڑی رو رہی تھی وہ دکھیا — اتنے میں ناقہ سوار ایک نظر اس کو پڑا

سن صدا فاطمہ صغرؑا کی جو وہ ناقہ سوار — آیا ڈیوڑھی کے قریں پھیر کے ناقہ کی مہار
پوچھا تو کون ہے کیوں روتی ہے تو زار و نزار — بولی شبیرؑ کی بیٹی ہوں میں دکھیا بیمار
نام صغرا ہے مرا فاطمہؑ کی پوتی ہوں
باپ سے بچھڑی ہوں اس واسطے میں روتی ہوں

اب تلک کچھ مجھے آئی نہیں بابا کی خبر — تک خدا کے لئے کر میری غریبی پہ نظر
خط یہ شبیرؑ کو پہنچانا میں صدقے تجھ پر — زر نہیں رکھتی ہوں میں سر کی یہ لے لے چادر

لے کے خط ہاتھ میں کہنے لگا وہ ناقہ سوار — بولا زہرؑا کی قسم لوں گا نہ چادر زنہار
کہہ کے یہ پٹکے میں خط رکھ کے چلا وہ اک بار — کربلا پہنچا تھا کیا دیکھا کہ اک شاہ سوار

ہے بلندی پہ کھڑا تشنہ دہاں ایک طرف
لاکھوں اس پیاسے کے ہیں دشمن جاں ایک طرف

نیزہ و تیر سے زخمی ہے سراسر وہ جوان　　ہونٹوں پہ پھیرتا ہے پیاس سے سوکھی ہے زبان
ٹکڑے عمامہ ہے اور تن کی قبا لو ہو لہان　　مثل فوارہ ہر اک زخم سے ہے خون روان

کبھو کہتا ہے کہ عباسؑ مجھے چھوڑ گئے
کبھو کہتا ہے کہ اکبرؑ بھی کمر توڑ گئے

دل میں یہ سوچ کے کہنے لگا وہ ناقہ سوار　　ہو نہ ہو ہے یہی شبیرؑ علیؑ کا دلدار
کہ اکیلا بھی ہے زخمی بھی ہے بیحد و شمار　　پر کوئی رعب سے پاس آتا نہیں ہے زنہار

ایک لاکھوں سے لڑے جنگ کا دستور نہیں
جز حسینؑ ابن علیؑ اور کا مقدور نہیں

دل سے یہ کہہ کے کیا آن کے حضرت کو سلام　　دے کے خط ہاتھ میں رو رو کے کیا اسنے کلام
میں مدینے سے چلا آتا ہوں اے زخمی امام　　روئے شہ دیکھ کے سر نامہ پہ صغرا کا نام

کھول خط پڑھتے تھے اور اشک بہے جاتے تھے
حرف بھی اشک کے قطروں سے مٹے جاتے تھے

پڑھ کے خط نامہ لئے اترے بلندی سے شاہ　　لاشوں سے کہنے لگے کھینچ کے اک دل سے آہ
نامہ بر صغرا کا خط لایا ہے با حال تباہ　　مر گئے آگے ہی تم بھی نہ دیکھی خط کی راہ

لکھا تھا اس میں کہ تم نے نہ بلایا مجھ کو
سب سلامت رہو گو جی سے بھلایا مجھ کو

فاطمہ صغرا کا خط میرے لئے آیا ہے　　پوچھے ہے تم کو مدینے سے جو خط لایا ہے
کہتا ہے مجھ سے زبانی بھی یہ فرمایا ہے　　اب تلک مجھ سے جواب اس نے نہیں پایا ہے

کیا لکھوں مرنے کی سب کی جو خبر پاویگی
ہے وہ بیمار بہت سنتے ہی مر جاویگی

کہہ کے یہ خیمے کی جانب گئے پھر کر شبیرؑ　　خط دکھا بیبیوں کو کرنے لگے یہ تقریر
خط میں صغرا نے یہ تم کو بھی کیا ہے تحریر　　مجھ کو کیوں بھول گئیں مجھ سے ہوئی کیا تقصیر

گھر میں مسند کبھی بابا کی بچھاتی ہوں میں
خالی جھولا کبھی اصغرؑ کا جھلاتی ہوں میں

شاہ سے سنتے ہی رونے کا بس اک شور پڑا خط بھی سننے کا کسی کو نہ رہا ہوش ذرا
بانو سر پیٹ کے کہنے لگیں ہے ہے صغرا تجھ کو تقدیر نے بابا سے بھی ملنے نہ دیا

علی اکبرؑ بھی موئے بھیجوں کسے لینے کو
شاہ بھی زخمی ہیں سو جاتے ہیں سر دینے کو

بیبیاں روتی تھیں اور بانو یہ کرتی تھیں بیاں خط لیے خیمے سے پھر شہ ہوئے مقتل کو رواں
آکے ٹھہرے وہاں قاصد کھڑا روتا تھا جہاں بولے سُن لے کہ جو ہے خیمے میں فریاد و فغاں

جیتے قاسمؑ نہیں اکبرؑ نہیں عباسؑ نہیں
ایک میں زخمی ہوں اور کوئی مرے پاس نہیں

کیا لکھوں میں کہ نہ کاغذ ہے نہ دوات اور قلم کس طرح نامہ کروں فاطمہ صغراؑ کو رقم
سُن کے قاصد نے کہا پیٹ کے سر وائے ستم خط نہ لکھئے گا تو مر جائے گی وہ کشتۂ غم

خط ملے گا تو نہ ضائع مری محنت ہوگی
آپ کے خط کی مدینے میں زیارت ہوگی

سوچ کے شاہ نے ترکش سے لیا تیر نکال کاٹ کر پھینک دی شمشیر سے اوپر کی بھال
پھر تراشا اسے اور قط دیا خامے کی مثال کہا دوات نہیں لو ہو ہے شنجرف سے لال

خوں بھرے زخموں سے تر نوک قلم کرتے تھے
پشت پر عرضی کے حال اپنا رقم کرتے تھے

اے مری لخت جگر نور نظر راحت جاں پہونچی عرضی تری ظاہر ہوا سب راز نہاں
کس طرح تجھ کو لکھوں حال جو کچھ گذرا یہاں نہیں ممکن کہ بیاں کر سکے خامے کی زباں

نہ چچا ایک بھی جیتا مرا پیارا صغراؑ
ننھا اصغرؑ بھی گیا تیر سے مارا صغراؑ

ایک میں زخمی ہوں سو ہوں کوئی دم کا مہماں غش پہ غش آتے ہیں اور زخموں سے ہے خون رواں
سامنے خاک پہ سوتے ہیں مرے شیر جواں دیکھتا ہوں انھیں اور تن سے نکلتی ہے جاں

خط کا مضمون پڑھا سب کو سنایا میں نے
پر جواب اک کا بھی لاشے سے نہ پایا میں نے

اپنے خوں سے لکھا ناچار ترے خط کا جواب
کہا قاصد سے کہ ہو گا مجھے صغراؑ سے حجاب
زیست ہے بحر فنا میں مجھے مانند حباب
قافلہ آگے گیا میں بھی ہوں اب پا بہ رکاب
ندی گردن سے مرے خون کی جاری ہوگی
اب قیامت کو ملاقات ہماری ہوگی

لکھ چکے جب کہ وہ خط ہاتھ میں قاصد کے دیا
لے کے اس خط کو وہ آداب بجالا کے چلا
جاتے جاتے سوئے میدان جو پھر کر دیکھا
شہ کا سر آیا نظر نوک پہ برچھے کے چڑھا
پگڑی دے ماری گریبان کیا چاک اُس نے
منہ پہ فریادیوں کی شکل ملی خاک اُس نے

کہتا جاتا تھا مدینے میں میں جاؤں کیونکر
فاطمہ صغراؑ کو منہ اپنا دکھاؤں کیونکر
خط وہ مانگے گی تو اُس خط کو چھپاؤں کیونکر
خون شبیرؑ کا کاغذ سے چھڑاؤں کیوں کر
باپ کے لوہو کی جسدم اُسے بو آئیگی
خط وہ پڑھنے بھی نہ پائے گی کہ مرجائیگی

دل سے وہ کہتا ہوا پہنچا مدینے کے دیار
غل ہوا شہر میں آ پہنچا وہی ناقہ سوار
سُن کے اس شہرے کو خوش ہو گئی صغرا بیمار
ہاتھ اٹھا سوئے فلک کہنے لگی اے غفار
تندرستی کی خبر سب کی سُناوے قاصد
درد سر میں بھی کسی کے نہ بتاوے قاصد

یہ وہ کہتی تھی کہ دروازے پہ اک شور پڑا
گرتی پڑتی ہوئی دالان سے دوڑی صغراؑ
در کے درزوں سے لگی جھانکنے تو دیکھا کیا
سر پہ پگڑی نہیں قاصد کے گریباں ہے پھٹا
سامنے ڈر کے خجالت سے نہیں آتا ہے
نامہ اک ایک کو لوہو بھرا دکھلاتا ہے

صغراؑ پہچان کے قاصد کو پکاری یہاں آ
جلد کہدے مرے بابا کی خبر لایا ہے کیا
لے کے اس خط کو جو دروازے کے نزدیک گیا
ہاتھ میں خط دیا اور رو رو کے یوں کہنے لگا

مرتے دم اس شہِ دلگیر نے خط لکھا ہے
اپنے لوہو سے یہ شبیرؑ نے خط لکھا ہے

خط جوں ہی ہاتھ میں قاصد نے وہ صغراؑ کے دیا — نوچ کر زلفوں کو کہنے لگی ہے ہے بابا
ہائے سب قتل ہوئے اور رہی جیتی صغراؑ — آنکھیں پھوٹیں نہ مری باپ کا لوہو دیکھا

اب یہ خط نانا کے مرقد پہ لیے جاؤنگی
لوہو شبیرؑ کا جاکر انھیں دکھلاؤنگی

لے کے اس خط کو تو سر پیٹتی صغراؑ نکلی — سُن کے یہ مادر عباسؑ بھی روتی دوڑی
ساتھ اُس کے تھی ہر اک بی بی بنی ہاشم کی — پیچھے تھی بیبیوں کے حلقے میں صغراؑ جاتی

جو جو شبیرؑ کے مرنے کی خبر پاتے تھے
ہائے فرزند علیؑ کہتے تھے چلاتے تھے

جس گھڑی روضہء احمدؐ پہ وہ قاصد پہنچا — اور خط خون بھرا قبر پہ صغراؑ نے رکھا
بولی اے شاہِ رسلؐ آپ کا فرزند موا — مرتے دم اُس نے ہی خط اپنے لہو سے لکھا

مارا عباسؑ گیا اور علی اکبرؑ بھی گیا
دولھا قاسمؑ بھی گیا اور علی اصغرؑ بھی گیا

تم سے اس خون کی فریاد کو میں آئی ہوں — آپ کے پیارے نواسے کی خبر لائی ہوں
نانا جی میری دو اب داد میں دکھ پائی ہوں — ذبح جو پیاسا ہوا اُسکی تو میں جائی ہوں

آئی ہوں ظلم سے اُمت کی دُہائی دیتی
سب ہیں، بابا کی نہیں شکل دکھائی دیتی

یہ جو صغراؑ نے کہا گور نبیؐ کی کانپی — درو دیوار لرزتے تھے زمیں ہلتی تھی
قبر سے بھی یہ محمدؐ کے صدا آنے لگی — اے نواسے مرے کس نے تری گردن کاٹی

آج یہ بُو سے ترے خوں کے قلق ہوتا ہے
اب کوئی آن میں مرقد مرا شق ہوتا ہے

دن کو کاندھے پہ میں الفت سے چڑھاتا تھا تجھے — رات کو پیار سے چھاتی پہ سُلاتا تھا تجھے
میوے جنت سے منگا کر وہ کھلاتا تھا تجھے — آ کے گہوارے میں جبرئیل جھلاتا تھا تجھے

اپنی گردن پہ جو بیٹا تجھے بٹھلاتا تھا میں
حق کے سجدے سے بھی گردن نہ اٹھاتا تھا میں
ساری خلقت نے محمدؐ کی سنی یہ گفتار — دیکھا آنکھوں سے کہ جوں بید لرزتا ہے مزار
حشر ہو جاویگا اس خط کو اٹھا لے بیمار — کہا صغراؐ سے قیامت کے عیاں ہیں آثار
صغراؐ اُس نامے کو تربت سے اٹھا روتی تھی
کیا ترقیؔ کہے جو سینہ زنی ہوتی تھی

حواشی :

۱: سوانحات سلاطین اودھ جلد ا۔
۲: زمانہ کانپور، مقالہ نوبت رائے نظر۔ (فروری ۱۹۰۸ء)۔
۳: تذکرۂ ریاض الفردوس۔ ص ۶۱۔
۴: خوش معرکۂ زیبا۔ ص ۱۸۴۔
۵: سراپا سخن۔ ص ۲۸۔
۶: گلشن بے خار۔ ص ۵۰۔
۷: تذکرۂ نادر۔ ص ۴۶۔
۸: ریاض الفصحا۔
۹: عمدۂ منتخبہ۔
۱۰: خم خانۂ جاوید۔ جلد ۲، ص ۵۲۔
۱۱: مرثیۂ ترقیؔ (قلمی بیاض کتب خانہ ضمیر اختر نقوی)۔

حکیم مرزا محمد علی مسیحؔ لکھنوی کی مرثیہ گوئی

مرزا دبیرؔ کے ایک شاگرد

حکیم مرزا محمد علی مسیحؔ لکھنوی شاہی عہد کے مشہور طبیب تھے۔ مرزا دبیرؔ کے دوستوں میں تھے، غزل، مرثیہ و سلام کہتے تھے اور کلام پر مرزا دبیرؔ ہی سے اصلاح لیتے تھے۔

ثابت لکھنوی لکھتے ہیں :۔

"حکیم مرزا محمد علی صاحب (مرزا دبیرؔ) کے بچپن کے دوست، ساتھ کے کھیلے ہوئے اور مرثیہ و سلام پر اصلاح بھی لیتے تھے۔" (دربارِ حسین ص ۲۰۰)

ثابتؔ لکھنوی نے اُن کا تخلص نہیں بتایا اور نہ نمونہ کلام انھیں دستیاب ہوسکا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی نے اُن کے حالات میں کسی قدر اضافہ کیا ہے لیکن تخلص وہ بھی نہیں بتا سکے، لکھتے ہیں :۔

"حکیم مرزا محمد علی دورِ شاہی کے حاذق اور باکمال اطبا میں شمار ہوتے تھے۔ مرزا صاحب کے بچپن کے دوستوں میں شامل تھے۔ مرثیہ اور سلام کہتے تھے اور مرزا صاحب سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کا انتقال ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۵ء) میں ہوا۔ میر علی اوسط رشکؔ کے دیوان میں اُن کے انتقال کی تین تاریخیں درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دور کے ممتاز طبیب تھے۔ ایک قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ ان کے اقران و اماثل اُن کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے۔

بقراط زمانہ بو علی ثانی — فخر ہمہ سابق دلا حق افسوس

تاریخِ وفاتت قلم رشکؔ نوشت — "افسوس طبیب ہائے حاذق افسوس" ۱۲۶۲ھ

(دبستانِ دبیرؔ ص ۴۹۸)

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کو اُن کا کلام بھی دستیاب نہیں ہو سکا۔ حکیم مرزا محمد علی کا تخلص "خوش معرکۂ زیبا" اور "سخن شعرا" میں موجود ہے۔

سعادت خاں ناصر لکھتے ہیں :۔

"طبیب حاذق شاعر فصیح حکیم محمد علی تخلص "مسیح" برادر حکیم محمد بخش۔"

(خوش معرکۂ زیبا ص ۲۰۷)

نساخ لکھتے ہیں :۔

"حکیم محمد علی مسیح ولد حکیم ولی اللہ خاں باشندۂ لکھنؤ۔"

(سخن شعرا ص ۵۳۵)

دونوں تذکروں سے مسیح کے والد حکیم ولی اللہ خاں اور بھائی حکیم محمد بخش کا علم بھی ہوتا ہے اور غزلوں کے اشعار بھی دستیاب ہوتے ہیں۔

مسیح کی غزل کا انداز یہ ہے :۔

قتل کرتا ہے نگہ کی تیغ سے ابروئے دوست
سامری سے کم نہیں ہے نرگس جادوئے دوست

....

صدقے میں تیرے ناز کے او نازنیں بہ خیر
جان آرہی ہے لب پہ دم واپسیں بہ خیر

....

مثل آئینہ ہے دل درد سے حیراں ہے میرا
زلف میں الجھا ہے جب سے وہ پریشاں میرا

جاں مسیح آتی ترے قالب بے جاں میں وہیں
پانی جو منہ میں چواتا مرے جاناں میرا

....

نہیں اے شوخ مہندی سے یہ آب و تاب ناخن پر
ہمارے اشک کے قطرے کا ہے خوناب ناخن پر

....

"ذخیرہ ادیب" علی گڑھ یونیورسٹی میں مسیح لکھنوی کے مرثیے موجود ہیں۔ ایک مرثیے پر درج ہے "حکیم محمد علی مسیح بعہد امجد علی شاہ۔"

مرثیوں کے مطلع جات حسبِ ذیل ہیں :۔

۱۔ جب دشت ماریہ میں علمدار مر چکا (بند ۳۷)

۲۔ جب قید ہو تاریکی زنداں میں گئے سب (بند ۳۶)

۳۔ رن کو جب صاف کیا ظلم کے طوفانوں نے (بند ۶۳)

مسیح لکھنوی کے ایک مرثیے کے تین بند بطور نمونہ درج کئے جارہے ہیں :۔

جب قید ہو تاریکی زنداں میں گئے سب نیند اڑگئی آنکھوں سے سکینہؑ کی دم شب
زینبؑ نے سُلانے کو کہانی کہی جب وہ غم زدہ سر پیٹ کے یوں کہنے لگی تب
اغلب کہ یہ دل خستہ شبِ ہجر میں مرجائے
یہ راتیں نہیں وہ کہ کہانی میں گزر جائے

کیا بھاوے میرے دل کے تئیں قصہ کہانی بیعت کے گئی قِصے میں یہ بابا کی جوانی
جاں جاتی ہے اب بھوک سے، ہے تشنہ دہانی کوسوں ہے اگر ڈھونڈوں تو ممکن نہیں پانی
کانٹے پڑے جاتے ہیں میرے کام و دہن میں
ہے پیاس کی گرمی سے حرارت مرے تن میں

بابا تو میرے سوتے ہیں بے جان بہ میداں نیند آوے بھلا کس طرح سے اے پھوپھی اماں
زانو پہ تمہارے تو میرا سر ہووے اس آں اور سر میرے بابا کا رہے خون میں غلطاں
بابا کی جدائی کا قلق دل پہ ہے کیا کیا
اس سر کی زیارت کو ترستی ہوں میں دُکھیا

....

مرزا دبیر کی وفات سے تیس برس پہلے حکیم مرزا محمد علی مسیح کا انتقال ہوا، وہ مرثیہ گوئی کا جدید اور ارتقائی اُسلوب کا زمانہ نہیں دیکھ سکے، مرزا دبیر کی جوانی کے مرثیوں کی طرح مسیح کے مرثیوں میں بھی متروک الفاظ شامل ہیں۔

اس مختصر مضمون کا مقصد صرف اُن کے تخلص اور مرثیوں کی نشاندہی ہے۔

حکایت

امجد علی شاہ بادشاہِ اودھ نہایت منصف اور حق پسند بادشاہ تھے۔ حکیم مرزا محمد علی مسیح اُن بادشاہ کے خاص معالج اور بہت اچھے حکیم تھے۔ ایک دن بادشاہ کی نبض دیکھتے ہوئے کہا کل کی نسبت آج حرارت زیادہ پائی جاتی ہے شاید کچھ بدپرہیزی ہوئی ہے، امجد علی شاہ نے فرمایا کہ سچ ہے کسی قدر بے اعتدالی واقع ہوئی ہے، حکیم صاحب نے فوراً نبض سے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ میں ایسے بدپرہیز کا علاج نہیں کرتا، (امین الدولہ) امداد حسین خاں وزیر اودھ نے کہا کہ حکیم صاحب بادشاہی آداب کا لحاظ واجب ہے، حکیم صاحب نے بے تکلّف جواب دیا کہ شاید آپ کا یہ منشا ہے کہ آپ نے ملک کے انتظام میں ابتری کی ہے ویسی مجھ سے بھی بدن کی حفاظت میں خطا واقع ہو، یہ کبھی نہ ہوگا آپ ادب اور لحاظ سے گفتگو کریں، شاہِ مرحوم نے وزیر کو منع کیا اور راجہ جوالا پرشاد کی معرفت جو نہایت مردِ سلیم اور عاقل ہیں کہلوایا کہ میں نے اب توبہ کی پھر ہرگز ایسی خطا نہ ہوگی آپ معاف فرمادیں حکیم صاحب نے خوش ہو کر دعا دی اور نبض دیکھی۔

(اخلاقِ کاشی۔ حصہ اوّل ۱۸۷۰ء۔ مصنف پنڈت کاشی ناتھ، مطبع محمدی آگرہ)

شاہِ اودھ بادشاہ نصیرالدّین حیدر کی مرثیہ نگاری

اودھ کے حکمرانوں میں شجاع الدّولہ سے واجد علی شاہ تک آٹھ بادشاہ ہوئے ہیں، ان میں سے کوئی بادشاہ بھی مذہبی خلوص سے بیگانہ نہ تھا۔ سوا سو سال سے زیادہ قلیل مدت میں سلطنت کے سنہرے دور میں علوم وفنون، ادب اور مذہب کو جو ترقی اور کمال حاصل ہوا اس کی مثال صدیوں قائم رہنے والی سلطنتیں پیش نہ کر سکیں۔

بادشاہ نصیر الدّین حیدر خلف شاہ غازی الدّین حیدر کا عہد حکومت، دولت و ثروت کے اعتبار سے زرّیں عہد تھا۔ اُن کی سخاوت اور دریا دلی کی تمام ہندوستان میں شہرت تھی، اسی عہد میں لکھنؤ کی بے شمار عالی شان عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ بادشاہ نصیر الدّین حیدر کو ادب اور مذہب سے خصوصی شغف تھا، نائٹین لکھتا ہے:

"محرّم آگیا اور کامل چالیس دن تک ہم لوگ دربار سے الگ تھلگ رہے۔ کبھی کبھار دربار صبح گاہی میں اتفاقاً بادشاہ کی زیارت ہو جاتی تھی، عزاداری کی وجہ سے ناچ رنگ اور انگریزی دعوتیں یک قلم بند تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ بادشاہ نے اپنی تخت نشینی سے پیش تر منت مانی تھی کہ اگر مجھے تخت شاہی نصیب ہوگا تو میں بجائے عشرہ کے اربعین تک عزاداری کیا کروں گا، چنانچہ وہ اس عہد پر سختی سے قائم ہیں"۔ (شبابِ لکھنؤ)

بادشاہ نصیر الدّین حیدر ۲۲، جمادی الاوّل ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۱، اگست ۱۸۰۳ء بروز جمعرات پیدا ہوئے تھے، ۲۹، ربیع الاوّل ۱۲۴۳ھ مطابق ۲۰، اکتوبر ۱۸۲۷ء (روز شنبہ) سنیچر کو بادشاہ غازی الدین حیدر کی وفات کے بعد ۲۴ برس کی عمر میں سلطنت اودھ کے تخت

پر متمکن ہوئے بڑے ہی دھوم دھام سے جشن تاج پوشی ہوا اور نیا سکہ رائج کرنے کی رسم بھی ادا ہوئی۔ دس برس تک سلطنت اودھ پر حکمرانی کرنے کے بعد ۳۵ برس کی عمر میں ۳، ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۷، جولائی ۱۸۳۷ء روز جمعہ نصف شب گزرنے پر نصیر الدّین حیدر بادشاہ نے وفات پائی۔ اپنی بنوائی ہوئی نامکمل کربلا میں گومتی پار شیعہ ڈگری کالج کے متصل دفن ہیں۔

ناسخ نے تاریخ وفات کہی :

رفت شاہِ جہاں سلیماں جاہ سوئے جنت زبارگاہ اودھ

ہاتف گفت از سر افسوس با رم رفت بادشاہ اودھ

بادشاہ نصیر الدّین حیدر نہایت وجیہ و شکیل شخص تھے، رعب شاہی چہرے سے نمایاں، اعلیٰ درجے کے شہسوار، بہت اچھے پیراک اور خوشگو شاعر تھے۔ بادشاہ کا دورِ حکومت فنون لطیفہ اور فن شاعری کے نقطۂ نظر سے ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ادب کی تاریخ میں تو اس دور کو لکھنؤ کی شاہی کا نقطۂ عروج قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ ناسخ و آتش جیسے استادوں کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیل چکی تھی۔ خود بادشاہ نصیر الدّین حیدر بھی بڑے انہماک سے مذہبی شاعری کی طرف راغب تھے۔ بادشاہ نصیر الدّین حیدر تین الگ الگ تخلص جاں نثار، علی حیدر اور بادشاہ مقطعوں میں استعمال کرتے تھے۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ اُن کے مذہبی عقائد پر مبنی منظومات و قصائد، مناقب وغیرہ کا مجموعہ ۱۹۸۳ء میں لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے لیکن بادشاہ کی مرثیہ نگاری پر اب تک کسی نے توجہ نہیں دی ہے۔ بادشاہ عشرۂ محرّم میں بہت پرہیزگاری کے ساتھ وقت گزارتے تھے، اُنھیں مذہبی امور سے اس حد تک شغف تھا کہ ہر تذکرہ نگار نے اُن کی تعریف میں مذہبی لگاؤ کا ذکر کیا ہے۔

شاہ نصیر الدّین حیدر کی عزاداری کے بارے میں مولوی نجم الغنی نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے جس کی اجمالی کیفیت ذیل کے اقتباس سے ظاہر ہے :

"ہر امام کی ولادت اور شہادت کی تاریخوں میں محفلیں اور مجلسیں برپا ہوتی تھیں، بارگاہ پھولوں سے نہایت خوشنما تیار ہوتی تھی، باغات سلطانی میں جتنے خوشبودار پھول ہوتے تھے وہ اور ان کے علاوہ بازاروں سے پانچ ہزار روپیہ روز کے پھول

عشرۂ محرّم تک مول آتے تھے، اس زمانے میں خوشبودار پھول بڑے آدمیوں کو بھی مشکل سے ملتے تھے، بارگاہ کا طول سو قدم اور عرض پندرہ بیس قدم سے کم نہیں ہوتا تھا۔ کبھی طلائی، کبھی نقرئی مقیش اور ستاروں اور بادلے کی جھالریں پھولوں کی جگہ کام میں لائی جاتی تھیں، عطریات سے وہ مکان بسایا جاتا تھا، غرضیکہ ہر امام کی ولادت کی تقریب میں پہلے دن سے چھ دن تک برابر اور ہر امام کی شہادت کے موقع پر کئی روز تک اور محرّم کی پہلی تاریخ سے چہلم تک بادشاہ نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ بہ نفس نفیس وہاں کی خدمت ہزار دل وجان سے فرماتے تھے۔ محرّم کے دنوں میں مجالس میں مرثیہ خوانی ہوتی تھی اور شربت، مٹھائی و میوہ جات کی تقسیم عمل میں آتی تھی، ان مصارف میں چار پانچ لاکھ روپیہ سے کم صرف نہیں ہوتا تھا بلکہ اس سے زیادہ ہی تصور کرنا چاہیئے۔ بادشاہ محرّم کی پہلی تاریخ کو سو پچاس تعزیئے در دولت سے کربلا تک اپنے سر پر پہنچاتے تھے اور ہر مرتبہ کی آمدورفت میں کئی کوس کی زمین باپیادہ طے ہوتی تھی اور آنا جانا کنکریوں کی زمین پر برہنہ پا ہوتا، یہاں تک کہ تلوؤں میں وہ کنکریاں کانٹوں کی طرح کھٹکتی تھیں"۔

(تاریخ اودھ نجم الغنی، جلد ۴، ص ۳۹۶، ۳۹۷)

شاہ نصیر الدّین حیدر کے دور میں ہر مجلس میں مرثیہ کا پڑھا جانا ضروری تھا۔ حالانکہ مرثیہ ابتدا ہی سے اودھ میں پروان چڑھا تھا۔ اس لئے مرثیہ نگاروں کی ایک اچھی خاصی تعداد پیدا ہو گئی جو عمر بھر صرف مرثیہ ہی کہتے رہے۔ مرثیہ زمانہ قدیم میں غزلیں اور مربع کی صورت میں محدود اشعار پر مبنی ہوتا تھا اور اس قسم کے مرثیے محض رونے رلانے کی غرض سے پڑھے جاتے تھے۔ ان میں کوئی ادبی کارگیری یا شان نہیں ہوتی تھی، اس قسم کی مثالیں دکنی ادب میں بہت ملتی ہیں۔ لکھنوی شعرا نے اس کی ہیئت اور روایت میں نمایاں تبدیلیاں کیں اور سب سے پہلے اس کے مسدّس کا بہترین پیکر استعمال کیا گیا۔ چنانچہ لکھنؤ کے پرانے مرثیہ گو اور قابل ذکر شعرا مندرجہ ذیل ہیں، جن کے مرثیے مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں:

"احسانؔ، اعجازؔ، افسردہؔ، بشیرؔ، برقیؔ، حامدؔ، حیدریؔ، خادمؔ، رضاؔ، سوداؔ، شریفؔ، عالمؔ، عزاؔ، اکرمؔ، گداؔ، مقبلؔ، مذنبؔ، مشرفؔ، میرؔ، ناظمؔ، میر گھاسیؔ اور مہربانؔ۔

متذکرہ بالا ان تمام شعرا نے مسدس ہی میں مرثیے کہے ہیں اور یہ ذخیرۂ ادب راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کے بعد شاہ غازی الدّین حیدر کے عہد میں مرثیے کو اتنا عروج حاصل ہوا کہ وہ آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا، اس دور کے مرثیوں میں تنوع اور جدت پیدا ہوگئی، نیز اس کے اجزائے ترکیبی بھی ایجاد کئے گئے۔ میر خلیقؔ، میاں دلگیرؔ، میر ضمیرؔ، مرزا فصیحؔ، ذہینؔ اور عزاؔ وغیرہ نے نام پیدا کیا چنانچہ میاں دلگیرؔ کی چھ، میر ضمیرؔ کی ایک اور مرزا فصیحؔ کی دو جلدیں آج سے سو سال پہلے چھپ چکی تھیں جو اب کمیاب اور نایاب ہیں۔

شاہ نصیر الدّین حیدر کے زمانے میں جن مرثیہ نگاروں کو عروج حاصل تھا ان کا تذکرہ مرزا رجب علی بیگ سرورؔ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب فسانۂ عجائب میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

"مرثیہ گو بے نظیر، میاں دلگیرؔ، صاف باطن و نیک ضمیرؔ، خلیقؔ، فصیحؔ، مرد مسکین، مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا، اللہ کے کرم ناظمؔ خوب، دبیرؔ، مرغوبؔ، سکندر، بصورت گدا، بار احسان اہل دول کا نہ اٹھایا، عرصۂ قلیل میں سلام کا دیوان کثیر فرمایا"۔

سعادت خاں ناصرؔ لکھتے ہیں:

"شہر یار ذوی الاقتدار، ذرّہ ذرّہ اُس کی ہمت سے آفتاب، عاشق آلِ رسالت مآب، شاہ جم جاہ، نصیر الدّین حیدر تخلص بادشاہ۔ (خوش معرکہ زیبا)، غزل میں 'بادشاہ' تخلص تھا۔ (خم خانۂ جاوید، جلد دوم، ص ۴)، مناقب اور مرثیوں میں 'علی حیدر' یا صرف 'علی' تخلص کرتے تھے، اسپرنگر نے ان کے مرثیوں کا ذکر کیا ہے"۔ (اودھ کیٹلاگ، ص ۴۰۰، شمارہ ۵۹۳)

بادشاہ کی مذہبی دلچسپی نے اُن کو مرثیہ گوئی کی طرف مائل کیا ہوگا۔ اُن کے مرثیوں کا ایک نہایت خوبصورت خطاطی سے مزین مجموعہ ذخیرۂ ادیب علی گڑھ یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس مجموعہ میں بادشاہ کے مندرجہ ذیل چار مرثیے ہیں:

۱. کام جب آنے لگے یاور شہ" دلگیر کے بند ۳۸ در حال حضرت عونؑ و محمدؑ
۲. ابن شہر آشوب سے یوں ہے بیان درد و غم بند ۱۷ در حال حضرت قاسمؑ

۳. قتل جس دم ہو گئے سب اقربائے اہلبیتؑ بند ۳۷ درحال حضرت امام حسینؑ

۴. حسینؑ ابن علیؑ اے دوستو جب کربلا پہنچا بند ۳۱ درحال حضرت علی اکبرؑ

بادشاہ نصیر الدّین حیدر کے مرثیے اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ چیدہ چیدہ بند نمونے کے طور پر درج ذیل ہیں:

مرثیہ

کام جب آنے لگے یاور شہؑ دلگیر کے　　اور لگے ہونے وہ مالک خلد کی جاگیر کے
زخم کھاتے تھے جو وہ تن پر سنان و تیر کے　　صدقے ہو جاتے تھے آکر حضرت شبیرؑ کے
یہ فدا ہونے کا ہر ایک غازی کو ارمان تھا
نام پر شبیرؑ کے سو جان سے قربان تھا

راوی لکھتا ہے ہوئے جب ٹکڑے مسلمؑ کے پسر　　واسطے ان کے بہت روئے شہؑ جن و بشر
سن کے یہ احوال بیٹوں کا رقیہؑ نوحہ گر　　پھر رہی تھی خیمہ میں خوش خوش وہ اپنے بخت پر
تذکرہ خالق کے سجدے میں یہی رو رو کیا
فاطمہؑ سے سرخ رو اللہ نے مجھ کو کیا

صبر اس کا دیکھ کر کہنے لگی زینبؑ یہی　　مرحبا اس صبر پر تیرے ہے اے بنت علیؑ
اے بہن اب ہو گئی زہراؑ کے دل میں جا تیری　　راضی اب شیر خداؑ تجھ سے ہوئے اور خوش نبیؐ
ہے بڑا احسان اب تیرا شہؑ دلگیر پر
چاروں بیٹے کر دیئے تو نے فدا شبیرؑ پر

کہہ کے یہ عونؑ و محمدؑ کو بلایا اپنے پاس　　اور کہا اے لاڈلو کچھ تم کرو گے ماں کا پاس
میں لگائے بیٹھی ہوں اس وقت بس یہ تم سے آس　　جان دو خاطر سے میری دل میں مت لاؤ ہراس
ایک اکبرؑ پر فدا ہو دوسرا شبیرؑ پر
ہووے زہراؑ کا کرم تا زینبؑ دلگیر پر

اس مرثیے میں حضرت عونؑ و محمدؑ کا حال نظم کیا گیا ہے۔ مقطع میں بادشاہ نے اپنا پورا نام استعمال کیا ہے:

بس نصیر الدین حیدؔر روک لے تحریر کو
التجا اپنی سنا یہ حضرت شبیرؑ کو

دوسرا مرثیہ حضرت قاسمؑ کے حال کا ہے:

گرچہ قاسمؑ سن میں چھوٹا تھا مگر دل تھا بڑا	فوج اعدا کو جو دیکھا مستعد رن میں کھڑا
لشکر روبہ پہ جوں شیر نیستاں جا پڑا	اس قدر اس لشکر بدکیش سے ڈٹ کر لڑا
سیکڑوں کو ایک دم میں اس نے بے دم کر دیا
مارے تلواروں کے لشکر سارا برہم کر دیا

اس مرثیہ کے مقطع میں انھوں نے اپنا تخلص بادشاہ استعمال کیا ہے:

آگے اکبرؑ کی شہادت کا بیاں ہے بادشاہ
تاب تجھ میں اس کے لکھنے کی کہاں ہے بادشاہ

تیسرا مرثیہ حضرت امام حسین علیہ السّلام کے حال کا ہے:

قتل جس دم ہو گئے سب اقربائے اہلبیتؑ	تا فلک پہنچی صدائے نالہ ہائے اہلبیتؑ
جائے رقت ہے عزیزو ماجرائے اہلبیتؑ	جس گھڑی لٹنے لگا دولت سرائے اہلبیتؑ
زینبؑ و کلثومؑ بولیں بھر کے نعرہ آہ کا
خاک میں ملتا ہے گھر سبطِ رسول اللہؐ کا

کوئی کہتی تھی کہ یا شاہ نجف عالی مقام	بیکسی کے وقت میں سب کے تمہیں آتے ہو کام
دو جہاں کی آپ پر مشکل کشائی ہے تمام	آج ہم بے وارثوں پر ہے ستم کا اژدھام
آج مظلوموں کی از بہر خدا سن لیجئے
یا علیؑ مشکل کشاؑ مشکل کشائی کیجئے

کوئی کہتی تھی کہ اماں فاطمہؑ تم ہو کہاں	اپنے پیارے کی خبر لو ہے پڑا لوہو لہاں
گھر تمھارا لوٹتی ہے آج فوجِ شامیاں	سر کھلے بلوے میں دیکھو اپنی بہوویں بیٹیاں
کی تمھارے نام کی یہ پاسداری ہائے ہائے
رات کی بیاہی دولہن کی نتھ اُتاری ہائے ہائے

اس مرثیے میں بادشاہ نصیر الدّین حیدر نے اپنا تخلص "بادشہ" استعمال کیا ہے :

بادشہ آگے بیاں جانے کا ان کے کیا کرے
ہے یہ بہتر شاہ کے غم میں سدا رویا کرے

بادشاہ کا چوتھا مرثیہ حضرت علی اکبرؑ کے حال کا ہے :

حسینؑ ابن علیؑ اے دوستوں جب کربلا پہنچا   جدا ہو جد کے روضے سے بلا کے بن میں جا پہنچا
پہنچتے ہی وہاں اس کو یہ حکم کبریا پہنچا   کہ اے شبیرؑ تو آگے نہ جا منزل پہ آ پہنچا
ستم کی تیغ سے تجھ کو یہاں گردن کٹانی ہے
وفا کر اپنے وعدے پر یہ وقت جانفشانی ہے

پیام حق کو سنتے ہی وہ ابن شیر یزدانی   لگا کہنے یہی بہتر جو ہو مرضیٔ سبحانی
کریں ظلم و ستم کی اشقیا گر مجھ پہ طغیانی   میری اولاد پر گو بند رکھیں دانہ اور پانی
خدا کی راہ سے ہرگز نہ میں منھ کو پھراؤں گا
سعادت جان کر سجدے میں اپنا سر کٹاؤں گا

یہ کہہ کر شاہ غازی نے وہیں تازی کو ٹھہرایا   رفیقوں اور عزیزوں کو پھر اپنے پاس بلوایا
زبان حال سے اُن سب کو یوں رو رو کے فرمایا   میرے حق میں پیام رب عزت اس طرح آیا
اسی جا خنجر فولاد سے گردن کٹا دے تو
وفا وعدے پہ کر نانا کی اُمت بخشوا دے تو

بادشاہ نصیر الدّین حیدر سلام بھی خوب کہتے تھے۔ حضرت امام حسن علیہ السّلام کی شہادت کے حال کا یہ سلام "بزم ماتم" سلاموں کے مجموعہ میں موجود ہے :

سلام

جب زہر سے شہید امام حسنؑ ہوئے   بھائی کے غم سے مجرئی شہ نعرہ زن ہوئے
شبیرؑ رو رو کہتے تھے زینبؑ سے کیا کہیں (ق)   تنہا حسنؑ کے مرنے سے ہم اے بہن ہوئے
اپنی کمر تو خم ہوئی مرنے سے بھائی کے   دل پر ہمارے بھاری یہ رنج و محن ہوئے
بھائی کے آج مرنے سے ہم کو یقیں ہوا   بیکس ہوئے غریب ہوئے بے وطن ہوئے

جد و پدر کا ماں کا بھی بھولا نہ تھا یہ غم
غم میں حسنؑ کے اور بھی ہم خستہ تن ہوئے

بے جاں حسنؑ امام کے ہونے سے وادریغ
گھر دونوں شاہزادوں کے بیت الحزن ہوئے

نہلا چکے حسینؑ جو بھائی کی لاش کو
جبرئیل لے کے خلد سے نازل کفن ہوئے

مرنے سے ہائے باپ کے اس وقت کیا کہوں
غش ایک سمت قاسمؑ گل پیرہن ہوئے

تابوت پر حسنؑ کے غرض پیٹے اس قدر
تھے ہائے اہلبیتؑ کے نیلے بدن ہوئے

بھائی کے منھ سے منھ کو ملا کر کہوں میں کیا
بیہوش رو رو سبط رسولؐ زمن ہوئے

تابوت لے حسنؑ کا چلے جب حسینؑ آہ
تب ساتھ اُن کے پیٹتے سب مرد وزن ہوئے

اے بادشاہ فضل خدا سے ہزار شکر
دونوں جہاں میں حامی ترے پنجتنؑ ہوئے

حواشی

۱. خوش معرکہء زیبا
۲. اودھ کیٹلاگ
۳. خم خانہء جاوید، جلد دوم
۴. شباب لکھنؤ
۵. قلمی بیاض مراثی ذخیرۂ ادیبؔ علی گڑھ یونیورسٹی
۶. قلمی بیاض مراثی، کتب خانہء ضمیر اختر نقوی
۷. بزم ماتم، کتب خانہء ضمیر اختر نقوی

شوکتؔ لکھنوی

کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ اور سلام

مرزا علی شوکت نام تھا، شوکتؔ تخلص،

قاسم، ذکاؔ، سرورؔ اور اسپر نگر نے لکھا ہے کہ مرزا مغل سبقتؔ کے چھوٹے بھائی تھے اور قلندر بخش جرأتؔ کے شاگرد تھے، اور انھیں ساکن لکھنؤ لکھا ہے، ذکاؔ کا کہنا ہے کہ ایک مختصر دیوان تصنیف کیا تھا۔ سرورؔ کا کہنا ہے کہ ان کا کلام بہت دل چسپ ہوتا ہے۔ عمدۂ منتخبہ میں ان کا نام نہیں بتایا گیا لیکن مجموعۂ نغز میں ان کا نام 'علی شوکت' لکھا گیا ہے۔ (عمدۂ منتخبہ، مجموعۂ نغز، یادگار شعرا، تذکرۂ ذکاؔ)

جرأتؔ چونکہ مرثیے بھی کہتے تھے امکان یہی ہے کہ غزل اور مرثیے دونوں میں شوکتؔ جرأتؔ کے شاگرد تھے۔ ان کا عہد میر ضمیرؔ، میر خلیقؔ، مرزا فصیحؔ اور دلگیرؔ کا عہد ہے، ان کے مرثیے کی زبان بہت صاف اور سادہ ہے، سلاست نمایاں ہے، ایک جگہ لفظ "ٹک" کا استعمال ان کی قدامت کو ظاہر کرتا ہے۔ شوکتؔ لکھنوی کے دو مرثیے ذخیرۂ مسعود حسن ادیبؔ علی گڑھ میں موجود ہیں ایک مرثیے پر ۱۲۰۰ھ کی تاریخ درج ہے دونوں مرثیوں کے مطلع مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ حسینؑ عازم دار القرار ہوتا ہے (بند ۳۲ ایک نسخے میں ۲۹ بند ہیں) مجتث

۲۔ پشت زیں سے جوز میں پر شہہ دلگیر گرے (بند ۳۹) نسخہ ۱۲۰۰ھ رمل

شوکتؔ لکھنوی کا تیسرا مرثیہ ہمارے ذخیرۂ مراثی میں موجود ہے، جس کا مطلع ہے۔

۳۔ تنہا رہے جب شاہ امم دشت بلا میں (بند ۵۲) ہزج

ہمارے ذخیرۂ مراثی و سلام میں شوکتؔ لکھنوی کا ایک سلام بھی موجود ہے:۔

سلام

مجرئی شمر ستم گار نے لاکر پانی
خاک پر پھینک دیا شہہؑ کو دکھا کر پانی

کہا سرورؑ نے محمدؐ کا نواسا ہوں میں
ذبح کر مجھ کو تو اے شمر پلا کر پانی

آئی عباسؑ کو جب پیاس سکینہؑ کی یاد
پیا دریا سے نہ چلو میں اٹھا کر پانی

پانی پینے میں جو عابدؑ کو پدر آیا یاد
خاک پر پھینک دیا منہ سے لگا کر پانی

پیاس سے جب ہوئے بیتاب تو اکبرؑ نے کہا
حوضِ کوثر ہی سے اب پیوینگے جا کر پانی

پیاس میں دیتے تھے عابدؑ کو لعیں پانی گرم
جیسے بیمار کو دیتے ہیں بجھا کر پانی

کہا شہہؑ نے نہ مجھے ذبح پیاسا کر شمر
ذبح حیواں کو بھی کرتے ہیں پلا کر پانی

نہ ملا پانی جو اصغرؑ کو تو بانوؑ نے کہا
لا دو یا شاہ کہیں سے مجھے جا کر پانی

کہتی تھی رو رو سکینہؑ کہ ہوئے ناحق قتل
سخت پچھتائی میں عموؑ سے منگا کر پانی

رو کے بانوؑ نے کہا مرتا ہے اصغرؑ پیاسا
یا علیؑ پوتے کو دو تم یہاں آ کر پانی

دیں گے پانی مجھے محشر میں امیرِ کوثر
نام پر شاہ کے شوکتؔ تو دیا کر پانی

مرثیہ

۱

تنہا رہے جب شاہِ امم دشتِ بلا میں
باقی نہ رہا کوئی عزیز و رفقا میں

طاقت نہ تھی مطلق تنِ شاہِ شہدا میں
میداں میں اکیلے تھے کھڑے یادِ خدا میں

لاشوں کو شہہ جن و بشر دیکھ رہے تھے
حسرت سے ادھر اور اُدھر دیکھ رہے تھے

۲

سینے میں تڑپتا تھا الم سے دلِ مضطر
میداں میں دم سرد کھڑے بھرتے تھے سرورؑ

ہاتھوں کو اٹھا کر کبھی رکھتے تھے جگر پر
کہتے تھے یہ اعدا سے کبھی سبطِ پیمبر

فرزندِ محمدؐ کی کوئی داد کو پہنچے
ہے کوئی جو اس دم مری فریاد کو پہنچے

تم لوگوں میں کیا کوئی نہیں میرا شناسا ۔۔۔ واللہ میں ہوں احمدؐ مرسل کا نواسا
اے ظالموں چوبیس پہر سے ہوں میں پیاسا ۔۔۔ گر امّت احمدؐ ہو تو دو پانی ذرا سا ۳

رحم آتا نہیں کیسے مسلمان ہو یارو
کس طرح کے تم صاحبِ ایمان ہو یارو

اب مونس و غم خوار ہمارا نہیں کوئی ۔۔۔ اس وقت مددگار ہمارا نہیں کوئی
تنہا رہے اب یار ہمارا نہیں کوئی ۔۔۔ جز مرگ خریدار ہمارا نہیں کوئی ۴

ناموس ہیں ہمراہ غریب الوطنی ہے
اس دشت مصیبت میں عجب آن بنی ہے

تھی پیاس زبس بادشہہ ہر دو جہاں کو ۔۔۔ تر کر رہے تھے یاد الٰہی سے دہاں کو
صدمہ جو عطش کا تھا چباتے تھے زباں کو ۔۔۔ دیتا تھا نہ پانی کوئی اُس سروِ رواں کو ۵

فرماتے تھے مونس نہیں غم خوار نہیں ہے
جز ذات خدا کوئی مددگار نہیں ہے

اے قوم نہیں جانتے تم مرتبہ میرا ۔۔۔ فرزند ہوں میں دخترِ محبوبؐ خدا کا
واللہ ہمارے تھے نبیؐ عاشق و شیدا ۔۔۔ ہم دونو کے حق میں یہ کہا کرتے تھے نانا ۶

یہ دونو جواں سروِ گلستانِ جناں ہیں
پیارے ہیں مرے اور مری جسم کی جاں ہیں

یہ پوچھتا ہوں تم سے میں اے قومِ ستم گر ۔۔۔ بتلاؤ مجھے کس کی ہے ماں بنتِ پیمبرؐ
نانا ہے نبیؐ کس کا، پدر کس کا ہے حیدرؓ ۔۔۔ اور ہے حسنؑ سبز قبا کس کا برادر ۷

کامل کیا بابا نے مرے دینِ نبیؐ کو
طاقت رہی حیدرؓ سے رسولِؐ عربی کو

کیا ظلم ہے اے ظالموں حیرت کی یہ جا ہے ۔۔۔ دو روز سے ہے تشنہ دہن دلبرِ زہراؑ
قبضے میں تصرّف میں ہے تم لوگوں کے دریا ۔۔۔ پانی کو ترستا ہے محمدؐ کا نواسا ۸

رحم آتا نہیں تم میں سے اب دل میں کسی کے
کرتے ہو عبث قتل نواسے کو نبیؐ کے

۹

دو اتنی اجازت مجھے اے قومِ ستم گر
جائے لبِ دریا خلفِ ساقیٔ کوثر
اک تھوڑے سے پانی سے لبِ خشک کرے تر
گرمی سے جگر جل رہا ہے صورتِ اخگر
دن حشر کے پانی تمہیں کوثر سے ملے گا
اس اجر کا بدلا تمہیں حیدرؑ سے ملے گا

۱۰

پیاس اپنی اگر سنگ سے کہتے شہہِ صفدر
صدمے سے یقیں ہے کہ پگھل جاتا وہ پتھر
حضرت سے وہ ملعون یہ کہنے لگے ہنس کر
ہم جانتے ہیں آپ ہیں دلبندِ پیمبرؐ
بے بیعتِ حاکم نہ مفر پاؤ گے شبیرؑ
بن پانی تڑپ کر یوں ہی مر جاؤ گے شبیرؑ

۱۱

عقبہ جو تھا اس فوج میں اک ظالمِ بے پیر
مارا شہہِ والا کو ستم گار نے اِک تیر
زخمی ہوئی اُس تیر سے پیشانیٔ شبیرؑ
آلودہ ہوئی خون سے سب شاہ کی تصویر
پیشانی کو شہہ پوچھتے جاتے تھے عبا سے
کرتے تھے دعا اُمّتِ عاصی کی خدا سے

۱۲

اس طرح رقم کرتا ہے اب راویٔ پُر غم
زخمی ہوئے جب خوب شہنشاہِ دو عالم
غش طاری ہوا جسم کی طاقت جو ہوئی کم
گھوڑے سے گرے خاک پہ جب سیّدِ اکرم
شمر آیا تھا بالینِ شہہ عرش نشیں پر
وہ قصد کیا جس سے گرے عرش زمیں پر

۱۳

ایذا تھی بہت پیاس سے شاہِ دو سرا پر
مصروف تھے پر سیّدِ ذیجا دعا پر
کی شہہ نے نظر اس گھڑی اس اہلِ جفا پر
فرمایا کہ اے شمر میں راضی ہوں رضا پر
تو شوق سے خنجر مرے گردن پہ پھرا دے
پر پانی بھی تھوڑا سا دمِ ذبح پلا دے

۱۴

بس کہنے لگا طعن سے یوں شمرِ بد اختر
شبیرؑ پدر آپ کے ہیں ساقیٔ کوثر
دکھلاتے نہیں معجزہ اب آن کے حیدرؑ
تب جانوں کہ آفت سے بچاویں تمہیں آکر
ہر شخص کی کرنے کو کمک جاتے ہیں حیدرؑ
بیٹے کی کمک کو نہیں یاں آتے ہیں حیدرؑ

شبیرؑ ہو تم حیدرِ کرّار کے جانی ۱۵ تم بھی تو کرو معجزہ کچھ حیدرِ ثانی
کوثر سے منگا کر نہیں کیوں پیتے ہو پانی تم اپنی بجھا لیتے نہیں تشنہ دہانی
کچھ ہو تمہیں اک بوند نہ پانی کی ملے گی
اب تو دمِ خنجر سے فقط پیاس بجھے گی

تقریر یہ حضرت سے کھڑا شمر تھا کرتا ۱۶ میداں میں غبار ایک طرف کو نظر آیا
جس وقت غبار آن کے نزدیک وہ پہنچا یک مرتبہ دو شخص ہوئے اس میں سے پیدا
اُن دونو کو دیکھا تو عجب اُن کی تھی صورت
سب کانپ گئے ایسی ہیبت ایسی تھی صورت

دیکھ اُن کی طرف کانپ اٹھا شمرِ ستم گر ۱۷ دہشت میں گری ہاتھ سے تلوار زمیں پر
تھرّا گیا خوف سے بھاگا سوئے لشکر کہتا تھا کہ یہ کون ہیں اے خالقِ اکبر
وہ دونو جواں روبرو حضرت کے کھڑے تھے
دو جام بھرے پانی کے ہاتھوں پہ دھرے تھے

دونو کو نظر آئی جو سرورؑ کی یہ حالت ۱۸ صدمہ جو ہوا دل پہ تو طاری ہوئی رقّت
کی عرض کہ ہم دونو فدا آپ پہ حضرت ہے پیاس سے حضرت کو نہایت ہی اذیت
منظور نظر نذر یہ اب لیجئے مولا
ہم پانی جو لائے ہیں اُسے پیجئے مولا

اور اب غلاموں کو اگر اذنِ وغا دیں ۱۹ کفاروں کو ہم صفحۂ ہستی سے مٹا دیں
دعویٰ جو غلامی ہے حضرت کو دکھا دیں ہو حکم جسے پانی اُسے لا کے پلا دیں
حاجت یہ ہماری ہے روا کیجئے شبیرؑ
بندوں کو بھی اب اذنِ وغا دیجئے شبیرؑ

جب شہؑ سے کہا دونو نے با نالۂ جانکاہ ۲۰ شہ معجزے سے حال سے اُن کے ہوئے آگاہ
تھے زخموں سے اور پیاس سے بے حال بہت شاہ اُن دونوں سے فرمانے لگے سیدِ ذیجاہ
اس وقت کمک کو مری تم آئے ہو بھائی
پانی مرے پینے کے لئے لائے ہو بھائی

اے بھائیو میں ساقیِ کوثر کا ہوں جانی ۲۱ یہ سمجھو نہ تم دشت میں نایاب ہے پانی
لیکن مجھے منظور نہیں پیاس بجھانی ہر چند ہے اس وقت بہت تشنہ دہانی
گو پانی مرے پاس یہاں آج نہیں ہے
شبیرؑ مگر پانی کا محتاج نہیں ہے

فوراً قدم پاک زمیں پر وہیں رگڑا ۲۲ فرما چکے ان دونو سے جب یہ شہہِ والا
زیرِ قدم اک چشمۂ کوثر ہوا پیدا یہ پائے مبارک سے ہوا معجزہ اُس جا
یخ سردی میں شیریں وہ اصل سے بھی سوا تھا
تاثیر میں پوچھو تو یہ از آبِ بقا تھا

ملعون نے یہ معجزۂ شاہ جو دیکھا ۲۳ سب حال کھڑا شمرِ لعیں دیکھ رہا تھا
سرورؑ نہیں محتاج کسی چیز کے اصلا ہو کر متحیر یہ کہا جی میں کہ حقا
قدرت ہے ہر اک شئے پہ نواسے کو نبیؐ کے
مالک ہیں یہ سب کارِ جنابِ احدی کے

اس بندہ شائستہ کا کرتا ہوں جدا سر ۲۴ پر اپنی یہ شامت ہے کہ بحرِ طمع زر
کس جرم پہ مارا اسے اے شمرِ بد اختر فرمائیں گے جس وقت کہ مجھ سے یہ پیمبرؐ
حیران ہوں کیا اس کا جواب ان کو میں دوں گا
جس وقت کہ پوچھے گا خدا کیا میں کہوں گا

دو شخص وہ آئے جو تھے پیشِ شہہِ والا ۲۵ مقتل میں ابی مخنف راوی نے لکھا ہے
شبیرؑ کے سو جان سے تھے عاشق و شیدا جنّات تھے دل الفتِ حیدرؑ سے بھرا تھا
تھامے قدم سیدِّ ذیجاہ تھے دونو
پی لیجئے یہ مصر آہ تھے دونو

جو حقِ محبت تھا ادا تم نے کیا آہ ۲۶ اُن دونو سے فرماتے تھے یہ سیدِّ ذیجاہ
تم دونو مرے عاشقِ صادق ہو ہوا خواہ اس اجر کا بدلا تمہیں دے بھائیو اللہ
شبیرؑ نہ بھولے گا یہ احسان تمہارا
احسان نبیؐ پر ہے بنی جان تمہارا

اس وقت ہوئے تم جو شریک آن کے میرے — احساں جو کیا اس کا تمہیں اجر خدا دے
۲۷
تم دونو میں سر کٹتے نہ میرا کوئی دیکھے — بہتر ہے یہ اے صاحبو تم جاؤ یہاں سے

آ پہنچا ہے اب وقت شہادت کا ہماری
محشر کو مزا پاؤگے الفت کا ہماری

ناچار ہوئے سیدؑ ذیجاہ سے رخصت — یہ سن کے سخن دونو وہ جن روئے بہ شدّت
۲۸
ٹک غور کرو شمرِ ستم گر کی شقاوت — مصروف ہوئے طاعت اللہ میں حضرت

خنجر لئے نزدیک شہہ بحر و بر آیا
کتا ہوا قتلِ شہہ دیں پر کمر آیا

مجروح کروں احمدؐ مرسل کے جگر کو — چاہا کہ کروں قتل شہہ جن و بشر کو
۲۹
ویران کروں مخدومۂ کونین کے گھر کو — توڑوں ستم و جور سے حیدرؓ کی کمر کو

پھر دل کے کروں سیدّ ذیجاہ کے ٹکڑے
کر ڈالوں میں تیغوں سے تنِ شاہؑ کے ٹکڑے

خنجر لئے جلاد چڑھا سینۂ شہہؑ پر — ٹھرا چکا جب دل میں یہ اپنے وہ ستم گر
۳۰
کہتی تھیں کہ فریاد ہے اے خالقِ اکبر — سب بیبیاں خیمے سے نکل آئیں کھُلے سر

بے وارثی اب ہوتی ہے اولادِ علیؑ کی
فریاد خدا کی ہے دہائی ہے نبیؐ کی

آلودہ تھا منہ خاک سے سر کے تھے کھُلے بال — زینبؑ کا تو اس وقت عجب طرح کا تھا حال
۳۱
کہتی تھی مٹا جاتا ہے ہم لوگوں کا اقبال — منہ پیٹا تھا اس درجہ کہ رخسار تھے سب لال

قتلِ شہہ والا مجھے خالق نہ دکھانا
شبیرؑ سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھانا

کیا قہر یہ کرتا ہے نہ رکھ حلق پہ خنجر — یوں شمر سے کہتی تھی زینبؑ کہ ستم گر
۳۲
اس ظلم سے افلاک نہ جھک آئیں زمیں پر — بے جرم نہ کر تن سے جدا اب سرِ سرورؑ

آجائے قیامت نہ کہیں خوف بڑا ہے
اس وقت لعیں عرش خدا کانپ رہا* ہے

زینبؑ نے بہت پیٹ کے سر شور مچایا　　اس ظالمِ بے دیں کی نہ کچھ دھیان میں آیا
حلقِ شہہؑ ذیجاہ پہ خنجر کو پھرایا　۳۳　بالائے زمیں عرشِ الٰہی کو گرایا
منہ زینبِؑ مجروح جگر پیٹ رہی تھی
پہلو میں کھڑی فاطمہؑ سر پیٹ رہی تھی

زلفوں کو پکڑ شمر نے اس سر کو اٹھایا　　پُر خوں سرِ شہہؑ زینبِؑ مضطر کو دکھایا
زینبؑ کو جو اس طرح سرِ شہہؑ نظر آیا　۳۴　سر پیٹ کے اُس غم زدی نے شور مچایا
اس طرح سے پیٹا تھا ستم دیدہ نے سر کو
غش آگیا تھا زینبِؑ مجروح جگر کو

لپٹی تنِ شبیرؑ سے یکبار سکینہؑ　　سر پیٹتی تھی اپنا دل افگار سکینہؑ
کہتی تھی یہ اُس لاشے پہ ہر بار سکینہؑ　۳۵　قربان گئی سیدِؑ ابرار سکینہؑ
اس صفحۂ ہستی سے اٹھا لیجئے مجھ کو
پاس اپنے میں قربان بلا لیجئے مجھ کو

اس جسم مطہر کے تمہارے گئی واری　　سب خوں میں بھری چاند سی تصویر تمہاری
اے بابا بُری ہو گئی تقدیر ہماری　۳۶　ان آنکھوں سے خوں دیکھا تنِ پاک سے جاری
سر آپ کا گردن سے جدا ہو گیا کٹ کر
اب کون سی چھاتی سے میں سوؤنگی لپٹ کر

تھی زینبِؑ مضطر جو یداللہ کی جائی　　سر پیٹ کے دیتی تھی محمدؐ کی دُہائی
کہتی تھی کہ مارا گیا ہے ہے مرا بھائی　۳۷　شبیرؑ موئے اور مجھے موت نہ آئی
تلوار اٹھا کر کوئی مارو مجھے لوگو
اس لاش پہ اب صدقے اُتارو مجھے لوگو

غربت پہ بہن آپ کی شبیرؑ ہو صدقے　　اس لاشۂ مجروح کے ہمشیر ہو صدقے
اس صبر و رضا پر سے یہ دلگیر ہو صدقے　۳۸　مانجائی نہ کیوں تابعِ تقدیر ہو صدقے
سر کو رہِ خالق میں کٹایا مرے بھائی
اُمت کو جہنم سے بچایا مرے بھائی

کیا صادق الاقرار تھے تم اے شہہ خوش خو ۔ جو وعدۂ طفلی تھا وفا کر دیا اس کو
ہم بیکسوں کے حق میں بھی فرمایئے کچھ تو ۔ بے سر ہو تو صدقے گئی اعجاز سے بولو ۳۹
بجز ذاتِ خدا کوئی سہارا نہ رہا اب
تم مارے گئے کوئی ہمارا نہ رہا اب

اک عابدؑ مضطر ہے سو بیمار پڑا ہے ۔ وہ خستہ جگر راہِ عدم دیکھ رہا ہے
بچ جائے توقع یہ نہیں ہم کو ذرا ہے ۔ مر جانے کا حضرت کے الم اس کو بڑا ہے ۴۰
بیماریٔ غم آپ کو جو کھائے گا عابدؑ
یا صبح کو یا شام کو مر جائے گا عابدؑ

آئی تنِ بے سر سے صدا زینبِؑ خوش خو ۔ وہ بات کرو جس میں رضائے احدی ہو
بس سلسلۂ صبر کو اب ہاتھ سے مت دو ۔ ہر حال میں تم رکھو رضا مند خدا کو ۴۱
بھائی نہیں مل جائے گا اس رونے سے زینبؑ
کیا فائدہ اب اشکوں سے منہ دھونے سے زینبؑ

دیتا ہوں قسم تم کو ردا اوڑھ لو سر پر ۔ گودی میں سکینہؑ کو اٹھا لو مری خواہر
میدان سے بس جاؤ تم اب خیمے کے اندر ۔ اب وارثی ان بیوؤں کی ہے تم پہ مقرر ۴۲
جس طرح سے وارث تھا میں مظلوم تمہارا
وارث ہے بس اب عابدِ مغموم تمہارا

غم عابدؑ مضطر کے نہ مرجانے کا کھانا ۔ اس کو تو بڑے راہ کے صدمے ہیں اٹھانا
چالیس برس تک ہے ابھی اشک بہانا ۔ اور روبرو حاکم کے ہے دربار میں جانا ۴۳
اعدا جو ستاویں تو دُعا دیجیو زینبؑ
سجادؑ کے کہنے پہ عمل کیجیو زینبؑ

زینبؑ جو سکینہؑ ہے مری لاڈلی دلدار ۔ ہر حال میں تم اس سے ذرا رہیو خبردار
چھاتی پہ میری طرح سلانا مری غم خوار ۔ جب یاد کرے مجھ کو تو تم کرنا اُسے پیار ۴۴
فرقت میں مری غم زدی وہ رونے نہ پاوے
ایذا کسی صورت کی اُسے ہونے نہ پاوے

۴۵

سجادؑ سے کہنا مرے بیمار مسافر — اللہ ہے اس لشکرِ غم میں مرا ناصر
لازم ہے کہ ہر وقت رہو صابر و شاکر — اب تو ہو تمہیں قبرِ محمدؐ کے مجاور
پیش آویں جو صدمے پہ خوشی اُن کو اٹھانا
کی ہے جو وصیت تم اُسے بھول نہ جانا

۴۶

زینبؑ نے سنی لاشۂ شہہؑ سے جو یہ تقریر — سر پیٹ کے بس رونے لگی خواہرِ شبیرؑ
کہنے لگی قربان ہو یہ بیکس و دلگیر — حکم آپ کا آنکھوں سے بجا لائے گی ہمشیر
جو کچھ ہے مقدر میں وہ دُکھ درد بھروں گی
حضرت کی قسم ہے کہ نہ اُف کروں گی

۴۷

فرمایا یہ پھر سبھوں سے خیمے میں آؤ — اب حرف زباں پر کوئی شکوے کا نہ لاؤ
مارے گئے شبیرؑ بس اب خاک اُڑاؤ — خیمے میں چلو اور صفِ ماتم کو بچھاؤ
جو حکم ہے بھائی کا بجا لائے گی زینبؑ
جس طرح بنے گا تمہیں لے جائے گی زینبؑ

۴۸

اس طرح سے اس وقت حرم رو کے پکارے — سب بیکس و مظلوم یہ طابع ہیں تمہارے
زینبؑ کے قریں جمع ہوئے لوگ وہ سارے — راہی ہوئے خیمے کی طرف ظلم کے مارے
داخل ہوئے خیمے میں تو اک حشر بپا تھا
سجادؑ حزیں خاک پہ بیہوش پڑا تھا

۴۹

بانوؑ نے کہا جا کے یہ عابدؑ سے میں واری — اٹھو کہ گئی خلد کو سرورؑ کی سواری
بن بھائی کی کہلائی پھوپھی جان تمہاری — اب وارثی تم اٹھ کے کرو لال ہماری
ایسا نہ ہو خیمے میں چلے آئیں ستم گر
باقرؑ کو پئے قتل نہ لے جائیں ستم گر

۵۰

بیمار اٹھا سنتے ہی یہ بسترِ غم سے — اشک آنکھوں سے جاری ہوئے بابا کے الم سے
سر پیٹ کے فرمانے لگے اہلِ حرم سے — قسمت نے چھڑایا ہمیں بابا کے قدم سے
کیا قابلِ زنجیرِ گراں بار ہمیں تھے
اس غم کے اٹھانے کے سزاوار ہمیں تھے

فرما کے یہ سجادؑ نے نعرے کئی مارے اور نام پدر لے کے کئی بار پکارے
تم تشنہ دہن ظلم سے ہے ہے گئے مارے قربان پسر لاشۂ بے سر کے تمہارے
بہتر ہے اجل آئے جو اس رنج و قلق میں
ہے جینے سے مرجانا ہی بہتر مرے حق میں ۴۶

سجادؑ حزیں کر رہے تھے غم کی یہ تقریر در آئے جو اس خیمۂ عصمت میں وہ بے پیر
چلاتی تھیں سب بیبیاں یا حضرتِ شبیرؑ سر پیٹ کے روتی تھی ہر اک بیکس و دلگیر
ہر ایک لعیں خیمے میں زر ڈھونڈ رہا تھا
شوکت حرمِ پاک میں اک حشر بپا تھا ۴۷

مرزا بندہ حسن طاؔہر لکھنوی کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ اور سلام

یہ فتح پور ہنسوا کے رہنے والے تھے مگر لکھنؤ آگئے تھے۔ لکھنؤ کو اپنا وطن بنالیا تھا، دیوانِ غریب (تذکرۂ نادر)، سراپا سخن، خوش معرکۂ زیبا میں انہیں نواب عاشور علی خاں کا شاگرد لکھا گیا ہے۔ لیکن مہدی حسن خاں رفعتؔ لکھنوی کے دیوان موسومہ حدیقۂ بے نظیر (۱۲۹۹ھ) ۱۸۸۱ء کی طباعت پر جو قطعہ تاریخ طاہؔر نے لکھا تھا اس کے عنوان میں ان کو مصحفیؔ اور عاشور علی خاں دونوں کا شاگرد لکھا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طاہؔر نے عاشور علی خاں سے قبل مصحفیؔ سے اصلاح لی تھی۔

ماہِ ذی الحجہ میں جب دیوان رفعتؔ کا چھپا — فکر کی تاریخ کی طاہر نے تب باز یب و زین
بولا ہاتف جلد لے ان چار حرفوں کے عدد — لکھ کے اول میں الف بعد اسکے لکھ ے، قاف غین

"سخن شعرأ" میں نساخ نے ان کا نام مرزا بندہ حسین غلط لکھا ہے۔ سعادت خاں ناصرؔ نے لکھا ہے :-

"طاہر، مرزا بندہ حسن، فن شعر سے آگاہ اور ماہر، مرزا بندہ حسن تخلص طاہر، وقت کا اپنے طاہر وحید، عاشور علی خاں کا شاگردِ رشید"۔ (خوش معرکۂ زیبا صفحہ ۱۲۷)

سال ہا سال سے ہے بادیہ پیما طاہؔر
ایک مُدّت سے نہیں دیکھی ہے گھر کی صورت

ہمارے ذخیرۂ مراثی میں اُن کا ایک عمدہ مرثیہ ہے، بیت میں ہندی دوہے کا استعمال کیا گیا ہے۔ مرثیہ ہزج مسدّس مقصور محذوف میں ہے لیکن بیت دوہے کی بحر میں الگ ہے۔

مرثیہ

مطلع

ہوئے راہی جو سوئے شام عابدؑ غریب و بیکس و ناکام عابدؑ

یہ کہتے جاتے تھے ہر گام عابدؑ اُٹھائے کس طرح آرام عابدؑ

رکت جووت ہے تروَن سے پڑت جات ہیں گھاوٗ

چھٹتی رات کے لکھن کا کون بھلا اوٗ پاوٗ

مقطع

عبث ہے تجھ کو طاہرؔ خوفِ محشر بھرا ہے دل میں تیرے عشقِ حیدرؑ

خدا دے گا تجھے فردوس میں گھر وہ راحم ہے وہی ہے بندہ پرور

رہنے کا ئے کُٹھ میں مورا کردیو ٹھاؤں

لے کر مالا جپتا رہوں پر میسر کا ناؤں

طاہر کا ایک غیر مطبوعہ سلام

روغم میں شہہ کے مجرئی غم خوار زور سے دریا بہادے اشکوں کا یکبار زور سے

قاسمؑ کے سر کا سہرا گرا کٹ کے خاک پر ظالم نے ماری اس پہ جو تلوار زور سے

غل ہے کہ چوبِ سخت سے محمل کی دم بدم روتی ہے اپنے سر کو بنتی مار زور سے

بانوؑ نے اس سے رو رو کہا ہائے مری جان ٹکرا نہ سر کو اپنے تو ہر بار زور سے

ڈرتی ہوں میں کہ مارے نہ ظالم تجھے کوئی خاموش ہو نہ رو مری دلدار زور سے

بازو کٹے پہ دانتوں سے تسمے کو مشک کے تھامے رہا بہ زور علمدار زور سے

بارانِ تیر اس تنِ تنہا پہ ہے غضب برساتا تھا یہ لشکرِ کفار زور سے

سینہ بھی اور مشک بھی غربال ہو گئی برسے ہوئے تھے تیرِ ستم بار زور سے

اکبر علیؑ کہے تھا کرو غور یا علیؑ لگتا تھا جب کہ تن پہ کوئی وار زور سے

فوّارہ خوں کا چھوٹا جو اکبرؑ کے سینے سے جس دم سنان و نیزہ ہوئی پار زور سے

اصغرؑ کے حلق میں جو لگا تھا نکالا آہ شہہؑ نے وہ کھینچ تیر کا سوفار زور سے

مجروح کان بالی سکینہؑ کے کر دیئے ظالم نے کھینچیں بالیاں یک بار زور سے

خیمے میں جا کے عابدؑ بیمار کو اٹھا
میداں میں لائے کھینچ ستم گار زور سے

زینبؑ پکاری رو رو کے یہ ناتوان ہے
مت کھینچ اس کا ہاتھ ستم گار زور سے

طاقت نہیں ہے جس کے تنِ ناتوان میں
کیا کھینچے اُشتروں کو وہ بیمار زور سے

ایسے تھے عابدیں کے کفِ پا میں ہائے غرق
رو رو نکالا بانوؑ نے وہ خار زور سے

روتی سکینہؑ رہ گئی زنداں میں اس سے جب
سر شہہؑ کا چھین لے چلا خوں خوار زور سے

صغراؑ وطن میں غم سے شہہؑ دیں کے صبح و شام
ٹکراتی سر تھی با در و دیوار زور سے

روتے تھے اہلِ شام بھی اس کی صدا کو سُن
روتی تھی جبکہ بانوؑ دل افگار زور سے

ایسے ڈری تھی شمر کے تیور کو دیکھ کر
روئی کبھی سکینہؑ نہ زنہار زور سے

طاہرؔ جلا دے دشمنِ دیں کا جو خاندان
کھینچ ایسے دل سے آہِ شرربار زور سے

مرثیہ

۱

ہوئے راہی جو سوئے شام عابدؑ
غریب و بیکس و ناکام عابدؑ

یہ کہتے جاتے تھے ہر گام عابدؑ
اُٹھائے کس طرح آرام عابدؑ

رکت جووت ہے تروَن سے پڑت جات ہیں گھاؤ
چھٹتی رات کے لکھن کا کون بھلا اُو پاؤ

۲

کروں کیوں کر نہ ہر دم آہ و افغاں
گریباں چاک ہے اب تابہ داماں

وفورِ غم سے رہتا ہوں میں گریاں
خوشی ہوں جان کا گر ہوئے نقصاں

گوڑ دُکھت ہیں سانس چڑہت ہے کُوٹھت ہے رہ رہ پیر
پیاسے بابا جوجھ گیئو ملا نہ واکو نیر

۳

نہیں میرے مقدر میں ہے راحت
ہے دکھ پر دکھ اذیت پر اذیت

تپِ غم سے نہیں ایک دم کی مہلت
قیامت ہے قیامت ہے قیامت

ہاتن ڈاری ہتکڑی پاؤں میں زنجیر
ڈگر چلت کا نپت ہے سگرا مور سریر

کمر ہیں ظلم پر باندھے ستم گر ۴ چلا کرتے ہیں دل پر غم کے خنجر
یہ کیسی بن گئی اب ہائے مجھ پر گریباں کیوں نہ اشکوں سے رہے تر

اب ناہیں سنسار میں کراؤ اپنا پوچھن ہار
بیری میکا دیت ہیں آ کو رن کی مار

بزرگوں کا اٹھا سر سے جو سایا نظر کوئی نہ اپنا دوست آیا
فلک نے رنج و غم کیسا دکھایا ۵ پدر کے بعد ہم نے رنج اٹھایا

کیسی بپتا پر گئی پڑت نہیں موہے چین
تڑپت تڑپت بی تت ہے مُہکا سگری رین

بہت رہتی ہے اب خاطر پریشاں سحر سے شام تک رہتا ہوں گریاں
ہوا افسوس بابا پر نہ قرباں ۶ نہ ہوئے ظلم یہ مجھ پر فراواں

چھن چھن اپنے باپ کا آوت مُہکا دھیان
تن سے کاہے ناہیں نکست خالق موہے پران

ہوا تھا یہ مری قسمت میں تحریر کہ میرے سامنے ہوں ذبح شبیرؑ
چلی سوکھے گلے پر ان کے شمشیر ۷ ہماری ہو گئی برگشتہ تقدیر

ہندھا رہت ہے نت نینن سے اب اسون کا تار
بیری ہمرے ہوگیئو اب سگرا سنسار

قلق تنہائی کا کب تک اُٹھاؤں کہے اب داستاں غم کی سُناؤں
بھلا سر پر نہ کیونکر خاک اُڑاؤں ۸ خداوندا کدھر اب آہ جاؤں

جب سے بابا جوجھ گیئو بیری بھیو جان
آہ کرت ہوں کاہے ناہیں تن سے نکست جان

بہت جو دکھ پہ دکھ ناحق اٹھائیں بھلا کیوں کر نہ بابا یاد آئیں
یہ تنہائی کا غم کس کو دکھائیں ۹ کدھر اب خاک اُڑانے ہائے جائیں

پوچھن ہارا کوؤ ناہیں ایسے دکھ میں ہائے
اے پر میسر سما جاؤں گر دھرتی پھٹ جائے

فلک ٹوٹا ہے غم کا ہائے مجھ پر کہ ناحق دے رہے ہیں دُکھ ستم گر
یہ کیسی بن گئی ہے ربِ اکبر ۱۰ بجز تیرے نہیں اب کوئی سر پر

رین دنا اب رووت ہوں میں کر بابا کو یاد
تین پہر ما ہوگیو سگرا گھر برباد

نہیں اب پوچھتا میری کوئی بات کوئی ساتھی نہیں ہے ہات ہے ہات
کٹے کیونکر یہ رنج و غم میں اوقات ۱۱ غضب کا سامنا رہتا ہے دن رات

کر جورت ہوں بنتی کرت ہوں میں تجھ سے ہر بار
اب تو موری لے کھبریا اے مورے کرتار

عبث ہے تجھ کو طاہر خوفِ محشر بھرا ہے دل میں تیرے عشقِ حیدرؑ
خدا دے گا تجھے فردوس میں گھر ۱۲ وہ راحم ہے وہی ہے بندہ پرور

رہنے کا بے کُنٹھ میں مورا کردیو ٹھاؤں
لے کر مالا جپتا رہوں پر میسر کا ناؤں

صابرؔ لکھنوی کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ

منشی میر حسن صابرؔ لکھنوی، نواب سعادت علی خاں (متوفی ۱۸۱۲ء) کی عدالتِ عالیہ میں منشی تھے، غزل اور مرثیہ کہتے تھے لیکن مرثیے کی طرف رجحان زیادہ تھا۔ اُن کا کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ مصحفیؔ کے قریبی دوست تھے۔ قدیم تذکروں میں صرف مصحفیؔ نے اُن کے مختصر حالات لکھے ہیں۔

منشی میر حسن صابرؔ تخلص کہ بخدمتِ منشی گری (کچہری) نواب ملک سعادت علی خاں بہادر غفر اللہ عنہ عزّ و امتیاز داشت اکثر مرثیہ و سلام از قدیم گفتہ آمدہ گاہ گاہے فکر شعر ہم می کند، بہ بندہ ارتباطے کمال دارد، مطلع خوبی از زبانش بہ سمعِ فقیر رسیدہ، عمرش سی و پنج سالہ واہد بود۔ (ریاض الفصحاص ص ۱۷۳) ناصرؔ نے خوش معرکۂ زیبا میں انھیں بزرگ واکابر کہا ہے۔

شروعِ عشق ہے اور چشمِ تر ابھی سے ہے
طپیدنِ دل و سوزِ جگر ابھی سے ہے

صابرؔ لکھنوی نے خاصی عمر پائی، بادشاہِ اودھ نصیر الدین حیدر کے عہد میں ان کا انتقال ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء میں ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً ۸۲ برس تھی۔

مقبول الدّولہ مہدی علی خاں قبولؔ لکھنوی (متوفی ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء) نے صابرؔ لکھنوی کے انتقال پر قطعہ تاریخ وفات کہا:۔ (دیوان قبول ص ۴۹۱)

رفت از جہاں چو میر حسن ذاکرِ حسینؑ   گویا بہ خاک گنج سخن رفتہ ہائے وائے
بعد از وداع گلشنِ ایجاد در بہشت   روحش چو بوئے گل زبدن رفتہ ہائے وائے

تاریخ ایں مصیبت عظمیٰ قبولؔ گفت
در چہلمِ حسینؑ حسن رفتہ ہائے وائے

---۱۲۴۶ھ---

مصرعۂ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ۲۰ صفر عین یوم چہلم امام حسین علیہ السلام کو صابرؔ لکھنوی نے انتقال کیا۔ شمس آباد کے کتب خانے میں صابرؔ لکھنوی کے دو مرثیے موجود تھے یہ مرثیے اب ذخیرۂ مسعود حسن ادیبؔ کی زینت ہیں، یہ مرثیے علی گڑھ کے کتب خانے میں موجود ہیں، مطلعے مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ رکھا جو دوش پہ عباسؑ نے نشانِ حسینؑ	بند ۴۵	مجتث
۲۔ اکبرؑ جو کمانداروں کے میدان میں آیا	بند ۵۴	ہزج

تیسرا مرثیہ ہمارے "ذخیرۂ مراثی" میں موجود ہے، جس کا مطلع ہے۔

۳۔ چہلم ہے آج یارو شبیرؑ بے وطن کا	بند ۱۳	مضارع مثمن اخرب

سفارش حسین رضوی نے "اردو مرثیہ" ص ۳۰۱ میں لکھا ہے کہ صابرؔ لکھنوی کے مرثیے دستیاب نہیں ہیں، اس لحاظ سے یہ مرثیہ بہت قیمتی اور نایاب ہو جاتا ہے۔

مرثیہ

۱

چہلم ہے آج یارو زہراؑ کے نور تن کا ۔۔۔ چہلم ہے آج یارو شبیرؑ بے وطن کا
چہلم ہے آج یارو مقبول ذوالمنن کا ۔۔۔ چہلم ہے آج یارو اُس شاہِ خستہ تن کا
اس پر سلام جسکا چہلم کا روز آیا
چالیس روز جس نے گور و کفن نہ پایا

۲

قاسمؑ سے کد خدا کا چہلم ہے آج یارو ۔۔۔ عباسؑ بے ریا کا چہلم ہے آج یارو
اصغرؑ سے دلربا کا چہلم ہے آج یارو ۔۔۔ ہمشکلِ مصطفےٰؐ کا چہلم ہے آج یارو
بی بی سکینہؑ کے بھی چہلم کا دن ہوا ہے
بابا کے سر پہ جس نے سر رکھ کے جی دیا ہے

۳

چہلم ہے عون و جعفر مظلوم بے سروں کا ۔۔۔ چہلم ہے آج یارو مسلمؑ کے دلبروں کا
چہلم ہے شاہِ دیں کے سب یار و یاوروں کا ۔۔۔ چہلم ہے آج یارو شہہ کے بہادروں کا
چہلم ہے آج شہہؑ کے لشکر کا یہ عزیزو
چہلم ہے آج دیں کے رہبر کا یہ عزیزو

سجادؑ شام سے ہے مقتل میں آج آیا بیوں کا قافلہ وہ ہمراہ اپنے لایا
بن کربلا میں اس کو قسمت نے پھر دکھایا ۴ مظلوم نے یہ رو رو تب شاہ کو سنایا
نائب تمہارا آیا اے نائبِ پیمبرؐ
سر ہوں تمہارا لایا اے بے سروں کے سرورؑ

بابا جی اپنے تم سے میں کیا کہوں مصیبت برسے تھی آسماں سے آفت سے مجھ پہ آفت
نہ جسم میں تواں تھا نہ تن میں میری طاقت ۵ اہل گذر کہیں تھے یہ میری دیکھ غربت
افسوس جو کہا وے کونین کا شہزادہ
سو فرشِ خاک اوپر جاتا ہے پا پیادہ

القصہ رفتہ رفتہ جب شام تک میں پہنچا لے گئے یزید آگے مجھ زحمتی کو اعدا
ایک طشت زر میں رکھ کر وہ سر تمہارا بابا ۶ ہونٹوں کو آپکے پھر اس نے چھڑی سے کھولا
بولا کہ اس کے دنداں کیا خوب خوشنما ہیں
مجوب اس سے گوہر اور لالِ بے بہا ہیں

زینبؑ پھوپھی جو میری بنتِ نبیؐ کی جائی بولی کہ تجھ کو ظالم مطلق حیا نہ آئی
جو تو نے ان لبوں پر اپنی چھڑی لگائی ۷ دیتا تھا بوسہ اس جا محبوبِ کبریائی
یہ بات سُن کے ظالم حرکت سے باز آیا
بابا جی اُس نے ہم کو زنداں میں پھر بٹھایا

زنداں کی مصیبت بابا جی کچھ نہ پوچھو اک کوٹھری اندھیری رہنے کو دی تھی ہم کو
بھجوایا خوان میں رکھ پھر آپ کے جو سر کو ۸ رکھ سر پہ سر سکینہؑ مر گئی بچاری رو رو
سو اس کا میں جنازہ لایا ہوں دیکھ لیجے
پہلو میں اپنے بابا اسکو مکاں دیجے

گر ہو مجھے اجازت تو تم کو یاں سُناؤں بہنا سکینہؑ کا بھی مرقد یہاں بناؤں
گر حکم ہو تو تم کو یثرب میں لے کے جاؤں ۹ روضہ کے پاس جد کے بابا تمہیں گڑاؤں
وہ تن پکارا عابدؑ سر تن سے تو ملا دے
اک گور بھی نہانی میری یہاں بنا دے

شہہؑ کی صدا یہ سُن کر بانوؑ نے ایک باری　منہ پیٹ اپنا رو رو کرنے لگی وہ زاری
بولی کہ میرے سائیں میں تم پہ جاؤں واری　آئی ہے شام سے اب بانو یہاں تمہاری
۱۰
سوئے ہو خاک پر کیا اے شاہِ کربلائی
ہے شامیوں نے لوٹا مجھ کو تری دُہائی

اب کیا کروں گی یہاں سے سرور مدینہ جاکر　صغراؑ جو مجھ سے پوچھے بابا میرا ہے کیدھر
میری بہن سکینہؑ اور میرا بھائی اصغرؑ　چھوڑے کہاں ہیں تم نے عباسؑ و قاسمؑ اکبرؑ
۱۱
صغراؑ کو میرے سائیں میں کیا جواب دونگی
جب تک جیئوں گی اس سے شرمندہ میں رہونگی

شہہؑ کو سنا سنا کر کہتی تھی یہ وہ دُکھیا　اتنے میں عابدیں نے اس کا چھُڑوایا پَلّا
دے صبر دل جلی کو لاشوں کو کر کے ایک جا　اس کربلا کے بن میں گاڑا ہر ایک لاشا
۱۲
لاشہ زمیں پہ جس دم اُس شاہؑ کا اتارا
اہل حرم نے رو رو محشر کیا دوبارا

سجادؑ کا کہوں کیا اب میں مدینہ جانا　نانا کی قبر سے یہ احوال کا سنانا
فریاد اس کی کرنی رو رو کے غل مچانا　شبیرؑ کی خبر سب صغراؑ کو جا جتانا
۱۳
بس کر کہ تجھ کو صابرؔ طاقت نہیں رقم کی
اس غم سے اب دوپارہ چھاتی ہوئی قلم کی

ترقیمہ :- ۲۴ مئی ۱۸۷۱ء ۳ ربیع الاوّل ۱۲۸۸ھ
روز چہار شنبہ بوقت دوپہر بمقام دہلی

مرزا محمد علی خاں دیوآنہ بنارسی کی مرثیہ نگاری

مرزا محمد علی خاں دیوآنہ، بنارس کے رہنے والے تھے، سرکار انگریزی کے ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ اس وقت جب کہ وہ روشن الدولہ کولبرک کے ہمراہ جو جہاں آباد کے ناظم تھے اس شہر جہاں آباد میں آئے ہوئے تھے، میرے ہمراہ بھی کھانے میں شرکت کی تھی۔

(گلشنِ بے خار ص ۹۹)

میرزا محمد علی خاں دیوآنہ، ساکن بنارس، یہ حکومت برطانیہ کے کسی عہدے پر مامور تھے۔ ان سے اور صاحبِ گلشنِ بے خار (شیفتہ) سے ملاقات ہوئی تھی۔

(یادگار شعرا ص ۷۷، اسپرنگر)

مرزا محمد علی خاں دیوآنہ از ثقات بنارس است، بمراتب علیائے انگریزی سرافراز ماندہ، بہ عہد نظامت روشن الدولہ کولبرک بر جہاں آباد می بود بہ عہدہ تحصیل داری محالات کھیر وچنڈوس، متعلقہ ضلع علی گڑھ، خوش گزران بودہ حالا از حالش مطلع نیستم کہ کجا۔

(گلشنِ ہمیشہ بہار ص ۱۴۱)

چلتے چلتے ایک دن دیوانے بس اٹھ جائیں گے جوں چراغِ صبح دم ہم سینۂ سوزاں سمیت

اس کا آخر ادھر کلام ہوا اپنا قصہ ادھر تمام ہوا

بتاؤ تو دستِ جنوں کیا کروگے گریباں میں جس دم نہ اک تار ہوگا

آیا نہ بعد مرنے کے بھی وہ مزار پر خاک اس کے پیچھے آپ کو ہم نے عبث کیا

میری سرگشتگی کو دیوآنہ پہنچے کب آسمان کی گردش

میرزا محمد علی خاں دیوآنہ، ساکن بنارس، تحصیل دار کھیر، ان کے فرزند نجف علی خاں نجفؔ بھی مرثیہ گو تھے۔ ہم عصر خلیقؔ و فصیحؔ وغیرہ (ذخیرۂ ذاکر قلمی تذکرہ شمس آباد)

دیوآنہ کے مندرجہ ذیل مرثیے، ذخیرۂ مسعود حسن ادیبؔ (علی گڑھ) میں موجود ہیں :۔

۱۔اب مدینے سے امام دوسرا کا کوچ ہے	بند ۳۳	(۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۴ء)	رمل مثمن مقصور اخرب
۲۔اے دوستو سنو یہ حکایت حسینؑ کی	بند ۳۸		مضارع
۳۔اے قلم لکھ تو شبیہہ پسرانِ مسلمؑ	بند ۵۹	(۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء)	رمل مثمن مقصور محذوف
۴۔اے مومنو وہ سبطِ رسولِؐ خدا حسینؑ	بند ۳۴		مضارع
۵۔جب شہربانو بانوئے سبطِ نبیؐ ہوئی	بند ۵۰		مضارع
۶۔جب فاطمہؑ کا پیارا گھوڑے سے گرا ہے	بند ۳۵		ہزج مثمن اخرب
۷۔جس دم زمیں پہ اخترِ برجِ اسد گرا	بند ۳۶		مضارع
۸۔دھوم ہے رن میں کہ اب اژدرِ حیدرؑ آیا	بند ۸۶		رمل مثمن مقصور محذوف
۹۔دین و دنیا ایک سا ہونا بہت اشکال ہے	بند ۳۴		رمل مثمن اخرب
۱۰۔ذرا دیکھو تو یارو صبح کیسی جھلملاتی ہے	بند ۳۴		ہزج مثمن سالم
۱۱۔زین العبّاؑ کی شام میں جب پھر طلب ہوئی	بند ۳۹		مضارع
۱۲۔عجب ہوئی کربلا میں سید الشہداؑ کی مہمانی	بند ۳۴		ہزج مثمن سالم
۱۳۔کاندھے پہ علم شہہؑ کے جو بازو نے اٹھایا	بند ۴۸	۱۸۴۳ء	ہزج
۱۴۔بندھی زین العبّاؑ کے سر پہ جب پگڑی نیابت کی	بند ۳۳		ہزج مثمن سالم

مرثیہ

دھوم ہے رن میں کہ اب اژدرِ حیدرؑ آیا　　غل ہے ہم شانِ علیؑ اور پیمبرؐ آیا
شور برپا ہے کہ ضرغام و غضنفر آیا　　زلزلہ فوجِ عدو میں ہے کہ اکبرؑ آیا
فخرِ رستم ہے دلیری میں دلیر آتا ہے
دیکھیں میداں کی طرف گرسنہ شیر آتا ہے

بے طرح اس طرف اس شیر کی آمد ہے ٹھنی　　شیر ہے شیرِ خدا کا تو شجاعت کا دھنی
اس کے رن آئے ابھی سے یہاں جانوں پہ بنی　　طنطنہ بھول گئے اور گیا زورِ بدنی
دہشت اس صاعقہ کی آنکھوں تلے پھرتی ہے
دیکھئے اب کی یہ بجلی سی کہاں گرتی ہے

یاوہ گو جتنے ہیں لب خشک ہیں ساکت ہے زباں　　رنگ ہیں منہ کے اور ہی ہوش ہوئے ہیں پرّاں
رعب یہ چھایا ہے ہر اک متنفّس پہ وہاں　　کانپے جاتے ہیں سوار اور پیادے لرزاں
جو سوالی ہیں بس ان کا نہیں چلتا کچھ ہے
بات کچھ کہتے ہیں اور منہ سے نکلتا کچھ ہے

حضرت علی اکبرؑ کا سراپا :۔

ہے جو الماس کا وہ ایک نگینہ سینہ　　دیکھ دیکھ آہ وہ تابوتِ سکینہ سینہ
اپنے ہاتھوں سے ملیں شاہِ مدینہ سینہ　　کہتی ہے بانوؑ کہ بیٹا یہ حسینہ سینہ
لے کے جب دشمنوں کے سامنے جانا رن میں
صدقے اس سینے کو برچھی سے بچانا رن میں

مثل حیدرؑ کے شجاعت میں سراپا ہے بھرا　　قبۂ سر پہ ہے نقش انّا فتحنا کا لکھا
کہیئے گر کرۂ گردوں بھی اسے تو ہے بجا　　آگے سر اس کے ہلاوے کوئی مقدور ہے کیا
چرخ تک سر بہ گریبان کئے تکتا ہے
ہم سری برجِ اسد بھی نہیں کر سکتا ہے

ہاں سراسر ہے انہیں پاؤں کا لکھوں سایا سایۂ بال ہما نے جو یہ رتبہ پایا
ذکر جس جا کہ ہے تشبیہ کا اس کے آیا پرتوِ ظلّ الٰہی ہے اسے ٹھہرایا
ایسی سر سبزی بھلا کب طبقِ فرش پہ ہے
کاہِ جنت ہے کہ ہم شکل گُلِ عرش یہ ہے

میرزا محمد علی دیوآنہ نے پورے مرثیے میں حضرت علی اکبرؑ کا سراپا لکھا ہے، مقطع میں کہتے ہیں۔

بہرِ بخشش جو میں دیوآنہ بُلایا جاؤں
اس سراپا کے تصدّق میں سراپا پاؤں

مرزا نجف علی خاں نجفؔ بنارسی کی مرثیہ نگاری

مرزا نجف علی خاں جنونؔ، ولد مرزا محمد علی خاں جن کا تخلص دیوانہؔ ہے، باپ بیٹے دونوں بنارس کے ہیں۔ مرزا محمد علی خاں اپنے والد کی جب کہ وہ دہلی آئے تھے اور بورڈ کی سرشتہ داری کے عہدے پر مامور تھے، مجھ سے کئی مرتبہ ملاقات کرائی، وہ زیادہ تر تحصیل داری اور سرشتہ داری کے عہدوں پر فائز رہے، یہ عہدے سرکار انگریزی کے معزز عہدوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اب نہیں معلوم کہاں ہیں۔ (گلشنِ بے خار ص ۶۵)

جنونؔ، میرزا نجف علی خاں، ساکن بنارس ولد محمد علی خاں دیوانہؔ جو تحصیل دار ہیں

(یادگار شعرا ص ۵۴)

جنونؔ تخلص، مرزا نجف علی خاں پسر نامور مرزا محمد علی خاں ست کہ متخلص بہ دیوانہ است، وطن والد و مولود بنارس است، پیشتر در سرکار انگریزی بہ عہدہ ہائے جلیل مثل تحصیل داری و سرشتہ داری مقرر بود طبع موزوں دارد و فصاحت و لطافت از کلامش می بارد۔ (گلشن ہمیشہ بہار ص ۱۰۵)

اپنے چہرے سے مت نقاب اُلٹ دیکھ جاوے نہ آفتاب اُلٹ

دل کو شاید کوئی ستاتا ہے قاصدِ اشک تیز آتا ہے

نجفؔ علی خاں ولد میرزا محمد علی خاں دیوانہؔ بنارسی جو مرثیہ نگار ہیں، نجفؔ نے اوّل وحشی بعد میں نجفؔ تخلص اختیار کیا۔ (ذخیرۂ ذاکر قلمی تذکرہ شمس آباد)

نجفؔ کے مندرجہ ذیل مرثیے ذخیرۂ مسعود حسن ادیبؔ (علی گڑھ یونیورسٹی) میں موجود ہیں۔

۱۔ میداں میں جب کہ مرنے کو اکبرؑ علی چلا — بند ۳۳ — تخلص وحشی — مضارع

۲۔ تنہا رہے جو سبطِ نبیؐ قتل گاہ میں — بند ۳۸ — مضارع

۳۔ شور ہے آمدِ عباسؑ کا اب میداں میں — بند ۴۷ — رمل مثمن مقصور محذوف

۴۔ عباسؑ وہ جو پرتوۂ نورِ علیؑ تھا — بند ۳۹ — ہزج

۵۔ کھینچی جو دستِ مہر نے رخ سے ردائے شب — بند ۳۸ — مضارع

۶۔ ہائے کیا بیکسی ہے مومنو شبیرؑ پہ آج — بند ۵۴ — رمل مثمن مقصور

۷۔ خلد کو جب سدھارے حسینا — بند ۲۸ — ۱۲۴۵ھ، ۱۸۳۰ء

مرثیہ

ہائے کیا بیکسی ہے مومنو شبیر پہ آج
فوجِ اعدا کے ہے نرغے میں وہ دیں کا سرتاج
پانی کو ہے خلفِ ساقیٔ کوثر محتاج
سب تو ہیں کٹ چکے اب لٹتا ہے بانو کا راج
مرنے کی اکبرِ مظلوم کی تیاری ہے
ہر طرف خیمے میں فریاد ہے اور زاری ہے

سرِ شبیرؑ ہے زانو پہ بصد درد و بکا
ٹکڑے ہونے کو چلا ہے وہ جگر کا ٹکڑا
بانوؑ نے کوکھ پکڑ سر دیا زانو پہ جھکا
ایک کے دم میں نہیں باقی ہے دم ایک ذرا
غم کی تصویر میں سب خونِ جگر ہے جاری
رن کی ہم شکلِ محمدؐ نے کی ہے تیاری

باپ کی جس گھڑی تنہائی اسے آئی نظر
دیکھا احباب و عزیزوں کو بھی بے سر یکسر
ہو کے شمشیر بکف شیر سا پورِ حیدرؑ
شہہؑ سے رخصت چلا ہونے کو بصد سوزِ جگر
یک سرِ مو نہ خیال اپنی تھا قربانی کا
تھا الم باپ کی اور ماں کی پریشانی کا

آیا جب باپ کی خدمت میں وہ ماہِ کنعاں
عازمِ رخصتِ گلگشت بہ سوئے میداں
چشمِ یعقوبؑ سے چشمے ہوئے حسرت کے رواں
چاہِ غم میں پھنسا یہ حالِ پدر دیکھ وہاں
اس طرف نرگسِ محزون پہ حیرانی تھی
گل پہ یاں تاب تھا سنبل پہ پریشانی تھی

میدانِ جنگ میں حضرت علی اکبرؑ کی آمد :۔

اس سبک رو کو سبک روح نے چھوڑا جو ذری — بوئے گل لے کے چلا جیسے نسیمِ سحری
جا کے میدان میں پہنچا جو نبی وہ کبک دری — چشمِ بد دور تھی اس پر نظرِ حور و پری
نعرۂ حیدری سے کھولے مبارز کے گوش
دیکھ وہ سیرت و صورت انھوں کے اڑ گئے ہوش

لگے باہم یہ سخن کرنے وہ سب بے ایماں — دیکھو تو کون پری زادہ ہے یہ درِ ایماں
یا فلک پر سے ملک بن کے بشکلِ انساں — مددِ سبطِ نبیؐ کے لئے آیا ہے یہاں
صورتِ احمدی کچھ ہم کو نظر آتی ہے
سیرتِ حیدری کچھ جلوہ سا دکھلاتی ہے

تلوار کی تعریف :۔

تیغ اکبرؑ کی جو تھی مقتل ہوا آبِ مصاف — کفر کے زنگ سے جب کر چکے میدان کو صاف
شور اکبرؑ کی شجاعت کا ہوا قاف سے قاف — مٹ گیا حرب کا غل مٹ گئے سب اہلِ خلاف
ہٹ گیا شام کا بادل نکل آیا وہ مہہ
ہاتھ میں تیغ ہلالی شفقِ خون کی تہہ

حضرت علی اکبرؑ دمِ شہادت وصیّت فرماتے ہیں :۔

تھے وصایا تو بہت پر نہیں طاقت اس دم — ہاں مگر کہتا ہوں دو باتیں کہ ہیں سب سے اہم
ایک تو جب کرے یہ روح وداعِ عالم — وہ مکاں پاؤں کہ جس جا پہ ہوا تیرا قدم
دفن ہوں ایسی جگہ اے شہہؑ با عزّو جلال
شمع ہو گورِ غریباں کا ترا نورِ جمال

دوسری عرض یہ ہے والدہ سے فرمانا — چاہا تھا میں نے کہ خدمت میں ہو تیری آنا
بھر چکا عمر کا تھا میرے دَلے پیمانا — اب رہا حشر پہ دیدار تمہیں دکھلانا
کیجیو صبر اماں گرچہ ہیں آزار بہت
جد کی امت کی ہے بخشش ہمیں درکار بہت

مصائب (ماں کے بین) :۔

یاد آتا ہے وہ قد سرو سا اور مہ سا بدن وہ مسیں بھیگتی اور سبزۂ نوخط کی پھبن
انکھڑیاں نرگسِ شہلا سی وہ اور سیبِ ذقن گل سے رُخسارے وہ گلبرگ لب اور غنچہ دہن
پھرتی آنکھوں میں ہے تصویر تری اے پیارے
جان ماں اس تنِ بے جان پہ تیری وارے

پیارے ماں چہرۂ گلگون کے تیرے صدقے سروِ قامت موزون کے تیرے صدقے
زخموں کے اور تنِ پُرخون کے تیرے صدقے بیکسی اور دلِ محزون کے تیرے صدقے
زندگی خار تھی اور برگ سے تم ہو گئے باغ
آپ تو چل بسے اور ماں کے تئیں دے گئے داغ

مقطع :۔

الغرض بانوؑ تھی سر پیٹتی اور کرتی بین ہل مبارز کی صدا آئی چلے مرنے حسینؑ
آگے مت پوچھئے کیا تھا انھیں واں شیون وشین تھے وہاں جمع شہیدانِ احد بدر و حنین
کرتے ماتم تھے کھڑے جن وملک باندھ کے صف
انبیاؑ سارے، وصی، فاطمہؑ اور شاہِ نجفؑ

ہمارے کتب خانے میں نجف بنارسی کے دو سلام بھی موجود ہیں :۔

سلام

کیا مجرئی حسینؑ پہ جور و جفا ہوئی خیمے جلائے اور بہن بے ردا ہوئی
کہتے تھے مسکرا کے دمِ ذبح یہ حسینؑ شکرِ خدا کہ نار سے اُمت رہا ہوئی
اصغرؑ تڑپ کے مر گیا حُرمل کے تیر سے زہراؑ پکاری پوری رضائے خدا ہوئی
لاشے سے رن میں آکے سکینہؑ لپٹ گئی بے چین روحِ لختِ دلِ مصطفےٰ ہوئی
بازو بھی کھینچے مارے طمانچے بھی شمر نے لیکن نہ لاشِ شہہؑ سے سکینہؑ جدا ہوئی
کھائے طمانچے شمر کے صدمے بھی سب سے دیکھو سکینہؑ پیاسی کی آخر قضا ہوئی
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بانوؑ نے یہ کہا بیٹی سرِ حسینؑ پہ دیکھو فدا ہوئی
رو کر پکارتے تھے یہ مقتل میں اہلبیتؑ کیا خوب دعوتِ شہہِ کرب و بلا ہوئی

اے خاک بوتراب کی الفت کدھر گئی
اے کربلا حسینؑ کی تصویر کیا ہوئی

رکھی یزید نے لبِ سرورؑ پہ جب چھڑی
کیا بے قرار روح رسولِؐ خدا ہوئی

ناگاہ معجزے سے یہ بولا سرِ حسینؑ
بس اے لعین ظلم کی اب انتہا ہوئی

زینبؑ پکاری خوں کیا سیدؑ کا بے گناہ
بولا یزید مکر سے مجھ سے خطا ہوئی

جب آکے دیکھا قافلہ صغراؑ نے یہ کہا
شکرِ خدا عنایتِ ربّ العلا ہوئی

صغراؑ نے بیبیوں سے یہ پوچھا مدینے میں
لوگو سکینہؑ چھوٹی بہن میری کیا ہوئی

عابدؑ گئے وطن میں تو شیعوں کو جا بجا
تقسیم سب کو جاکے وہ خاکِ شفا ہوئی

لے بخش دے رسولؐ کی اُمت کو اے حسینؑ
تیری رضا کے ساتھ رضائے خدا ہوئی

ہوگا نجفؔ نثار ضریحِ حسینؑ پر
گر جیتے جی ہماری بھی قسمت رسا ہوئی

سلام

یوں لڑے مجرئی زینبؑ کے پسر تھے دونوں
چیر کر صف کو ادھر سے وہ اُدھر تھے دونو

زور بابا کا تھا اور حلم بھی تھا نانا کا
واہ شبیرؑ میں کیا خوب اثر تھے دونو

اپنے بھائی پہ کیا صدقے انھیں دونو کو
بیٹے زینبؑ کے جو وہ مدِّ نظر تھے دونو

یاد کر اکبرؑ و اصغرؑ کو یہ بانوؑ نے کہا
حُسن میں لال مرے شمس و قمر تھے دونو

عونؑ و جعفرؑ نے یہاں تک تو عدو مارے تھے
گھوڑے اُن غازیوں کے خون میں تر تھے دونو

رن میں لڑ بھڑ کے موئے جب پسرانِ زینبؑ
جیتے جب تک رہے ماموں کی سپر تھے دونو

جب گرے فوج عدو پر تو کئے لاشوں کے ڈھیر
برق یا قہرِ خدا یا کہ شرر تھے دونو

قاسمِ ابنِ حسنؑ اور صغیر عبداللہ
غوطہ زن بحر شناور کے مگر تھے دونو

بس کہ تھے اکبرؑ و عباسؑ جو شیدائے حسینؑ
ہو کے قربان شہہِ دیں پہ گئے مر تھے دونو

گو زمانے میں تھے شبیرؑ کے لاکھوں دشمن
ہاں مگر تشنۂ خوں شمر و عمر تھے دونو

شمر نے ذبح کیا کاٹے شتربان نے ہاتھ
بہرِ شبیرؑ تو لشکر میں عمر تھے دونو

تھے نجفؔ نخلِ امامت جو جہاں میں حسنینؑ
گلشنِ احمدؐ و حیدرؑ کے ثمر تھے دونو

نجفؔ بنارسی مرثیے، سلام کے علاوہ نوحے بھی کہتے تھے، اُن کا ایک تصنیف کردہ نوحہ یہاں درج کیا جاتا ہے :۔

نوحہ

بانوؑ نے روکر کہا اکبرِ گلگوں قبا — ہائے جہاں سے گیا اکبرِ گلگوں قبا
کیسے میں غم میں ترے صبر کروں لاڈلے — اب مجھے تو ہی بتا اکبرِ گلگوں قبا
سِن کا کروں کیا بیاں سال تھا اٹھارواں — ہائے پُر ارماں موا اکبرِ گلگوں قبا
باپ سے رخصت طلب کیوں نہیں تم ہوتے اب — کیا ہوا تم کو بھلا اکبرِ گلگوں قبا
رورو کے شہہؑ سے کبھی کہتی تھی وہ دل جلی — کیا ہوا بیٹا مرا اکبرِ گلگوں قبا
لاشۂ اکبرؑ پہ جا پیٹ کے سر یوں کہا — آگئی تم کو قضا اکبرِ گلگوں قبا
واری میں یہ کیا ہوا راز نہ ہم پر کھُلا — کیا ہوئی ہم سے خطا اکبرِ گلگوں قبا
نیزہ تمہارے لگا تیر سے اصغرؑ موا — تپ میں ہے زین العباؑ اکبرِ گلگوں قبا
مرنے سے تیرے پسر ہو گئے ہم دربدر — گھر ہوا ماتم سرا اکبرِ گلگوں قبا
عازمِ خُلدِ بریں ہوتے ہیں اب شاہِؑ دیں — کون ہے جو لے بچا اکبرِ گلگوں قبا

ہووے نجفؔ کیا بیاں بانوؑ تھی زاری کناں
لب پہ تھا صبح و مسا اکبرِ گلگوں قبا

شیخ اِمداد علی بحرؔ لکھنوی
کے
غیر مطبوعہ مرثیے اور سلام

شیخ امداد علی بحرؔ لکھنوی، شیخ امام بخش کے فرزند تھے اور شیخ امام بخش ناسخؔ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ رشکؔ کے بعد ناسخؔ کے شاگردوں میں یہی مستند شاعر سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنی ساری عمر علم وادب کی خدمت میں گزار دی، عمر کا بیشتر حصّہ مُفلسی میں کاٹا۔ مولانا محمد حسین آزادؔ ''آبِ حیات'' میں لکھتے ہیں ''ہر چند زمانے نے غریبی کی خاک سے سر اُٹھانے نہیں دیا مگر طبیعت بڑھاپے میں جوانی کی اکڑ تکڑ دکھاتی رہی۔ آخر میں آکر اقبال نے رفاقت کی، نواب صاحب رام پور کی سرکار میں آکر چند سال آرام سے بسر ہوئے، حقیقت میں وہی ایک شاگرد تھے جو اب اُستاد کے لئے باعث فخر تھے''۔

بحرؔ لکھنوی کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی۔ امیرؔ مینائی نے ''تذکرہ انتخاب یادگار'' میں لکھا ہے کہ بحرؔ کی عمر اس وقت پینسٹھ برس کی ہے۔ تذکرہ کی تالیف ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں ہوئی۔ اس حساب سے بحرؔ لکھنوی کا سنہ ولادت ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء قرار پاتا ہے۔ مولانا عبدالحیٔ ''گلِ رعنا'' میں لکھتے ہیں ''گندم گوں، دُبلے پتلے، میانہ قد، صحت الفاظ، تحقیق لغت اور فنِ عروض میں مشہور، رشکؔ کے

بعد ناسخ کے شاگردوں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ چھوٹی شہزادی کی سرکار سے کچھ وظیفہ ملتا تھا، اُنہی کی ڈیوڑھی پر پھاٹک کی بغل میں ایک کمرہ تھا، وہیں افیون گھلا کرتی تھی اور ایک بوسیدہ چٹائی پر بیٹھے رہتے، لوگ دُور دُور سے تحقیق الفاظ کو آتے اور اُسی بوسیدہ بوریئے پر بیٹھنا فخر سمجھتے تھے۔ دن بھر ڈیوڑھی میں بیٹھ کر شام کو گھر آتے، توپ دروازہ میں ایک کچا سا مکان تھا، بیوی تھیں اور آپ تھے' لوگ کہتے ہیں کہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا بھی تھا۔ پینسٹھ برس اِسی عسرت اور تنگ حالی میں بسر کیئے۔ نواب کلب علی خاں کو خبر ہوئی کہ لکھنؤ میں ایک زبان دان موجود ہے، بلوا بھیجا اور عزت افزائی فرما کر تنخواہ مقرّر کر دی۔ عرصہ تک رام پور میں رہے۔ آخر وقت میں وطن یاد آیا۔ نواب کے یہاں مشاعرہ تھا۔ یہ بھی غزل لے کر پہنچے' مقطع میں لکھنؤ کی جدائی کا اظہار دردناک انداز سے کیا تھا۔ نواب کو رحم آیا کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا''۔ (گل رعنا)

خدا آباد رکھے لکھنؤ کے خوش مزاجوں کو
ہر اِک گھر خانۂ شادی ہے ہر کُوچہ ہے عشرت کا

''انتخابِ یادگار'' میں امیر مینائی نے بحرؔ لکھنوی کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا عرصے سے ریاست رام پور میں مقیم ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں تالیف ہوا۔ امیر مینائی لکھتے ہیں،

''پینسٹھ برس کی عمر، لکھنؤ وطن، اب اس سرکار (رامپور) کے وظیفہ خوار ہیں۔ اس سبب سے یہ دارالریاست مسکن ہے۔ شیخ امام بخش ناسخ کے شاگردوں میں نامور ہیں۔ کلیات اُن کا چھپ گیا ہے۔ دُور دُور تک مشتہر ہے''۔ امیر مینائی کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ بحرؔ لکھنوی نواب یوسف علی خاں کے زمانے ہی میں رام پور پہنچ گئے تھے۔ ''انتخابِ یادگار'' میں امیر مینائی نے بحرؔ لکھنوی کا ایک قصیدہ نواب یوسف علی خاں کی مدح میں نقل کیا ہے۔ بحرؔ لکھنوی عرصے تک رام پور میں مقیم رہے، لیکن آخر میں اپنی خواہش اور وطن کی محبت سے مجبور ہو کر نواب کلب علی خاں سے رخصت طلب ہوئے اور واپس لکھنو چلے گئے اور یہیں ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء میں وفات پائی۔ ''وقتِ انتقال پچھتر ۷۵ برس کی عمر تھی'' (خم خانۂ جاوید)۔ ''آبِ بقا'' میں بھی عمر ۷۵ برس بتائی گئی ہے اس حساب سے ولادت کا سال ۱۸۰۷ء قرار پاتا ہے۔ ''کربلائے تال کٹورہ لکھنؤ میں دفن ہوئے،، (آبِ بقا)۔

بحرؔ لکھنوی کا دیوان اُن کے دوست سیّد محمد خاں رندؔ لکھنوی شاگردِ آتش نے ۱۲۵۲ھ میں مرتب

کیا تھا، جس کا تاریخی نام ''ریاض البحر'' ہے جو مطبع مصطفائی سے ۱۲۸۵ھ میں چھپا ہے، اس میں غزلوں کے علاوہ واسوخت' قصائد اور رباعیات بھی شامل ہیں۔ تصانیف میں بعض لوگوں نے ایک لُغت کا بھی ذکر کیا ہے لیکن صاحبِ گُل رعنا کا خیال ہے کہ اس کی تکمیل نہیں ہو سکی۔

بحرؔ لکھنوی کی غزل گوئی:

بحرؔ لکھنوی ثقالت وغرابت اور اُلجھاؤ سے بچ کر سلاست، صفائی رنگینی اور بے ساختہ پن پر مائل تھے۔ قادر بخش صابر دہلوی ان کی مضمون آفرینی کے مداح ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

''صاحبِ استعداد ہیں اور ایجاد معانی اور ابداع مضامین میں قدرتِ ذاتی رکھتے ہیں۔ وضع کلام سے دریافت ہوتا ہے کہ فکر تیز گرد اُس کا جادہ طرز شو کنائے بخاری میں گام زن ہے۔ شاگردانِ ناسخؔ سے گوئے سبقت اور خوش فکرانِ لکھنؤ سے قصب السبق لے گئے ہیں''۔

(گلستانِ سخن جلد اوّل ص ۲۸۸)

محسنؔ لکھنوی لکھتے ہیں:-

''اُن کا کلام ملاحت اور لطافت سے پُر ہے''۔ (سراپا سخن)

سعادت خاں ناصرؔ بحرؔ لکھنوی کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

''بلند آوازگی میں نقارۂ فیلی، بیت کی کرسی سے ایوان گردوں پست اور سلسلۂ نظم کا زنجیر فیل مست، عروض دانی میں لاجواب، معنی یابی میں نایاب،،۔ (خوش معرکۂ زیبا)

نساخ کا بیان ہے:-

''عروض وقوافی میں اچھا دخل رکھتے ہیں۔۔۔۔ شعر اپنے طرز پر اچھا کہتے ہیں''۔ (سخن شعرا)۔

حسن علی خاں نے بھی اسی طرح اظہارِ خیال کیا ہے:-

''لکھنؤ کے صاحبِ استعداد شاعر تھے۔ علمِ عروض وقوافی میں کامل تھے''۔ (بزمِ سخن)

گوکل پرشاد لکھتے ہیں کہ ''عروض وقوافی میں کامل شاعری کا ملکہ حاصل ہے'' (ارمغانِ گوکل پرشاد)۔

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:-

''اُن کے کلام میں بھی پیچیدہ تمثیلیں اور دقیق استعارات پائے جاتے ہیں مگر پھر بھی اس قدر تصنع اور الفاظ کی بھر مار نہیں ہے جیسا کہ دیگر شاگردانِ ناسخؔ کے یہاں ہے اکثر اشعار بہت صاف

اور سلیس اور پُر اثر بھی ہوتے ہیں صحت الفاظ اور تحقیق لغت کے استاد تھے۔ ناسخؔ اور رشکؔ کے بعد لکھنو کے دورِ متوسط کے شعراء میں بہت بڑا درجہ رکھتے تھے اور تحقیق الفاظ کے معاملے میں خاص کر بہت مستند سمجھے جاتے تھے"۔ (تاریخِ ادبِ اردو)۔

خواجہ عبدالرؤف عشرتؔ لکھنوی لکھتے ہیں:-

"تحقیق لغت اور صحت الفاظ ہندی میں مشہور استاد، لوگ ان کی زبان کی سند مانتے تھے، ہمیشہ محاورات کی تلاش رہتی تھی، تحقیق الفاظ میں رشکؔ کے بعد ناسخؔ کے شاگردوں میں یہی ممتاز تھے۔۔۔۔ خواجہ حسام الدین کہتے ہیں، ہم نے اپنے استاد شیخ فضل احمد کیفؔ سے پوچھا آج کل اردو شاعری میں کون کون استاد ہیں، کہنے لگے فی زمانہ شیخ امداد علی بحرؔ کی تحقیق اردو بہت اچھی ہے اور زباں دانی کا دعویٰ اُن کو زیبا ہے، محاورات کو صحت سے نظم کرتے ہیں"۔۔۔۔ اردو الفاظ کے اکثر محضر آپ کے پاس دستخط کے لئے آتے تھے۔۔۔۔ کم مائیگی نے بحرؔ کی قابلیت کو شہرت نہ دی۔ جب دیوان چھپ چکا تو ایک لغت کی تصنیف میں مصروف ہوئے، خدا جانے اس کو تمام کیا یا ناتمام رہ گیا، عروض اچھی طرح جانتے تھے اس فن پر بہت ناز تھا۔ (آبِ بقا)

انتخاب کلام

غضب ہے دیکھنے میں اچھی صورت آ ہی جاتی ہے ۔۔۔ نہیں روکے سے دل رُکتا طبیعت آ ہی جاتی ہے

بھرا ہے دل ہمارا دوستوں کی بے وفائی سے ۔۔۔ کہاں تک ضبط باتوں میں شکایت آ ہی جاتی ہے

پڑے گا جی میں تیرے شک، نہ سُن غمّاز کی باتیں ۔۔۔ ہزار آئینہ ہو دِل پر کدُورت آ ہی جاتی ہے

عجب رُوداد ہے اپنی، بیاں کرتے ہیں ہم جس سے ۔۔۔ نِکل آتے ہیں آنسو، اس کو رقت آ ہی جاتی ہے

کوئی محبوب اُس کی جان کا سائل جو ہوتا ہے
جُھکا لیتا ہے بحرؔ آنکھیں مروّت آ ہی جاتی ہے

کیا کسی سے کام، ہوں میں دل فگار سبزہ رنگ ۔۔۔ میرے زخم دل کے پھائے ہیں عذار سبزہ رنگ

کیوں نہ ارباب نظر میں ہو وقار سبزہ رنگ ۔۔۔ حق تعالیٰ کو بھی ہے مقبول یار سبزہ رنگ

حُسن گل دو روزہ، حُسن شمع یک شب پھر کہاں ۔۔۔ بے خزاں مجھ کو نظر آئی، بہار سبزہ رنگ

کِس کے پرتو سے زمرّد گوں ہے رنگِ آسماں ۔۔۔ کون اس موتی محل میں ہے نِگار سبزہ رنگ

سبزہ زارِ حُسن کی کیوں کر نہ ہو دونی بہار جب دوشالہ سردئی اوڑھے وہ یار سبزہ رنگ
آنکھ کی پُتلی میں کچھ صورت پرستی چاہیئے زنگ خوردہ آئینہ کرتا ہے کار سبزہ رنگ
نخل بند آفرینش سے دعا مانگو یہ بحرؔ
دفن ہوں صحن چمن میں جاں نثارِ سبزہ رنگ

صاحب کہیں ظہور کرو کائنات میں دولہا کو آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں برات میں
سُنتا ہوں ان کے منھ سے کدورت بھرے کلام اُڑتی ہے خاک چشمۂ آبِ حیات میں
تسخیر وہ پری ہو یہی آرزو رہی اس نقشِ حب نے جان مری لی زکات میں
ہم گرد خیمہ پھرتے ہیں تم جھانکتے نہیں کیا کٹ گئی طناب محبت قنات میں
اللہ رے تشنگانِ شہادت کا مرتبہ
اے بحرؔ آب خون ہُوا ہے فرات میں

لکھنؤ کی شاعری میں تصوف کی جگہ علم وعرفان کو اہمیت دی جاتی تھی، اس موضوع کے ذیل میں سلوک ومعرفت، قناعت، بے ثباتیِ دنیا، موت' قبر اور فنا جیسے اخلاقی پہلو پر نہایت دِل آویز اشعار دبستان لکھنؤ کی غزلوں میں موجود ہیں۔ بحرؔ لکھنوی کی غزلوں میں ایسے اشعار کی کثرت ہے:-

علائق سے ہو آزادی فقیری اس کو کہتے ہیں کفن کو بھی نہ رکھے کچھ، قلندر ہو تو ایسا ہو

پردہ دوئی کا اُٹھ گیا وحدت کی آنکھ سے دیکھا مجاز کو جو حقیقت کی آنکھ سے

ہر خاک نشیں مظہر انوار خدا ہے ہر دانۂ ذرّات میں خرمن نظر آیا

دِل غنی رکھتے ہیں درویش امیروں کی طرح بوریا چاہیئے مسند کے برابر اپنا

ناظمِ مُلکِ قناعت ہوں فقیری ہے گواہ نہ علاقہ مجھے شاہی سے مُلّا نہ نوآبی سے

شوقِ دیدار جو منظور نظر اس کا ہے ہم جدھر دیکھتے ہیں جلوہ اُدھر ہوتا ہے

کُچھ نہ سمجھے آئینہ کی شکل حیرت میں رہے ایک ہے دیکھا نہ دیکھا عالمِ ایجاد کو

یہ بات سچ ہے کہ دنیا مقامِ عبرت ہے　　کہ خواب دیکھتے ہیں جب خیال کرتے ہیں

نیرنگیٔ دنیا کا تماشا ہے نمایاں　　غفلت اسے کہتے ہیں کہ عبرت نہیں ہوتی

محراب میں سجود کیئے شیخ نے تو کیا　　خنجر تلے جو سجدہ ادا ہو تو جانیئے

بحرؔ لکھنوی کے مرثیئے اور سلام

بحرؔ لکھنوی کی مرثیہ نگاری کے سلسلے میں محققین نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ سفارش حسین نے پہلی مرتبہ ''اردو مرثیہ'' میں نشاندہی کی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

''مرثیئے نے آہستہ آہستہ اردو شاعری میں وہ جگہ حاصل کرلی تھی کہ اب عقیدت کے لئے ہی نہیں بلکہ سند کے لئے بھی شاعر کو مرثیہ کہنا پڑتا تھا، تاکہ کلام پر اُس کی قدرت کا اندازہ ہو سکے، لکھنوٴ کی فضا نے اسے اور ترقی دی، بحرؔ لکھنوی کی مرثیہ گوئی اِسی کے تحت میں ہے''۔

سفارش حسین نے صرف تین بند ایک مرثیئے سے درج کئے ہیں۔ بحرؔ لکھنوی کے مرثیئے علی گڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہیں، مندرجہ ذیل مرثیئے راقم الحروف کے کتب خانے میں بھی موجود ہیں:-

۱۔ افسوس ہے مسلمؑ سے منافق ہوئے کوفی	۳۸ بند	درحال حضرت مسلمؑ
۲۔ بعد شبیرؑ کے عابد نے مُصیبت دیکھی	۴۴ بند	درحال حضرت سیّد سجّادؑ
۳۔ جب آفتابِ عید شہادت عیاں ہوا	۱۳۲ بند	درحال حضرت اِمام حسینؑ
۴۔ جب قناتوں میں عدو آگ لگانے آئے	۳۰ بند	درحال شامِ غریباں
۵۔ داخل خانۂ زنداں ہوئے جس دم قیدی	۲۸ بند	درحال زندانِ شام
۶۔ سر کٹانے کو جو رن میں شہؑ والا آئے	۲۲ بند	درحال حضرت اِمام حسینؑ
۷۔ شور ہے شام میں آج اہل حرم چھُٹتے ہیں	۴۰ بند	درحال اہلبیتؑ کی رہائی
۸۔ کربلا میں جو نامہ بر آیا	۴۰ بند	درحال قاصدِ صغرؑا

بحرؔ لکھنوی کے مرثیوں کا کنیڈا وہی ہے جو میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کا تھا۔ لیکن انہوں نے اُسلوب بیان میں بعض نئے گوشے تلاش کئے ہیں، بعض استعارے اور بلیغ اشارے غزلیہ رنگ میں پیش کئے

ہیں اُن کا ایک مرثیہ قلمی ہمارے ذخیرۂ مراثی میں ایسا ہے جس میں مرثیئے کے تمام عناصر ملتے ہیں، چہرہ، رخصت، آمد، رجز، جنگ، تلوار، گھوڑا اور مصائب بھی کچھ نظم کیا گیا ہے۔

مرثیہ نگاری:-

افسوس ہے مسلم سے منافق ہوئے کوفی　　ارباب ضلالت کے موافق ہوئے کوفی
کاذب ہوئے قولوں پہ نہ صادق ہوئے کوفی　　پڑھ کر کلمہ لعن کے لائق ہوئے کوفی
سب پھر گئے بیعت سے کسی نے نہ وفا کی
پردیس میں مہمان مسافر سے دغا کی

تلوار:-

وہ حیدری تلوار تھی یا شعلہ محرق　　ناری تھے شراروں کی طرح سب متفرق
اِک تیر کے پلّے سے یہ کہتے تھے منافق　　واللہ کہ سب شیر ہیں حیدرؑ کے لواحق
تنہا جو ہزاروں سے لڑے کون بشر ہے
یہ ہاشمی کا دِل ہے عقیلی کا جگر ہے

مقطع:-

خالق سے دعا کر بطفیل شہ لولاک
پابند کی اب عقدہ کشائی ہو الٰہی
تحسین علی خاں کی رہائی ہو الٰہی

بحر لکھنوی کا مرثیہ ہے:-

شور ہے شام میں آج اہل حرم چھٹتے ہیں

یہ مرثیہ اہل بیتؑ پیمبرؐ کی قید سے رہائی کے حال سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت زینبؑ ظالم حاکم یزید کے ظلم وستم بیان کرتی ہیں:-

تو نے سب قتل کئے آلِ پیمبرؐ ظالم　　تو نے اولادِ علیؑ کو کیا بے سر ظالم
تو نے تاراج کیا فاطمہ کا گھر ظالم　　تو نے معصوموں کا لوٹا زر و زیور ظالم
در بدر شہر میں تو نے ہے پھرایا ہم کو
اپنے دربار میں سر ننگے بُلایا ہم کو

سُن کے یہ بیوؤں سے پھر کہنے لگا وہ ملعوں   خوں بہا شاہ کا منظور ہو تو منگوا دوں
کہا زینبؑ نے تو کیا دیوے گا اے سفلہ دوں   عرقِ شہؑ کی نہ اک بوند نہ دُرِ مکنوں
خوں بہا میں اگر آفاق کی دولت ہووے
میرے بھائی کے نہ اک قطرے کی قیمت ہووے

عرصۂ حشر میں جس وقت کہ آئے گی بتولؑ   کہہ کے فرزندوں کا غم سب کو رُلائیگی بتولؑ
لب پہ مذکور شہادت کا بھی لائیگی بتولؑ   عرش کے پائے کو رو رو کے ہلائیگی بتولؑ
اُس گھڑی شرم سے منہ پھیر نہ لینا ظالم
خوں بہا حضرتِ زہراؑ کو تو دینا ظالم

بحرؔ لکھنوی کا ایک اور قلمی مرثیہ قید خانۂ شام کے حالات پر مشتمل ہے:۔

داخلِ خانۂ زنداں ہوئے جس دم قیدی   خاک پر بیٹھ کے رونے لگے باہم قیدی
بین کرتے تھے یہ اس طرح سے پُرغم قیدی   مرگیا فاطمہؑ کا لال ہوئے ہم قیدی
کوئی وارث نہیں اور دولت و زر پاس نہیں
دائم الحبس ہوئے چھوٹنے کی آس نہیں

اس مرثیے میں امام حسینؑ کی کم سن بیٹی حضرت سکینہؑ کی شہادت کا دردناک بیان ہے، ماں، پھوپھی اور بہن کے بین حضرت سکینہؑ کی لاش پر نہایت پُراثر ہیں:۔

کہہ کے اس بچّی نے یہ راستہ جنّت کا لیا   کہا زینبؑ نے مری جان یہ کیا قہر ہوا
باپ کا ساتھ دیا، ساتھ پھوپھی کا نہ دیا   جھیل کے پیاس کا دُکھ جام شہادت کا پیا
تمھیں شبیرؑ نے سونپا تھا مجھے مرگئیں تم
بھائی کی روح سے شرمندہ مجھے کرگئیں تم

لے کے میّت کی بلائیں یہ کہا کبراؑ نے   کرگئیں کوچ ملیں بھی نہ بہن تم مجھ سے
قید سے آپ چھٹیں اور چھڑایا نہ مجھے   اٹھ سکے دکھ نہ بہت ظلمِ رسن کے تم سے
کچھ مرے حال پہ تم نے نہ کیا دھیان بہن
کس بُرے وقت میں بچھڑی ہو مری جان بہن

ہمارے ذخیرۂ مراثی میں بحرؔ لکھنوی کا ایک اور طویل مرثیہ ہے، جس کا مطلع ہے:-

سر کٹانے کو جو رن میں شہؑ والا آئے

اس مرثیے میں بہت جلدی جلدی مناظر بدلتے ہوئے نظر آتے ہیں، مرثیہ بہت تیزی سے آگے بڑھتا ہے، امام حسینؑ فوجِ شام پر حملہ فرماتے ہیں:-

لافتیٰ پڑھ کے شہؑ دیں نے بھی کی تیغ علم　　خوف سے فوج ستم ہوگئی درہم برہم
بھاگتے پھرتے تھے روباہ صفت اہل ستم　　کردیا شیر نے تیروں کے نیستاں کو قلم
تیر اس شاہ پہ گو مینہ کی طرح پڑتے تھے
پر عجب شان سے میدان میں کھڑے لڑتے تھے

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اشقیا نے سادات کے خیموں میں آگ لگادی اور پھر سب کو اسیر کر کے یزید کے دربار میں لے گئے۔ بحرؔ لکھنوی نے یہ تمام تفصیلات دو بندوں میں نظم کر دی ہیں۔

اتنے میں خیمے میں در آئے ہزاروں ہی شقی　　سر جھکا بیٹھ گئے خاک پہ ناموسِ نبیؐ
خوف سے چھا گئی معصوموں کے منہ پھر زردی　　سہم کر کہنے لگے ہم کو چھپائے کوئی
فوج قاتل کے جفا کار نظر آتے ہیں
خوف کے مارے جگر آب ہوئے جاتے ہیں

سُن کے یہ بچّوں کی باتیں حرم نیک صفات　　بس نہ کچھ چلتا تھا ملتے تھے تاسف سے ہات
الغرض قید انھیں کر کے وہ فوجِ بدذات　　لے گئے حاکم بے دین کے آگے ہیہات
ساری مجلس کی بس اس وقت بھر آئی آنکھیں
شرم سے حاکمِ بے دین نے جُھکائی آنکھیں

بحرؔ لکھنوی نے ایک مرثیہ ''بحرِ خفیف مسدس مخبون مقطوع'' میں نظم کیا ہے، اس بحر میں مسکینؔ، کرم علیؔ، افسردہؔ، مرزا فصیحؔ، حبیبؔ، خورشیدؔ لکھنوی، محمد تقی اخترؔ لکھنوی، میر سلیسؔ کے مرثیے بھی موجود ہیں:-

کربلا میں جو نامہ بر آیا کشت و خوں دشت میں نظر آیا
سینہ اندوہ و غم سے بھر آیا جی میں کہتا تھا میں کدھر آیا
میں کہاں اور یہ مقام کہاں
کس سے پوچھوں حسینؑ امام کہاں

تیغیں کھینچے ہوئے ہے فوج کھڑی ہر طرف لاش پر ہے لاش پڑی
کس گنہہ پر سپاہ ان سے لڑی ہوئی تشویش اس کے دل کو بڑی
خاک و خوں میں بدن اٹے دیکھے
کئی بچوں کے سر کٹے دیکھے

ناگہاں اک طرف گئی جو نگاہ دیکھا اک شخص کو بہ حال تباہ
ہے لہو کی شفق میں صورت ماہ زخمی ہے شیر بیشۂ جنگ گاہ
صدمہ ہر چند جسم و جاں پر ہے
عاصیوں کو دعا زباں پر ہے

سفارش حسین نے ''اردو مرثیہ'' میں لکھا ہے ''بحرؔ لکھنوی کا یہ مرثیہ معمولی ہے مگر زبان بہت ہلکی اور روانی بے انتہا ہے''۔

راقم الحروف کے ذخیرۂ مراثی میں بحرؔ لکھنوی کا ایک قلمی مخطوطہ ہے جس میں چھ ۶ سلام ہیں۔ ایک سلام نمونے کے طور پر درج ذیل ہے:-

سلام

بحرائی رن میں جو پیاسے شہ والا آئے گھاٹ روکنے دستے لبِ دریا آئے
شاہ سمجھاتے تھے بانو کو تو وہ کہتی تھی آنسو پوچھے علی اکبرؑ تو نہ رونا آئے
میرے فرزند کی چھاتی پہ لگی ہے برچھی ماں ہوں کیونکر نہ میرا منھ کو کلیجا آئے
خوانِ زنداں میں جو کھولا تو سکینہ نے کہا میرے مونس میرے صاحب میرے شیدا آئے
مجھ کو رخصت کرو اب کوچ ہے دنیا سے میرا امّاں صاحب میرے لینے کو میرے بابا آئے
کون سی ماں ہے، جو بیٹے کے نہیں غم میں شریک کیا عجب ہے جو یہاں رونے کو زہراؑ آئے
بحرؔ کے نظم میں یا شاہ اثر دو ایسا
جو سُنے اُس کے مضامیں اُسے رونا آئے

سلام

سلامی سوزشِ غم دیکھ غمگساروں کی
بجائے اشک ہے ایک روگی شراروں کی

سلامی تھی یہ منادی ستم شعاروں کی
زباں نہ پانی سے تر ہو نبیؐ کے پیاروں کی

اُدھر کو خارِ مغیلاں تلک تھے شادابی
بہار میں تھی خزاں شہؑ کے گلعذاروں کی

دکھ، خیمے کی آگ اور وہ دھوپ اور وہ پیاس
بیان کیا کروں حالت جگر فگاروں کی

حرم تو تکتے تھے دریا کو در سے جا جا کر
نظر تھی جام و صراحی یہ شیر خاروں کی

ہوا بلند جو خورشید بولے یاس سے شاہ
ہے فکر کچھ تمہیں عباسؑ شیر خاروں کی

حسینی فوج کا یہ رعب تھا کہ میداں میں
پلک جھپکتی تھی ایک ایک سے ہزاروں کی

ادھر سے ایک پیادے نے جب کیا حملہ
تو باگیں مڑ گئیں وہاں سیکڑوں سواروں کی

کہوں میں گیسوئے اکبرؑ پہ کیا پسینے کا رنگ
بہار تھی شب معراج کے ستاروں کی

سنی جو آمد عباسؑ بولا فوج سے شمر
شتاب روک لو رہ گھاٹ اور کناروں کی

رضائے جنگ بڑی مشکلوں سے دیتے تھے
جدائی شاق تھی حضرت کو جاں نثاروں کی

جب آ کے ڈیوڑھی پہ روتی تھی درد سے صغراؑ
قلق سے چھاتیاں پھٹتی تھیں رہ گزاروں کی

حرم یہ کہتے تھے شاہاؑ ، نہ جاؤ میداں کو
نہیں ہے کوئی حفاظت کو پردہ داروں کی

یہی تھی گفتگو عابدؑ سے شہ کی تا دمِ مرگ
دعا نہ بھولیو بیٹا گناہ گاروں کی

تڑپ رہی تھیں تہ آب ماہیانِ فرات
پڑی تھیں لاشیں جو ساحل پہ بے قراروں کی

کہا یہ بانوؑ نے اصغرؑ کی یاد آتی ہیں
ہمک ہمک کے وہ باتیں، مجھے اشاروں کی

قلق جو ہوتا تھا تنہائی سے تو جا جا کر
حسینؑ روتے تھے لاشوں پہ غمگساروں کی

بتولؑ آئی جو رن میں تو بولی، باغیوں نے
بنائی شکل عجب میرے گلعذاروں کی

پھرے جو شام سے عابدؑ تو آ کے مقتل میں
سواریاں سب اتروائیں سوگواروں کی

نہ پوچھو اُس گھڑی کا شور گریہ و زاری
فلک کے پار تھی فریاد غم گساروں کی

ٹھنی ہے دل میں یہی تجرؔ ہو جو یاریٔ بخت
تو چل کے کیجئے زیارات اُن مزاروں کی

سلام

مجرائی تیغ شہؑ کے گلے پر جو چل گئی
فرمایا شکر آرزوئے دل نکل گئی

شبیرؑ کو تھی فکر یہی صبح قتل کو
جانا نہ ہوئیگا جو سکینہ مچل گئی

عباسؑ کا فرات پہ جب سر ہوا قلم
پیاسے گلے سے خون کی ندی اُبل گئی

بیمار نے لکھا تھا یہ عرضی میں شاہ کو
اے بابا مت یہ سمجھو صغراؑ سنبھل گئی

جلدی خبر لو غم سے بُرا حال ہے میرا
ورنہ یہ جان لو میری جان آج کل گئی

صغرا کے نامہ بر نے نہ پہچانا آن کر
زخموں سے تھی یہ شاہ کی صورت بدل گئی

جنّت سے نکلی فاطمہ زہراؑ اڑاتی خاک
جس دم سُنا حسینؑ پہ تلوار چل گئی

سلام

بیوہ بنی سے مادرِ قاسمؑ یہ کہتی تھی
شرم و حجاب رونے میں کرتی ہے تو عبث

وہ تو رہے نہ جن سے تھی شرم و حیا تجھے
گھونگھٹ میں سر جھکائے ہے اے نیک خو عبث

فرمایا شہؑ نے کیا اسے لڑنے کی تھی امنگ
اصغر کا میرے تیر سے چھیدا گلو عبث

قاصد سے شہؑ نے کہا کہہ دیجیو یہی
صغراؑ پدر کے دید کی ہے آرزو عبث

بولے عدو کہ تم تو ہو صابر بہت امام
فرزند اپنا ڈھونڈتے ہو سو بہ سو عبث

زینبؑ پکاری بانو کو اکبرؑ ہوئے تمام
ہے زخم سینہ کی تجھے فکر رفو عبث

شہؑ نے کہا نماز تو پڑھ لوں لگانا تیر
کرتے ہو جلدی قتل کی اے جنگجو عبث

بے فائدہ ہے دیکھتی نہر فرات کو
چشموں سے تو بہاتی ہے اشکوں کی جُو عبث

اہل حرم یہ کہتے تھے سر ننگے کر چکے
ظالم ہمیں پھراتے ہیں اب کو بکو عبث

جنّت کی گر ہوس ہے تو چل سوئے کربلا
اے بحرؔ اپنے جرم سے غمگیں ہے تو عبث

سلام

مجرائی خزاں نے بھی کوئی نہ چمن چھوڑا
شاداب نہ اصغر سا بھی غنچہ دہن چھوڑا

عباسؑ جو مارے گئے شہؑ نے کہا زینبؑ سے
اس وقت میں بھائی نے بھی ہم کو بہن چھوڑا

قاسمؑ جو چلے مرنے کبریٰؑ سے کہا سب نے
نوشاہ کے دامن کو کیوں تو نے دلہن چھوڑا

قاسمؑ کو یہ اعدا نے ٹکڑے کیا تیغوں سے
ثابت نہ کسی جا پر جو اُس کا بدن چھوڑا

شہؑ نے کہا یہاں سے بھی ہم جاتے ہیں جانے دو
لو ہم نے بلا کا بھی اے ظالمو بن چھوڑا

عباسؑ کے لاشے سے کہتی تھی سکینہ یوں
تم نے بھی چچا مجھ سے الفت کا چلن چھوڑا

پینے کو گئے پانی تم آپ تو کوثر پر
اس پیاری بھتیجی کو یہاں تشنہ دہن چھوڑا

لوٹا تھا لعینوں نے اسباب شہیداں تک
جو شہؑ کے نہ تن پر بھی ملبوس کہن چھوڑا

شملہ علی اکبرؑ کے سر پر نہ رکھا باقی
دولھا کے نہ بر میں بھی شاہانہ برن چھوڑا

کوفے جو لگیں جانے سب بیبیاں کہتی تھیں
کس ہم نے بُری ساعت تھا اپنا وطن چھوڑا

مقتل میں سکینہ یوں رو کر لگی چلانے
ہے ہے مرے بابا کو بے گور و کفن چھوڑا

کہتی تھی کھڑی زہراؑ ہے ہے میرے پیارے کے
سر کو رکھا نیزے پر اور خاک پہ تن چھوڑا

جاتے تھے چلے عابد جو کھینچتے اونٹوں کو
کہتے تھے مجھے سب نے با حال محن چھوڑا

بابا ہے نہ بھائی ہے جو مجکو سنبھالے اب
غش سا چلا آتا ہے طاقت نے بدن چھوڑا

اے بحرؔ طبیعت کا بس فرق ہے مضمون میں
ورنہ شعرا نے ہے کوئی بھی سخن چھوڑا

سلام

قاسمؑ کو لڑتے دیکھ کے ماں کرتی تھی دعا
یا رب شہانا جوڑا کہیں خوں میں تر نہ ہو

زلفیں چھپاتی تھیں رخ اکبرؑ کو اس لئے
ہمشکلِ مصطفےٰ کو کسی کی نظر نہ ہو

کہتی تھی بانو شام کے لشکر کو دیکھ کر
اس ابر میں چھپا مرا رشک قمر نہ ہو

اکبرؑ نے زخم کھا کے دھرا ہاتھ سینے پر
تا شہؑ کا دیکھ کر کہیں ٹکڑے جگر نہ ہو

مسلمؑ کی زوجہ کہتی تھی ہر نخل دیکھ کر
جس میں وہ گل چھپے تھے یہ وہ ہی شجر نہ ہو

کہتی تھی صغراؑ کیا ہے جواب تک پھرا نہیں
بھولا وطن کی راہ مرا نامہ بر نہ ہو

کوفے میں جس طرح سے حرم کو بکو پھرے
دنیا میں یوں اسیر کوئی در بدر نہ ہو

اے بحرؔ غم نے شہؑ کے، جگر کو کیا ہے آب
کیوں کر مرے کلام کا دل میں اثر نہ ہو

سلام

بیاہ کی صبح کو آیا جو سلامی کے لئے
دیکھ کر رہ گئے منھ شاہ زمن دولھا کا

بیبیاں تو یہی کہتی تھیں نہ مانگو رخصت
دو رضا رن کی مجھے تھا یہ سخن دولھا کا

ماں یہ سمجھاتی تھی دولھا ہو نہ جاؤ رن کو
لوگ دیکھیں گے یہ کیسا ہے چلن دولھا کا

پھولوں کا گہنا نہ راس آیا بنے قاسمؑ کو
مثل گل ہوگیا سو ٹکڑے بدن دولھا کا

تازہ غم قاسمؑ و کبراؑ کا مجھے ہوتا ہے
بحرؔ سنتا ہوں جو میں ذکر دلھن دولھا کا

بحرؔ لکھنوی کے شاگرد بہت تھے، خاصی تعداد صاحبِ دیوان شعرا کی ہے، اُن کے مشہور شاگردوں میں امداد حسین صفیرؔ فرخ آبادی، مرزا علی جان شفقؔ، میر عسکری سالمؔ، رام چرن گردابؔ، مرزا محمد بیگ تحیرؔ، میر عباس علی شادؔ، حکیم محمد رضا اشراق، مولوی سید غلام حسین قدرؔ بلگرامی کا کلام دستیاب ہے، اِن شعرا میں چند مرثیہ نگار کی حیثیت سے بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

بحرؔ لکھنوی کا غیر مطبوعہ مرثیہ

جب آفتابِ عیدِ شہادت عیاں ہوا ۱ اور بے چراغ فاطمہؑ کا خانداں ہوا
شہزادۂ جبرئیل رن کو رواں ہوا جنگل میں بوستانِ حسینی خزاں ہوا
غُل تھا کہ باغیوں نے یہ کیسا ستم کیا
کیسی جگہ نبیؐ کے چمن کو قلم کیا

تھی عید سب شہید قضا کے گلے ملے ۲ اور خنجرِ ستم شہدا کے گلے ملے
اصغرؑ بھی جب کہ تیر جفا کے گلے ملے جا کر حسینؑ آلِ عبا کے گلے ملے
دیکھا کہ بیویں غش میں ہیں پیاروں سے چھوٹ کر
جیسے گرے زمین پہ تسبیح ٹوٹ کر

فرزند کے قلق سے کوئی ماں بنی نوحہ زن ۳ بھائی کو اپنے پیٹ رہی تھی کوئی بہن
بابا کو رو رہا ہے کوئی طفلِ خستہ تن گھونگھٹ میں نتھ اُتار رہی ہے کوئی دلہن
شرمندہ ایک ایک سے ہونے لگے حسینؑ
منہ ہر طرف سے پھیر کے رونے لگے حسینؑ

آئے قریبِ مسندِ پیغمبرِ خدا ۴ سوچا کئے کھڑے ہوئے کچھ شاہِ کربلا
آخر اُتارا سَر سے عمامہ رسُولؐ کا چُوما اور اُس کو تکیے پہ مسند کے رکھ لیا
کھولا کمر سے جب کہ کمر بندِ مرتضیٰؑ
رویا کمر پکڑ کے جگر بندِ مرتضیٰؑ

پھر سب لہو پڑے ہوئے کپڑے اُتار کے ۵ مسند پہ اپنی نانا کے رکھے سنوار کے
ہوش اور ہی اُڑے حرم بے قرار کے پر چپ تھے رونے سے شہؑ نامدار کے
حیرت تھی کیوں لباس اُتارا حسینؑ نے
اب قصد کیا کیا ہے شہ مشرقین نے

کہنے لگی یہ بانو سے ہمشیر شاہِ دیں ٦ محرم ہے تو حسینؑ کی اے بیکس و حزیں
جا دیکھ کوئی تیر کلیجے میں تو نہیں وہ بولی اب فلک نظر آتی ہے یہ زمیں
دیکھوں گی کیا میں زخم امام غیور کا
آنکھوں کا نور لے گیا اکبرؑ حضور کا

گھبرا کے فضہ دوڑی سوئے شاہِ حق شناس ۷ اور دیکھا پشت و سینہ کو پھر پھر کے آس پاس
پوچھا خوزادے تم نے اُتارا ہے کیوں لباس ہے ہے بتاؤ جلد کہ زینبؑ ہیں بے حواس
باراں ہے رن میں تیروں کا بچنے کی جا نہیں
ہے ہے جگر میں تو کوئی ناوک لگا نہیں

شہ بولے تیر تو نہیں نیزہ جگر میں ہے ۸ اکبرؑ کے دِل کا گھاؤ ہماری نظر میں ہے
کہہ دے بہن سے بھائی خیالِ سفر میں ہے منزل پہ کارواں گیا شبیرؑ گھر میں ہے
فرمائش اِک کروں گا تمہیں سے بلاؤں گا
اب رن کو جاؤں گا تو کبھی پھر نہ آؤں گا

زینبؑ بھی تھی قریب سُنا شہؑ کا یہ کلام ۹ گھبرا کے سوچنے لگی دل میں وہ تشنہ کام
فرمائش اور کیا ہے، کہیں گے یہی امام مرنے کو جاتا ہوں مرے بچّوں کا ہاتھ تھام
سب مر چکے، حسینؑ کی اب موت آئی ہے
ہے ہے میں اب بھی مر نہیں جاتی دوہائی ہے

ناگہ بہن کو حکمِ شہ کربلا ہوا ۱۰ دیکھو تبرکات میں ہوگا دھرا ہوا
زینبؑ لباس لاؤ پرانا پھٹا ہوا وہ بولی ہائے بھائی یہ ارشاد کیا ہوا
کہنہ لباس حضرتِ شبیرؑ پہنیں گے
رو کر کہا حسینؑ نے ، ہمشیر پہنیں گے

منظور ہے کہ رختِ کہن ہو کفن مرا ۱۱ ہے شرم کی جگہ جو برہنہ ہو تن مرا
بے رحم بعدِ ذبح نہ لیں پیرہن مرا مطلب تو یہ ہے ، آگے مقدر بہن مرا
کوئی پھٹا لباس کہیں لوٹتا نہیں
پر میں ہوں اُن کے بس میں کہ جن کو حیا نہیں

یا تو حرم خموش کھڑے تھے بحال یاس — یا اس بیاں کو سُنتے ہی دوڑے وہ بے حواس
گھبرا کے پھر رہی تھی بہن شہ کے آس پاس ۱۲ کہتی تھی وہ اُتارا ہے اس واسطے لباس
پیشِ خدا لباسِ فقیری سے جائیں گے
کپڑے پھٹے پہن کے گلے کو کٹائیں گے

بہرِ مدد کسی نے ندا دی رسولؐ کو — کوئی حسنؑ کو ، کوئی پکاری بتولؑ کو
غش آ گیا قلق سے کسی دل مُلول کو ۱۳ اک سونگھتی تھی پیار سے زہراؑ کے پھول کو
اکبرؑ کا نام لے کے کوئی تلملاتی تھی
عباسؑ کو فرات سے کوئی بُلاتی تھی

چلّا رہی تھی کوئی کہ احسان کیجئے — مشکل پڑی ہے یا علیؑ آسان کیجئے
بے وارثوں کی وارثی اس آن کیجئے ۱۴ ہم سب کو اپنے لعل پہ قربان کیجئے
در در نہ ہوں حسینؑ کے آگے حرم مریں
مظلوم کربلا کی بلا لے کے ہم مریں

زینبؑ سے بانو کہتی تھی لونڈی ترے فدا — کپڑے پھٹے نہ لا میرا رنڈ سالہ جلد لا
اے دخترِ علی مری نتھ چوڑیاں بڑھا ۱۵ آخر ہوا سہاگ رنڈاپا گلے پڑا
حاضر ہے جان بدلے شہ مشرقین کے
بیوہ بنا کے گرد پھراؤ حسینؑ کے

ناگاہ لائی رختِ کہن بنتِ مرتضیٰ — بھائی کو دے کے منہ پہ لیا گوشہ ردا
استادہ قبلہ رو ہوئے مظلوم کربلا ۱۶ دیکھا جو کھول کر تو بہت وہ پھٹا تھا
حضرت نے اور چاک وہ رختِ کہن کیا
پھر جلد شوقِ مرگ میں زیبِ بدن کیا

پہنے تھے چار جامہ نیا شاہِ بے وطن — اس کو بھی پرزے پرزے کیا ہائے دفعتن
بھائی کی شان دیکھ کے رونے لگی بہن ۱۷ مڑ کر سوئے بقیعہ پکاری وہ خستہ تن
ہم سب عزیز مردہ عزادار بن چکے
لو اماں بھائی جان کفن بھی پہن چکے

تشریف لایئے کہ یہ وقتِ اخیر ہے پہچانیئے یہ کون بلا میں اسیر ہے [۱۸]
ہے ہے یہ جانشینِ جنابِ امیرؑ ہے سرتاج اہل بیت رسولؐ قدیر ہے
سلطانِ دوجہاں کی اسیری کو دیکھئے
پہنے ہوئے لباسِ فقیری کو دیکھئے

شہؑ نے کہا خموش مری بے وطن بہن ہلتا ہے جس سے عرش وہ ہیں یہ سخن بہن
تم پیٹتی ہو دیکھ کے رخت کہن بہن [۱۹] میں تو وہ ہوں جسے نہ ملے گا کفن بہن
لیکن کفن کا غم ہے نہ سر کی جدائی کا
ناسور ہے جگر میں مری بے ردائی کا

زینبؑ پکاری کاش بہن بے ردا پھرے پر آپ کے گلے پہ نہ تیغ جفا پھرے
شہؑ نے کہا خدا نہ کرے جو قضا پھرے [۲۰] دربار ذوالجلال سے محضر مرا پھر
لو زینبؑ الوداع سنبھالو سکینہ کو
ماتم کرو حسینؑ کا پالو سکینہ کو

پٹکا علیؑ کا اُس نے اٹھایا بہ اشک و آہ اور باندھنے لگی وہ کمر پھر کے گرد شاہ
ناگاہ یوں گری کہ ہلا صحنِ خیمہ گاہ [۲۱] چلائی بھائی تم نے بھی کی اس گھڑی نگاہ
پہلو پکڑ کے اٹھتی ہیں اور اٹھ کے گرتی ہیں
سر ننگے فاطمہؑ بھی مرے ساتھ پھرتی ہیں

القصہ شہؑ نے زیبِ کمر ذوالفقار کی باندھی سپر بھی حمزہؑ عالی وقار کی
حسرت سے چار آئینے پہ آنکھ چار کی [۲۲] مختارِ جزوکل نے قضا اختیار کی
ہستی نے دی ندا کہ ہے باری حضور کی
بولی قضا کہ لاؤ سواری حضور کی

دیکھا جو بانو نے کہ شہؑ بحر و بر چلے دامن پکڑ لیا کہ یہ کیا مجھ سے کر چلے
صاحب کدھر چلے مرے والی کدھر چلے [۲۳] ٹھہرو حسینؑ ٹھہرو کہ سب لوگ مر چلے
ناکام و نامراد ملول و حزیں رہے
اکبرؑ کے پاس آپ چلے ہم یونہیں رہے

سب کو وداع شاہ نے بار دگر کیا   روزِ وغا فرس کو غیرتِ تیغِ قمر کیا
گویا زبانِ حق نے دہن میں گزر کیا   ۲۴   غنچے کے دل میں گلشنِ قدرت نے گھر کیا

انگشتریٔ دیں کے جلال آشکار تھے
شبیر اسم اعظم پروردگار تھے

آتا ہے کون یہ کہ زمیں سے ہے رن جدا   ۲۵   سینے سے دل جدا ہیں سروں سے بدن جدا
بھولے ہیں راہ شیر جدا اور ہرن جدا   غل ہے حرم میں ہوگئے بھائی بہن جدا

زینبؑ پھری ہے خیمے میں سر کھولتی ہوئی
آئی ہے موت پیشِ نگہ بولتی ہوئی

آگے جلو میں خاک بسر روح بوترابؑ   ۲۶   پیچھے رسولؐ زادیٔ کونین بے نقاب
دہنے کو دوستوں کے لئے لشکر ثواب   بائیں دشمنوں کے لئے مجمع عذاب

مظلومیت کا چہرہ اور اس پہ نور ہے
رحمت ہے پاس پاس غضب دور دور ہے

بر میں نبی کا جامۂ عنبر شمامہ ہے   ۲۷   پُرعرق عطرِ شہیداں وہ جامہ ہے طرۂ شہید
جوڑا شہانہ اور گلابی عمامہ ہے   ہونے کا اقرار نامہ ہے

مثلِ رفیق شملوں کے گوشے چھٹے ہوئے
گھر کی طرح امیدوں کے گلشن لٹے ہوئے

ہے تاجِ افسرِ شہ لولاک فرق پر   ۲۸   یہ سر ہے زیب تاج تو وہ تاج زیبِ سر
محتاج تاج کا نہیں سلطانِ بحر و بر   سرتاج خود یہ خضر و سکندر کے ہیں مگر

دیتے ہیں سر رضائے الٰہی کے واسطے
رکھا ہے سر پہ تاج گواہی کے واسطے

آنکھوں سے عین رعب علیؑ آشکار ہے   ۲۹   گلگونہ کربلا کی زمیں کا غبار ہے
سایہ پلک کا سر پہ دنبالہ دار ہے   چہرہ دمِ اخیر گلِ نوبہار ہے

یوں خوش چلے ہیں باغ شہادت کی دید کو
جیسے نبیؐ کے سامنے آئے تھے عید کو

کیا عصمت و جلال امام کریم ہے [۳۰] لشکر سواد آیہ ذبح عظیم ہے
زُہرہ کا زہرا آب ہے جوزا دو نیم ہے بنی بطن میں صدف کے گہر دُریتم ہے
غل ہے کہ دم کی آمد و شد اب محال ہے
ہاں آمد سر آمد اہل جلال ہے

ہے بس کہ آمد شہ والا کی دھوم دھام [۳۱] باندھے پرا کھڑے ہیں ملائک پئے سلام
حاضر ہیں مسبحان فلک بہرِ اہتمام جنات کا ہجُوم ہے پریوں کا اژدہام
میکال تھامے ہیں گوشہ داماں حسینؑ کا
پلکوں سے ہے جبرئیل مگس راں حسینؑ کا

کونین دبدبے سے خبردار ہوگئے عرشی فرشتے غاشیہ بردار ہوگئے
ذرّے نگاہِ مہر سے زردار ہوگئے [۳۲] نقشِ قدم زمیں کے سر دار ہوگئے
جتنا حشم خدم تھا خدا کی جناب میں
آیا وہ سید الشہدا کی رکاب میں

جادو سے زور الگ ہے دعا سے اثر جدا پتھر سے لعل دور صدف سے گہر جدا
آہو سے نافہ، نافے سے ہے مشک تر جدا [۳۳] روباہ سے سیر شیر سے ہے شور وشر جدا
پاس ادب امام کا سب کو ضرور ہے
شیشے سے بادہ، بادہ سے پیمانہ دور ہے

محصول حرۂ شہ دیں ہے جدا جدا قبلہ سے سجدہ کعبہ سے حج کوہ سے صفا
قرآن سے خلاصہ اور ایمان سے حیا [۳۴] روزوں سے روزہ شب سے مناجات اور دعا
نکہت جناں سے تازگی آبِ حیات سے
احسنت ہے صَل علیٰ کا ممات سے

ہے لام و دال سے لب و دنداں کے آشکار لب ہیں کہ لب دومہِ نو بار بار
پیدا ہوئے ہیں شمس سے دُر ولعل بے شمار [۳۵] دنداں ہیں یا صفیں ہیں ستاروں کی ہمکنار
دیکھے عجب نجوم دہانِ حباب میں
یوسف نے یہ ستارے نہ دیکھے تھے خواب میں

بازارِ قدرِ آبِ بقا ہے ذقن سے سرد   پانی کے آگے جیسے تیمم کا حکم گرد
رنگ خضر ہے خضر خطا زرد ۳۶ یہ خضر گوشہ گیر ہے وہ خضر کوچہ گرد
ناگفتہ بہ لبوں کی ثنائے شنیدہ ہے
اک بات میں مسیح پردہ دریدہ ہے

مولا بہارِ سبزہ خط جب دکھاتے ہیں   آئینہ کو یہ طور سے سدرہ بناتے ہیں
غائب کو آئینے میں عدم سے ملاتے ہیں ۳۷ کیسا ملانا مردے کو فوراً جلاتے ہیں
گہہ عکس روبرو ہے گہے شرم خوردہ ہے
دیکھیں تو زندہ ہے جو نہ دیکھیں تو مُردہ ہے

مذہب میں اپنے سجدہ ہے پیشِ قد امام   بے یاد قامت شہ دیں ہے اذاں حرام
اب تک ہیں اس امام کے ماتم میں خاص وعام ۳۸ زانوں پہ ہاتھ مارتے ہیں پھیر کر سلام
آتا ہے سب کو حیف کہ امت نے کیا کیا
سجدے میں سر امام کا تن سے جدا کیا

چار آئینہ وہ قلعہ ہے جس سے دم وغا   ہے دور مثل قلعہ بیرون در بلا
پر یہ شرف حصارِ وضو کو فقط ملا ۳۹ چار آئینہ نہیں ہے یہ اعضا کی ہے ضیا
میرے امام کو نہیں درکار آئینہ
ہیں حصارِ واحباب وضو چار آئینہ

خوشبو ہے ذوالجناح کے کاکل سے یہ غبار   دہشت سے مشک خشک ہے عنبر ہے شرمسار
ہر نافۂ تتار کا پردہ ہے تار تار!!! ۴۰ ہنس کر خزاں پکارتی ہے آئی وہ بہار
چلّا رہی ہے فوج یہ موجِ نسیم کی
آمد ہے سروِ باغِ رسولؐ کریم کی

افسر جو ہیں انہیں سروتن کی خبر نہیں   جز نقشۂ اجل کوئی پیشِ نظر نہیں
دِل کانپتا ہے کہتے ہیں پاسِ جگر نہیں ۴۱ بچ جائے نقدِ جاں ہوسِ سیم و زر نہیں
بازار ناریوں کی شرارت کا سرد ہے
بے قرب شمع اشرفی رنگ زرد ہے

اک آن میں صفوں پہ ہزار انقلاب آئے
شبنم کی کیا بساط ہے جب آفتاب آئے
غل پڑ گیا جنابِ جلالت مآب آئے [٤٢]
مولائے عرش منزل و گردوں جناب آئے
دِل بہرِ پیشوائی تیغِ دو دم چلے
سر اُن کی گردنوں سے مثالِ قدم چلے

ڈر ڈر کے سارے بانی جور و ستم جُھکے
سرگرد ہائے شام کے سر تا قدم جُھکے
یاں صف جُھکی اُدھر کو برابر علم جُھکے [٤٣]
نخوت میں تھے جو فرد مثالِ قدم جُھکے
سہراب و زال گنجِ لحد میں اُچھل پڑے
شیروں کے سینے پھٹ کے کلیجے نکل پڑے

اور تیغ کی تو مُلکِ جناں میں دوہائی ہے
قطعِ دلیل کفر کی خاطر یہ آئی ہے
جوہر نے آبِ تیغ کو بیڑی پہنائی ہے [٤٤]
ورنہ ابھی تو کون و مکاں کی صفائی ہے
کلکِ قضا و تیغِ علیؑ ایک بیت ہے
یہ بیت مطلعِ شرفِ اہلبیتؑ ہے

کنبہ سپر کے جسم میں حیران ہیں بشر
دیتی تھی یہ خبر کہ حسین اس کا ہے سر
ڈھونڈو تو اک پر نہیں اور نام ہے سپر [٤٥]
کاٹے ہیں جس کی تیغ نے جبرئیل کے سہ پر
مطلب ہے یہ سپر کا تو سب کو پسند ہے
انگشتِ نیزہ بہرِ گواہی بلند ہے

مانند عمر طے کیا مقتل کی راہ کو
صادق نے نورِ صبح دیا وعدہ گاہ کو
تیار اپنے قتل پہ پایا سپاہ کو [٤٦]
ہادی نے دی ندا عمرِ روسیاہ کو
اب تک ترے لئے بھی ہے توبہ کا در کھلا
پھر کچھ نہ ہوگا جب مری اماں کا سر کھلا

کیوں ذبح کرتے ہو میں خدا کا خلیل ہوں
باطل کی تو سند ہے میں حق کی دلیل ہوں
بے پر ہوں پر میں زورِ پر جبرئیل ہوں [٤٧]
بے گھر نہ جان ساکنِ عرش جلیل ہوں
دنیا اگرچہ قبضۂ اہلِ دول میں ہے
واللہ ملکِ غیب ہمارے عمل میں ہے

چالیس آفتاب ہیں اس شمس کے سوا اوراک سے اک میں فرق ہے چالیس سال کا
آباد اُن کے بیچ میں ہے خلق کبریا [۴۸] شیطاں سے مطلع ہیں نہ آدم سے آشنا
ایسے رجوع قلب سے وہ محو ربّ ہوئے
یہ بھی خبر نہیں ہے کہ مخلوق کب ہوئے

بولا عمر وہ کون ہے کیا اُن کے نام ہیں ہنس کر حسینؑ بولے ہمارے غلام ہیں
ہم اُن کے مقتدا ہیں ہم اُن کے امام ہیں [۴۹] شرع نبیؐ پہ اُن کے عمل صبح و شام ہیں
تسبیح فاطمہؑ ہے خدا کی نماز ہے
اعدا سے احتراز ہے ہم سے نیاز ہے

جو کچھ ہمیں خبر ہے کسی کو خبر نہیں یہ کوچے وہ ہیں جس میں خضر کا گزر نہیں
یہ روز وہ ہیں جن سے کہ آگہہ سحر نہیں [۵۰] یہ ماہ وہ ہیں جن سے کہ واقف قمر نہیں
ناچار ہوں پہ چارہ گر اہل رنج ہوں
نادار ہوں پہ عِلم الٰہی کا گنج ہوں

منبر ہے عرش واعظ ہفت آسماں میں ہوں خطبہ ہے شرع قاضیٔ ہر انس و جاں میں ہوں
مسند ہے کعبہ مفتیٔ کون و مکاں میں ہوں [۵۱] کشور ہے دین حاکم ہر دو جہاں میں ہوں
میوہ ہے میرا گلشن جنّت میں باغ ہوں
پروانہ جبرئیل ہے اور میں چراغ ہوں

قرآں کا بطن ہوں خلف انزع البطین فخر جہان امام شریعت پناہِ دیں
قائم مقام قاعدہِ غُرّاالمحجّلین [۵۲] آرام بخش جمع تسلّی دوربیں
ہم نے بلند معجزوں کی قدر کو کیا
شق بدر کو شکن صفِ بدر کو کیا

چاہیں تو ہم زمیں کو ابھی آسماں کریں اعجازِ انبیائے سلف کو عیاں کریں
عیسیٰؑ صفت رواں تنِ بے جاں میں جاں کریں [۵۳] مثلِ خلیل نار کو باغ جناں کریں
موسیٰؑ کی طرح ساحروں کو پست کرتے ہیں
ہم اژدہا عصا کو بسرِ دست کرتے ہیں

غصّے سے گر ہماری جبیں پر شکن پڑے　　پھر سر پہ سر بدن پہ بدن، رن پہ رن پڑے
رن سے تمہیں بھی بے گریز کے کچھ بھی نہ بن پڑے　۵۴　روکیں سپر جو رُخ پہ تو سورج گہن پڑے
گردوں گرے چڑھائیں اگر آستین کو
ہم آستیں کی طرح اُلٹ دیں زمین کو

جس کی زمیں فلک ہے میں وہ آسمان ہوں　　ذرّوں پہ مہر، مہر پہ میں مہربان ہوں
قرآن کا جو دل ہے میں اس دل کی جان ہوں　۵۵　ہیں خشک لب حبیب خدا کی زبان ہوں
دل ہوں علیؑ کا کُڑھتا ہوں خلقت کے واسطے
چشمِ نبیؐ ہوں روتا ہوں اُمّت کے واسطے

پیاسا ہوں پر میں خضر بھی آبِ بقا بھی ہوں　　ہم سایہ بھی ہوں سایہ ربّ العلا بھی ہوں
ہمراہ بھی خدا کے ہوں راہِ خدا بھی ہوں　۵۶　راہِ خدا بھی ہوں بخدا رہنما بھی ہوں
حرز گلوئے عیسیٰؑ عالی وقار ہوں
کُل کی دوا ہوں حکمتِ پروردگار ہوں

پسپا ہوئے عجم میں عرب جا کے چند بار　　جب ہم گئے تو فتح ہوئی صاف آشکار
چلتی تھی مثل راہ کتی فوج نابکار　۵۷　راہِ جہاد میں قدم اپنے ہیں ذوالفقار
بنیاد ہم نے شہروں میں ڈالی ہے دین کی
نقشِ قدم ہمارا سپر ہے زمین کی

نور اپنا ہوگا جبکہ جزو کُل نہ ہوئینگے　　ہم وہ چراغ ہیں کہ کبھی گُل نہ ہوئینگے
مر کر بھی کم ہمارے تجمّل نہ ہوئینگے　۵۸　باغ اپنا ہوگا جب گُل و بلبل نہ ہوئینگے
دن ہو کہ رات خلق پہ سرگرم مہر ہیں
جس کو کبھی زوال نہیں ہم وہ مہر ہیں

کوثر کی آبرو ہوں میں رضواں کی آبرو　　رضواں کی آبرو ہوں میں سلماں کی آبرو
سلماں کی آبرو ہوں میں ایماں کی آبرو　۵۹　ایماں کی آبرو ہوں میں قرآں کی آبرو
قران کی آبرو ہوں میں آدم کا فخر ہوں
آدم کا فخر ہوں میں دو عالم کا فخر ہوں

سلماں کی آبرو ہوں میں بوذر کی آبرو ۶۰ کوثر کی آبرو ہوں میں منبر کی آبرو
بوذر کی آبرو ہوں میں کوثر کی آبرو منبر کی آبرو ہوں میں لشکر کی آبرو
لشکر کی آبرو ہوں میں عالم کا فخر ہوں
عالم کا فخر ہوں تو آدم کا فخر ہوں

آدم کا فخر ہوں میں کہ عالی وقار ہوں ۶۱ عالی وقار ہوں کہ میں حق پر نثار ہوں
حق پر نثار ہوں کہ میں طاعت گزار ہوں طاعت گزار ہوں میں کہ الفت شعار ہوں
الفت شعار ہوں میں کہ عاشق خدا کا ہوں
عاشق خدا کا ہوں کہ میں دل مصطفےٰ کا ہوں

دل مصطفےٰ کا ہوں کہ میں نور الہ ہوں ۶۲ نور الہ ہوں کہ میں زہرا کا ماہ ہوں
زہرا کا ماہ ہوں شہ انجم سپاہ ہوں انجم سپاہ ہوں کہ میں شاہوں کا شاہ ہوں
شاہوں کا شاہ ہوں میں کہ کل کا امیر ہوں
کل کا امیر ہوں میں علیؑ کا وزیر ہوں

برجوں کو اپنی مہر سے شمس و قمر ملے ۶۳ دریا کو اپنی چاہ سے لعل و گہر ملے
بے پر نے مس کیا جو ہمیں بال و پر ملے فطرس کے ذہن تھے نہ یہ رتبے تھے پر ملے
اس رتبے کا اُس پہ فقط خاتمہ ہوا
آزاد کردۂ پسرِ فاطمہ ہوا

دریا کو تم نے چھین لیا میں نے کچھ کہا ۶۴ پانی دکھا دکھا کے پیا میں نے کچھ کہا
داغ اکبرِ جواں کا دیا میں نے کچھ کہا مرے بے زباں کو قتل کیا میں نے کچھ کہا
صابر ہوں بے دیار ہوں میں کینہ ور نہیں
یارو مرے مزاج میں واللہ شر نہیں

دیکھو تو کون ہے یہ اسیر غم و محن ۶۵ اپنا امام اپنا نبی زادہ بے وطن
باقی رہا ہے پانچ تنوں میں اب ایک تن رونے کی جا ہے حال مرا، تم ہو خندہ زن
ڈرتے ہو قہر حق سے نہ آہِ بتولؑ سے
اللہ ایسے پھر گئے آلِ رسولؑ سے

[۶۶]
اب بھی کہو تو جاؤں وطن کو مع حرم
لے لو قسم جو حجرے سے باہر رکھوں قدم
رہنا جو گھر کا شاق ہو اے بانیٔ ستم
جاروب دیں تمہارے نبی کی لحد پہ ہم
وہاں کی مجاوری بھی اگر ناگوار ہو
راہی دیارِ ہند کو یہ بے دیار ہو

[۶۷]
دشوار یہ بھی ہو تو بھلا پھر کہاں رہیں
مرضی جہاں تمہاری ہو کہہ دو وہاں رہیں
جنگل میں مثل خضر نظر سے نہاں رہیں
پیاسوں کے غم میں نہروں پہ تشنہ وہاں رہیں
گر یہ نہیں پہاڑ پہ جاکر مقیم ہوں
غربت میں جانشینِ جناب کلیم ہوں

[۶۸]
گر بود باش ہند کی بھی ہوئے ناگوار
ایک غار کھود کر میں رہوں درمیانِ غار
اصحاب کہف کا میں کروں طور اختیار
کتبہ ہو سنگ فرش زمیں پیرہن غبار
پوچھے اگر یزید کو سیّد کدھر گیا
کہنا جوان بیٹے کے مرنے سے مرگیا

[۶۹]
کیا اس کا ذبح جس کو کہ اپنی خبر نہیں
بازوؤں میں جگر نہیں نور نظر نہیں
جز آہ و واہ قبضے میں تیغ و سپر نہیں
بیٹا ایک بیمار ہے رہنے کو گھر نہیں
ممکن نہیں کہ خلق کو وہ بے وطن ملے
تو جان لے کہ خاک میں اب پنجتن ملے

[۷۰]
سُن کر کلام سیّد معجز کلام کا
مانند صبح فق ہوا رنگ اہل شام کا
دیکھا عمر نے قلب بھرا خاص و عام کا
نعرہ کیا کہ سحر ہے یہ بھی امام کا
کس کس کے خون صبح سے اب تک نہ ہوچکے
دنیا نہ کھوؤ دولت ایماں تو کھو چکے

[۷۱]
سب پھر پڑے سقر کو، رہِ توبہ چھوڑ کر
باندھی کمر نماز ندامت کی توڑ کر
تیغیں کھڑی ہوئیں، رخِ انصاف موڑ کر
انگڑائیاں کماں نے لیں، ہاتھ جوڑ کر
غل تھا قبول اب نہیں کوئی سخن ہمیں
مدّنظر ہے خاتمۂ پنجتن ہمیں

یہاں بھی ہلے نیام میں لب ذوالفقار کے پہلے پڑھا دُرود ادب سے پکار کے
اور عرض کی یہ سب ہیں ہوا خواہ نار کے [۷۲] جوہر یہ جانے کیا گہر آب دار کے
تیغ زباں کے اس کو نہ جوہر دکھایئے
جوہر زبانِ تیغ کے بڑھ کر دکھایئے

مقبول یہ گزارش تیغ دوسر ہوئی پر دست بوس فتح سے پہلے ظفر ہوئی
کھنچتے ہی گرم تیغِ دو دم اس قدر ہوئی [۷۳] سورج پکار اٹھا کہ لو اب دوپہر ہوئی
تھی تاب شہؑ کے پنجے میں اُس شعلہ تاب کی
بُرجِ اسد میں جیسے طپش آفتاب کی

کی جست وخیز رخش نے ہلتے ہی باگ کے جیسے سپند اُچھلتا ہے شعلے پہ آگ کے
دریا میں فتنہ ڈوب مرا رن سے بھاگ کے [۷۴] کیسے نصیب خواب پریشاں تھا جاگ کے
دیکھو فلک پہ اخترِ تاباں نکل پڑے
ہیبت سے پیرِ چرخ کے دنداں نکل پڑے

تازی کو تازیانہ ہر اک تار رگ ہوا سایہ سلام کر کے ادب سے الگ ہوا
زیرِ نگیں فلک بھی دم تازو تگ ہوا [۷۵] انگشتری نعل کا خورشید نگ ہوا
یک دفعہ شش جہت میں عجب دھوم ہوگئی
پھر قدر عافیت کو بھی معلوم ہوگئی

گردش میں گرد گنبد دوّار ہوگیا ہر آسمان کا دائرہء پرکار ہوگیا
ثابت ہوا کہ قطب بھی سیار ہوگیا [۷۶] صحرا غبار خاطر کفار ہوگیا
اس رخش بادپا سے جدھر شاہ مڑ گئے
مردم تو کیا ہیں آنکھوں کے ڈھیلے بھی اڑ گئے

صدقے میں ذوالجناح پہ اور ذوالفقار پر چلتے تھے دونوں مرضیٔ پروردگار پر
تاکید کی یہ رخش نے ہر نابکار پر [۷۷] ہاں غافلو! نظر کرو میرے وقار پر
رہوارِ شہسوارِ براقِ جناں ہوں میں
بعد اُس کے راہوارِ امامِ زماں ہوں میں

پہلا مرا سوار رسولِؐ کبار ہے   اور دوسرا بھی دوشِ نبیؐ کا سوار ہے
گیسو حبیبِ حق کا اسی کی مہار ہے ۷۸ عاجز نہ جانیو اُسے کُل اختیار ہے
پاؤں جو قہر طبعِ جناب امام میں
پامال شش جہت کو کروں ایک گام میں

جب یہ رجز پڑھا فَرسِ نام دار نے   کھولی زباں برائے بیاں ذوالفقار نے
بھیجا ہے عرش سے مجھے پروردگار نے ۷۹ جوہر دکھائے ہیں شہِ دلدل سوار نے
کفار کے لہو میں جو میں غرق ہوتی تھی
خاتونِ کائنات مجھے آپ دھوتی تھی

اس کے جگر کا نیزے سے زخمی ہوا جگر   کھینچی نہ تیغ رہ گئے شہ آہ کھینچ کر
کاٹے جو تم نے بازوئے عبّاس نامور ۸۰ رکھا نہ ہاتھ قبضے پہ بس تھام لی سپر
توبہ کرو تو اب بھی مفر میں امان ہے
ورنہ یہ جان لو مرے حملے میں جان ہے

حیراں بیانِ تیغ سے چھوٹے بڑے ہوئے   اس گفتگو سے کان سپر کے کھڑے ہوئے
غفلت کے پردے انکھوں پہ جو تھے پڑے ہوئے ۸۱ بولے کہ اب رہیں گے نہ ہم بے لڑے ہوئے
سرگرم لعیں فساد پہ بے شرم ہوگئے
اور اُس طرف کو تیغ و سپر گرم ہوگئے

نقارہ وغا پہ لگی چوب یک بیک   پڑتے ہی چوب گونج گیا رن بھی دور تک
تیغیں بلند ہو کے دکھانے لگیں چمک ۸۲ قرنا کا شور سنتے ہی تھرا گیا فلک
غل تھا دلیرو جان لڑانے کا وقت ہے
فن سپہ گری کے دکھانے کا وقت ہے

ہاں رستمانِ شام دمِ نام و ننگ ہے   شبیر میں نرا شہ مرداں کا ڈھنگ ہے
ہاں نبردلانِ کوفہ بڑھو کیا درنگ ہے ۸۳ شاہنشہ زمین و زماں محوِ جنگ ہے
بھر کر لہو میں شہ کو بڑا نام کیجیو
نام آوری ہو جس میں وہی کام کیجیو

دس ہاتھ میں ندا سے بڑھے دل جوانوں کے　استادہ تن پہ بال ہوئے پہلوانوں کے
لچکی جو ڈانڈ پھل وہیں چمکے سنانوں کے　۸۴　چلائے ہل کے کانوں سے گوشے کمانوں کے
یاں تیغ نے جو تیز تری کی غلاف ہے
جن بولے کانپ کر وہ پری نکلی قاف سے

تلوار کا وہ خط وہ جوہر کا بندوبست　زنجیروں میں بندھا ہوا پھراتا تھا شیر مست
جوہر تھے یا نجل تھے وہ نصرت کے زیب دست　۸۵　لکھا تھا دفتروں میں اسی خط سے ہے شکست
لیتی تھی جائزہ تو کبھی رزم گاہ میں
پر چہرے فرد فرد کے تھے سب نگاہ میں

کیا تیغِ آب دار تھی جوہر سے خوش جمال　منجدھار میں کھڑی تھی پری کھولے سر کے بال
جوہر تھے یا کہ سنبلہ کے بیچ میں ہلال　۸۶　یا صاف آئینہ ہے وہ شمشیرِ بے مثال
جوہر کے جن خطوں پہ سراپا کمان تھے
اہل نگہ کے تارِ نگہ کے نشان تھے

لکھا ہے اک شجاع بڑھا فوج شام سے　لرزاں تھی روح سام کی جس کی حُسام سے
پرویز کو گریز نہ تھی اس کے دام سے　۸۷　ارکان روم کان پکڑتے تھے نام سے
جز محو کفر محض ہنر وہ دلیر تھا
منھ پر جھلم پڑی تھی کہ برقعے میں شیر تھا

یک پرتلہ زرنگار گلے میں پڑا ہوا　قبضہ طلائی تیغ رواں پر چڑھا ہوا
نقرہ سمند شیروں سے کشتی لڑا ہوا　۸۸　تیر وہ جس کی زد پہ یہ رستم کھڑا ہوا
چار آئینہ سیر بدن تھا حصار میں
اندھیر اُس کی ڈھال سے تھا روزگار میں

ترکش میں تھی وہ نیش کہ دل ریش تھے دلیر　گرز گراں وہ پیش زبردست جس سے زیر
پھل تیغ کا وہ قہر کہ پانی نہ مانگے شیر　۸۹　خنجر وہ برق قہر کہ گرتے لگی نہ دیر
قبضے پہ ایک ہاتھ دھرے ایک باگ پر
یوں آیا نور حق پہ دھواں جیسے آگ پر

کافر نے بتوں کے لئے نام لائعد چلائی ذوالفقارِ علیؑ یا علیؑ مدد
پھر شوم و بد بڑھا تو ملی لعنتِ ابد [۹۰] دینار کی طمع نے بھی دی نار کی سند
دیکھا جو آفتاب نے اُس بے دریغ کو
آفت اُسے اور آب دی آقا کی تیغ کو

بجنے لگے جلاجل و قرنا بہ شدّ ومد حربے بھی حملے بھی کیئے اُس نے بہ جدّ وکد
نیزے کی زد خدنگ کی زد تیغِ کیں کی زد [۹۱] مردانہ وار شہؑ نے کیئے وار اُس کے رد
پھر آنکھ سے جو آنکھ ملائی حسینؑ نے
بنیادِ کائنات ہلائی حسینؑ نے

ہمت شقی کی چھوڑ کے رن بھاگنے لگے روبہ کی آنکھ بن کے ہرن بھاگنے لگے
منہ سے زباں مثالِ سخن بھاگنے لگے [۹۲] جان قطع کر کے رشتۂ تن بھاگنے لگے
جھپٹے جو آپ رنگ پریدہ ٹھہر گیا
سر پر جو ذوالفقار چڑھی منہ اوتر گیا

بیٹھی جو خود میں تو وہ سر میں سما گیا سر گردنِ نجس میں مع خود آ گیا
گردن چھپی جو سینے میں دل تھرتھرا گیا [۹۳] بھاری تھا بوجھ موئے کمر پیچ کھا گیا
آنے میں خودِ سر کے سرِ مونہ بل پڑا
مانند آبلہ کف پا سے نکل پڑا

رخش اُس کا ذوالجناح کی ٹکر جو کھا گیا گھوما وہ یوں گھوڑے سے چکر میں آ گیا
کاٹے جو پاؤں تیغ نے آرام پا گیا [۹۴] اُڑ کر قدم جدا گیا اور سر جدا گیا
رہوار کے کٹے قدم و سر تو کیا ہوا
ناری کی خاک اُڑانے کی خاطر ہوا ہوا

رستم اُچھل کے قہر سے بولا ہنر یہ ہے جنات وجد میں تھے کہ تیغ دوسر یہ ہے
فرمایا حق نے کیوں نہ ہو کس کا پسر یہ ہے [۹۵] ہاں میری فاطمہؑ کے شکم کا اثر یہ ہے
مولا جھکے سپاہ پہ ہوش و حواس سے
جوہر کی طرح صف پہ گری صف ہراس سے

شیرانہ صف بہ صف شہؐ صفدر رواں ہوئے شمشیر میں دو شیر برابر رواں ہوئے
اور وہاں سے پیشوائی کو یاں سر رواں ہوئے پیکر برائے تیغ دو پیکر رواں ہوئے [۹۶]
عمر رواں تماشے کو پھر آئی راہ سے
روحوں کا غول لے کے چلی قتل گاہ سے

منقار کھول کر وہ عقاب قضا اُڑا یعنی ہمائے تیغ شہؐ لافتا اُڑا
کعبہ پکارا طائر قبلہ نما اڑا رن پڑ گیا یہ رنگ رخِ اشقیا اُڑا [۹۷]
اُڑ اُڑ کے تن سے سوئے عدم دفعتن گئے
ہاتھ آستین سے پرِ پرواز بن گئے

غائب ہوئی زرہ جو بدن پر سے جل گئی یونس پکارے جال کو مچھلی نگل گئی
چار آئینہ لہو سے دھو کر نکل گئی پتھر نگل کے لعلِ بدخشاں اُگل گئی [۹۸]
آئی جو منھ پہ بگاڑ کے سر کے بگاڑ پر
غل تھا سخی کی ناؤ چڑھی پہاڑ پر

دوزخ جدا و شعلۂ اختر جدا جدا رہوار کے قدم سے نہ تھی ایک جا جدا
خود و سر و دل و جگر و دست و پا جدا سب لوٹتے تھے تیغ کے آگے جدا جدا [۹۹]
جوہر جو ذوالفقار سے پیرو جواں ہوئے
تیغوں سے لال مورچۂ جوہر رواں ہوئے

سیبِ بہشت رونق اسلام فتح جنگ الماس تیغ شہؐ کا یہ تھا رنگ ڈھنگ سنگ
چمکی جو یہ پرے پہ سواروں کے بے درنگ یوں جی چھٹا سواروں کا تیغوں سے جیسے رنگ [۱۰۰]
پاؤں اٹھے سواروں کے واں سر سے خود میں
یا تھی یہ تیغ خود میں اور گاہ گود میں

ہر سر پہ تھی یہ تیغ دو سر سین کی طرح اور نیش زن تھی قلب میں یہ شین کی طرح
تھی فتح اس کے ساتھ تحسین کی طرح قالب تھمے تھے راکبوں کے زین کی طرح [۱۰۱]
ناری ہر ایک قلزم آتش میں غرق تھا
قرب اس کا قہر حق تھا کہ گردش میں برق تھا

پارس تھی آب ہو کے ہوئی سب سے فزوں بدلی تھی فوج شام کی رنگت گھٹا تھا خوں
یاں سقف گرتی تھی واں پاؤں کے ستوں [١٠٢] پر نالا بن گیا تھا ہر اک دیدہ زبوں
اس سیف پر جو ضرب پڑی تھی لعینوں کی
ہر تیغ آب دار تھی جھڑی تھی لعینوں کی

چینیں جبیں کی طرح جبیں سے نکل گئی پائی جو راہ تنگ تو زیں سے نکل گئی
زیں اک طرف یہ حدِ زمیں سے نکل گئی [١٠٣] جب سر اٹھایا چرخ بریں سے نکل گئی
گردن سے سر لیا کسی قالب سے دم لیا
بس دم لیا تو تیغ دو دم نے یہ دم لیا

یک وار میں سواروں کے سر پر سوار تھی مثل اجل پیادوں کے سر پر سوار تھی
گہہ پیش و پس تھی گاہ یمین و یسار تھی [١٠٤] جو اس کے سامنے تھا یہ خدمت گزار تھی
حیران برش نے اس کے ہر یک تیغ کو کیا
چار آئینے میں اپنے ہی سائے کو دو کیا

آنکھوں میں خواب راحت عیش وطرب دو نیم دل میں خیال کلفت و رنج و تعب دو نیم
ساعت زمانہ وقت گھڑی روز و شب دو نیم [١٠٥] اک ضربِ ذوالفقار سے تھے سب کے سب دو نیم
ساعت بھی دو سلاح بھی دو جسم و جاں بھی دو
ہونٹوں کی طرح بات بھی دو اور زباں بھی دو

ہر شیر مثل آہوئے وحشی رمیدہ تھا بسمل ہوا میں طائر رنگ پریدہ تھا
کڑیوں میں خون رگوں کی طرح چکیدہ تھا [١٠٦] جو حلقۂ زرہ تھا وہ حلقِ بُریدہ تھا
اعدا کا زہرا کیا لہو آب ہوگیا
میدان جنگ مذبحِ قصاب ہوگیا

قبضے میں اپنے تیغ دکھاتی تھی جزو کُل گہہ موج گہہ سمندر و گہہ طاق و گاہ پُل
گہہ سیل کی صدا گہے طوفان کا وہ غل [١٠٧] گہہ شعلہ گاہ اوس گہہ باغ و گاہ گُل
غل تھا کہ دھوپ دیکھنے کو سب ترستے ہیں
چھایا ہے ابرِ تیغ علی، سر برستے ہیں

شکل سلخ عجب تہہ تیغ دوسر بنی ۔ ہر تیغ کٹ کے رہروئے فوج عمر بنی
انگشتری کا حلقہ کماں سہم کر بنی[۱۰۸] خال رخ سیاہ ستم گر سپر بنی
جس نے اٹھائی تیغ گرا خود زمین پر
آبرو کی طرح اڑ کے لگی یہ جبین پر

ناگاہ غل اٹھا کہ دوہائی ہے یا حسینؑ ۔ قہر خدا پہ زور نمائی ہے یا حسینؑ
کس کو مجالِ عہدہ برائی ہے یا حسینؑ[۱۰۹] حقا تمہارے گھر میں خدائی ہے یا حسینؑ
دکھلا چکے جلال رحمی دکھایئے
اب کبریا کی شانِ کریمی دکھایئے

اللہ رے رحم تیغ کو روکا امام نے ۔ دنیا سے ہاتھ اٹھایا شہؑ تشنہ کام نے
اور دست بستہ پیک اجل آیا سامنے[۱۱۰] پھر ہر طرف سے گھیر لیا فوجِ شام نے
تیروں کا یوں ہجوم تھا زخموں کے باغ پر
جیسے ملخ چمن پہ پتنگے چراغ پر

ناگاہ آیا سامنے خوئی بے حیا ۔ جوڑا کماں میں تیر سہ پہلو بے خطا
بالکل بجھا تھا زہر میں وہ ناوک جفا[۱۱۱] چھٹتے ہی وہ جگر پر لگا وا مصیبتا
ہر نے پہ سر جھکا شہؑ عالی خصال کا
چہرہ بھی سبز ہوگیا زہراؑ کے لال کا

لکھا ہے جب جگر پہ لگا تھا یہ تیر آہ ۔ زینبؑ کھڑی تھی ڈیوڑھی پہ باحالتِ تباہ
چلائی ہائے کیا ہوئے بھائی کے خیرخواہ[۱۱۲] ہے ہے تڑپ رہے ہیں امام فلک پناہ
عباسؑ اُن کو لے آتے کہ اکبرؑ سنبھال لے
کوئی جگر سے تیر سہ پہلو نکال لے

ناگہ امام پاک گرے فرشِ خاک پر ۔ نکلے جو تیر زور سے تڑپے دل و جگر
چلّو رکھا برلبِ جراحت جھکا کے سر[۱۱۳] جب سر جھکا لہو سے تو کی ریشِ پاک تر
پوچھا جو ظالموں نے کہا یہ زبان سے
فردوس میں مِلوں گا یوں ہی نانا جان سے

اس دم برائے ذبح بڑھا شمر نابکار منہ پر نقاب پاؤں میں موزے پہنے چکمہ دار
دستِ جفا میں خنجر بُرّاں وہ شعلہ بار [۱۱۴] آگے ادب کی جا ہے کروں کیا میں آشکار
شیعو تمہیں بتاؤ کہ کیسے جہاں پھرا
موزے کہاں دھرے گئے خنجر کہاں پھرا

غل تھا جمال سیّد ابرار دیکھ لو سیدانیوں حسینؑ کا دیدار دیکھ لو
سیّد کے خوں بھرے ہوئے رخسار دیکھ لو [۱۱۵] سینے پہ شمر حلق پہ تلوار دیکھ لو
شہرگ کا خون خنجر کیں سے ٹپکتا ہے
اور موت کا پسینہ جبیں سے ٹپکتا ہے

سینے پہ شمر بیٹھا ہے اور دل اُچھلتا ہے خنجر علیؑ و فاطمہؑ کے دل پہ چلتا ہے
فریاد ہے کہ زیست کا نقشہ بدلتا ہے [۱۱۶] یٰسین پڑھو حسینؑ کا اب دم نکلتا ہے
زہراؑ سے کہہ رہے ہیں نبیؐ شور وشین سے
محسن کو دے مجھے تو لپٹ جا حسینؑ سے

اس وقت چھاتی دیکھنے والوں کی پھٹتی تھی یہ ظلم ہو رہا تھا کہ دنیا اُلٹتی تھی
زہراؑ تو بار بار گلے سے لپٹتی تھی [۱۱۷] اور زیرِ تیغ گردنِ شبیرؑ کٹتی تھی
جا رہی تھی یہ صدا کہ نبیؐ کا نواسا ہوں
اے شمر پانی پانی میں پیاسا ہوں پیاسا ہوں

وہاں رن میں فرشتوں کے نوحے تھے دم بہ دم دروازے پہ ٹھہرے ہوئے روتے تھے یاں حرم
سر پر فلک گرا تھا اُٹھتے نہ تھے قدم [۱۱۸] منہ فق حواس باختہ اور گردنیں تھیں خم
جاتے تھے قتل گاہ کو نہ خیمے گاہ کو
مر مر کے بے چین ڈھونڈتے تھے شاہ کو

ناگاہ پیچھے ہٹ کے سکینہ نے یہ کہا امّاں غضب ہوا پھوپھی اماں غضب ہوا
ہے ہے غضب ہوا پھوپھی امّاں غضب ہوا [۱۱۹] کٹتا ہے سوکھا حلق میں اس حلق کے فدا
خالق مرے بچا لے شہ مشرقین کو
میں اپنی عمر دیتی ہوں بابا حسینؑ کو

قابو میں موت کے ہیں مرے پیارے بابا جان پاؤں رگڑتے ہیں مرے دکھیارے بابا جان
کس دُکھ میں پھنسے مرے درد کے مارے بابا جان [۱۳۰] خیمے کے مڑ کے کرتے ہیں نظارے بابا جان
کس بیکسی سے سید والا تڑپتے ہیں
میں صدقے ہوگئی مرے بابا تڑپتے ہیں

لوں نام اُن مقاموں کا کیونکر زبان سے مانند عرش تھے وہ بلند آسمان سے
رہ رہ کے حشر اٹھتا تھا دونوں جہان سے [۱۳۱] سر پیٹ کے مصطفےٰ نکل آئے جنان سے
شبیرؑ کے گلے سے جو زہراؑ لپٹ گئی
سمجھا یہ آسمان و زمین اب اُلٹ گئی

چلّائے مصطفےٰ کہ ٹھہر اے لعین ٹھہر سہواً یہ ظم کرتا ہے تو جان جان کر
دریافت کرلے اوروں سے گرتو ہے بے خبر [۱۳۲] ہے ہے یہ کس غریب کا تو کاٹتا ہے سر
ہاں ہاں یہ میری فاطمہؑ کا نورعین ہے
میرا حسینؑ ارے میرا حسینؑ ہے

بس بس یہ بے گناہ ہے یہ بے گناہ ہے خالق گواہ مخبرِ صادق گواہ ہے
موزے کے نیچے گنجِ علوم الله ہے [۱۳۳] خنجر جہاں دھرا ہے مری بوسہ گاہ ہے
تو کاٹتا ہے حلق وہ کہتا ہے پیاس ہے
کیوں بے لحاظ کیوں یہی مہماں کا پاس ہے

نام و نسب کچھ اپنا بتایا ہے یا نہیں جامہ عمامہ میرا دکھایا ہے یا نہیں
خلقِ حسن حسینؑ نے پایا ہے یا نہیں [۱۳۴] مثل رسُولؑ جسم میں سایا ہے یا نہیں
سایہ اگر نہیں تو یہ کُل کا امام ہے
قتل امام قتل رسُولؑ انام ہے

کل حق کی کائنات میں یہ یک سہارا ہے لے تو ہی کہہ نہیں یہ پیمبر کا پیارا ہے
امت نے کس نبیؑ کے نواسے کو مارا ہے [۱۳۵] اس کو نہ ذبح کر یہ نواسا ہمارا ہے
دعائیں یا نزع میں یٰسین پڑھتے ہیں
یا سر پر تیغ رکھتے ہیں سینے پہ چڑھتے ہیں

ہے ہے سُنا نہ شمر نے یہ نوحۂ رسولؐ اور کاٹنے لگا وہ سر دلبر بتولؑ
آئی ندا نجات نہ ہو ملعون کو حصول [١٢٦] سب سُن کے مطمئن سا ہوا شہؑ کہ دل ملول

پر یاد اہلِ بیتؑ کے رنج و قلق ہوئے
یوں تڑپے زیرِ تیغ کہ سب زخم شق ہوئے

جو رگ کٹی گلے کی یہ پیدا ہوئی صدا اے زینبؑ آہ بعد مرے کون ہے ترا
اے عابدؑ آہ کون تجھے دے گا اب دوا [١٢٧] اے بانو آہ آج ہوئے گی تو بے ردا

حیف اے سکینہ حیف برائے غم چلے
بی بی نہ ملنے پائیں زمانے سے ہم چلے

خنجر سے جب تمام کٹا حنجر حسینؑ ٹھنڈا تڑپ تڑپ کے ہوا پیکر حسینؑ
پکڑے شقی نے موئے سرِ انور حسینؑ [١٢٨] تکبیر کہہ کے خاک پہ رکھا سرِ حسینؑ

بجوائیں نوبتیں عمر روسیاہ نے
تکبیر تین بار کہی فرقِ شاہ نے

وحش و طیور حور و ملک نوحہ خواں ہوئے ہلنے لگی زمیں سیاہ آسماں ہوئے
گر کر زمیں پہ خیمے کے قُبّے طپاں ہوئے [١٢٩] زینبؑ پکاری قتل مرے بھائی جاں ہوئے

وارث نہیں ہے کوئی بدنِ پاش پاش کا
اسباب اب لٹے کا برادر کی لاش کا

تھا رن میں شہؑ کی لاش پہ انبوہِ اشقیا سر کا عمامہ اخنس ملعوں نے لے لیا
اُڑنے لگے حسینؑ کے گیسوئے پُر ضیاء [١٣٠] لی دارمی نے تیغِ شہنشاہِ اوصیا

نے تاج نے لباس نہ عمامہ رہ گیا
باقی بدن میں ایک پھٹا جامہ رہ گیا

پر بحر ابنِ کعب نے مطلق نہ کی حیا آتی ہے شرم اور مفصّل کہوں میں کیا
بالکل کیا برہنہ تنِ شاہِ کربلا [١٣١] لاشے نے ہاتھ اٹھا کے یہ کی حق سے التجا

عریاں کیا ہے فاطمہؑ کے نورعین کو
یا ساترالعیوب چھپا لے حسینؑ کو

زائر سیتاپوری کی مرثیہ نگاری

سیّد محمد اطہر نام، زائرؔ تخلص، جدید مرثیے کے اوّلین معماروں میں شمار ہوتا ہے۔

ولادت: ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء بمقام سیتاپور محلہ قضیارہ پیدا ہوئے۔
سیتاپور کے سادات رضویہ میں سے ہیں۔ سلسلہ نسب آٹھویں امام حضرت امام علی رضا علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ خاندان کے بزرگ ایران سے ہندوستان آکر قصبہ زیدپور ضلع بارہ بنکی میں اقامت گزیں ہوئے۔ اسی خاندان کی ایک شاخ سے نجم الملّت، نسیم امروہوی اور موجدؔ سرسوی بھی ہیں۔ والد کا نام سیّد مقبول حسین (المتوفی ۱۹۳۴ء سب رجسٹرار سیتاپور رہ چکے ہیں۔) زائرؔ کے ایک بھائی نادمؔ سیتاپوری مشہور ادیب ہیں۔

مکتب کی تعلیم کے علاوہ دینی تعلیم رضویہ دینیات اسکول سیتاپور میں حاصل کی۔ اس کے بعد ابتدائی تعلیم ہزارہ انٹر کالج سیتاپور میں جو اس وقت تک صرف پرائمری اسکول تھا۔ اس کے بعد راجہ رگھوبر دیال ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ منشی اور منشی فاضل کے امتحانات پرائیویٹ پاس کر کے کورٹ آف وارڈس سیتاپور میں ملازم ہوگئے۔

۱۹۴۰ء یا ۱۹۴۱ء تک کورٹ آف وارڈس سیتاپور میں اکاؤنٹنٹ رہے پھر اس ملازمت سے استعفیٰ دے کر ریاست محمود آباد میں ایک چھوٹی سی ملازمت کرلی۔ چند ہی سال کے اندر اپنی خداداد صلاحیت سے اسسٹنٹ منیجر اور پھر منیجر کے عہدے تک پہنچ گئے یہ عہدہ اہمیت کے لحاظ سے ایسا تھا کہ اس پر ڈپٹی کلکٹر یا ڈپٹی کمشنروں کا تقرر کیا جاتا تھا۔

منیجر کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد غالباً ۱۹۵۵ء میں بنچ محمود آباد میں آنریری مجسٹریٹ مقرر کیے گئے۔

زائرؔ کے نانا سیّد ناظر حسین ناظرؔ سیتاپوری (وکیل) کا شمار ممتاز شعراء میں ہوتا تھا۔

یہ داغ اور امیر مینائی کے اہم عصر تھے۔ غزل کہتے تھے لیکن مرثیہ ان کا خاص فن تھا ناظر نے تقریباً ۶۰ مرثیے کہے ہیں۔ جو زائر سیتاپوری کے پاس محفوظ تھے۔ زائر سیتاپوری کو شعر و ادب کی صلاحیتیں اپنے نانا سے ورثے میں ملی تھیں۔

زائر سیتاپوری تحریر، تقریر، نظم و نثر میں کمال رکھتے تھے۔ زائر پُرگو شاعر تھے بات کرتے شعر موزوں کرتے تھے۔ تقاریر بہت اچھی کرتے تھے۔ تحت اللفظ مرثیہ پڑھنے میں بھی عبور حاصل تھا۔ زائر بذلہ سنج تھے روتوں کو پل بھر میں ہنسا دیتے تھے۔ "لالہ شاہی اردو" بولنے اور لکھنے میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔

زائر سیتاپوری نہایت ہی دیانت دار راست باز اور پاکیزہ انسان تھے۔ ساری زندگی کبھی رشوت نہیں لی (اور نہ کسی کو انتقام کا نشانہ بنایا)۔ حالاں کہ ریاستوں کی ملازمت اور رشوت لازم و ملزوم چیز سمجھی جاتی تھی۔ ریاست محمود آباد کے ایک ایک تحصیلدار نے لاکھوں روپیہ کمایا لیکن خود ان کا حال یہ تھا کہ جب بھی خاندان کا کوئی فرد ان کے پاس پہنچتا تو خیریت معلوم کرنے کے بعد پہلی بات یہ کہا کرتے تھے۔

"دیکھیے اس گوشے میں جو چیز رکھی ہوئی ہے میری ہے اور اس پر قلم اور دوات، کاغذ وغیرہ جو کچھ ہے میرا ہے۔ اس کے علاوہ اس کوٹھی کی ہر چیز محمود آباد اسٹیٹ کی ہے لہذا آپ کو قلم، دوات، کاغذ جس چیز کی ضرورت ہے اس میز سے لیجیے گا۔"

زائر سیتاپوری حاضر دماغ اور پُرگو شاعر تھے۔ شعر کہنے کا انداز یہ تھا کہ ایک بار محمود آباد سے سیتاپور جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ درمیان میں فتح پور ایک محفل مقاصدہ میں بھی شریک ہونا تھا اور پھر سیتاپور کی ایک شعری نشست میں بھی شرکت کرنا تھا۔ چلتے وقت پیش کار کو ریاست کے ضروری کاغذات پر احکامات بھی لکھ رہے تھے۔ بیچ بیچ میں قصیدے اور غزل کا کوئی شعر بھی لکھتے جاتے تھے۔

زائر کو مذہبیات سے گہرا لگاؤ تھا۔ انتقال سے کچھ پہلے انھوں نے واقعہ کربلا پر ایک کتاب لکھنا شروع کی تھی جس کا موضوع تھا "واقعہ کربلا اہلِ سُنَّت کی نظر میں" مگر اس کام کو مکمل نہ کر سکے کہ پیام اجل آگیا۔

زائر کو کتابوں سے قلبی اور روحانی لگاؤ تھا۔ ہر مہینے نئی نئی کتابیں خرید اکرتے تھے۔

مرثیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ انھوں نے جمع کیا تھا کہ پروفیسر مسعود حسن ادیب کے علاوہ ایسا ذخیرہ کہیں نہیں تھا۔ ان کے پاس قلمی کتابوں کا بھی ذخیرہ تھا۔

زائر کا رہن سہن، وضع قطع سب کچھ سیدھا سادہ تھا نشہ اقتدار نام کو نہیں تھا مگر اصول و وضع داری کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ اپنے زمانے کے نامور ادیب و شاعروں سے ان کے مساویانہ تعلقات تھے۔ نجم آفندی سے مراسلت تھی۔ سیّد آلِ رضا۔ نسیم امروہوی، پروفیسر مسعود حسن ادیبؔ، مانیؔ جائسی، علی عباس حسینی، اختر علی تلہری۔ اکثر ان سے ملنے کے لئے قیصر باغ (محمود آباد میں لکھنؤ) آیا کرتے تھے اور وہ ان سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔

شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ جدید مرثیے کے معماروں میں تھے۔ زائرؔ کو شہرت و نام وری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ خوشامد سے انھیں نفرت تھی۔

اُن کے جدید و قدیم مرثیوں کی تعداد ۲۰ سے زیادہ ہے۔ مگر سوائے دو مرثیوں کے چھپے کوئی نہیں۔ سلام، قطعات، نوحے بہت کہے جو ان کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔

۲۹ مئی ۱۹۶۶ء مطابق ۸ صفر ۱۳۸۶ھ بروز یکشنبہ سیتاپور اسپتال کے اسپیشل وارڈ میں انتقال کیا۔ دس بجے شب میں وفات پائی۔ جنازہ صبح کو اٹھایا گیا۔ حاجی صاحب کی کربلا (متصل سٹی اسٹیشن سیتاپور) میں کربلا کے پھاٹک کے سامنے سپرد خاک کئے گئے۔ جنازے میں سیتاپور، لکھنؤ، محمود آباد، فتح پور وغیرہ کے بہت سے ہندو مسلمان شریک تھے۔ ”الواعظ“ لکھنؤ جون ۱۹۶۶ء لکھتا ہے۔

”سیّد محمد اطہر زائرؔ سیتاپوری منیجر ریاست عالیہ محمود آباد کی سنگین ناگہانی موت نے قوم کے معروفین کی صف میں خلا پیدا کیا۔ ۲۹ مئی ۱۹۶۶ء دن گزر کر ۱۰ بجے شب اپنے وطن سیتاپور میں دائمی اجل کو لبیک فرمایا تین دن پہلے آپ کے دماغ پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ اس وقت آپ محمود آباد میں ہی تشریف فرما تھے۔ غش میں مبتلا ہونے پر مہاراج کمار آف محمود آباد فوراً اپنے ہمراہ لکھنؤ لائے ڈاکٹروں سے رجوع کیا گیا۔ ڈاکٹر خان، ڈاکٹر فریدی و دیگر معالجین نے آکر دیکھا دوائیں دی گئیں لیکن اس مرض کو موت کا بہانہ بننا تھا۔ ڈاکٹروں نے آخر خطرے کا اظہار کیا جس کے بعد مرحوم کے صاحبزادے سیّد احمد وصی وکیل نے گھر لے جانا مناسب سمجھا۔ بیٹے اور بھتیجے کے سہارے سیتاپور گئے وطن کی خاک نے خاک کھینچی۔ پہنچنے کے مختصر عرصے

میں انتقال فرمایا۔

نہایت مہذب، خوش مذاق، بذلہ سنج، خوش فکر اور سادہ مزاج تھے۔ محمود آباد اور سیتاپور کی مجلسوں میں ان کو بہت عزت حاصل تھی۔ پانچ لڑکے تین لڑکیاں ہیں آغا اشہر لکھنوی نے قطع تاریخ وفات کہا:۔

نسلاً تھے شریف و پاک گوہر زائرؔ — اور رضویہ خاندان کے جوہر زائرؔ
سنجیدہ مزاج و نکتہ پرور زائرؔ — شیریں گفتار و زیب منبر زائرؔ
پاکیزہ بیاں و جدت انداز کلام — یک وقت مقرر و سخنور زائرؔ
تھا شوق جو مذہبی کتب بینی کا — مصروفِ مطالعہ تھے اکثر زائرؔ
دینی، علمی، معاشرتی جلسوں میں — حصہ لیتے رہے برابر زائرؔ
تاریخ و قصیدہ و غزل میں — کرتے رہتے تھے فکر اکثر زائرؔ
پہلے رہتی تھی تم کو منبر کی تلاش — اب تم کو پکارتا ہے منبر زائرؔ
دنیا ان کی مگر وہ دنیا کے نہ تھے — یعنی دل کے بڑے تونگر زائرؔ
مداحِ پنج تنؑ کا پایا یہ صلہ — سیدھے پہنچے کنارِ کوثر زائرؔ
دیکھا جو انھیں تو مسکرائی جنّت — پہنے ہوئے تھے حلّہ پُر زر زائرؔ
رضوان نے سنا کلام مدحت تو کہا — یکسر شاعر محمد اطہر زائرؔ

"..........۱۳۸۶ھ.........."

زائرؔ غزل بڑی مضبوط اور مستحکم کہتے تھے مگر آخری زمانے میں مرثیہ، سلام، نوحے، قصائد کے علاوہ غزل کہنا قریب قریب چھوڑ دیا تھا۔ زائرؔ نے نظم و نثر کی بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

(۱) سوانح حضرت عباس علمدارؑ۔ طبع نہیں ہوئی (۲) حسینی سنسار (ہندی نوحوں کا مجموعہ) مکتبۂ ناصری گولہ گنج لکھنؤ (۳) ماتم کدہ (نوحوں کا مجموعہ) نظامی پریس لکھنؤ (۴) حقائق غم (۵) ذوالفقار غم (الناظر دارالاشاعت سیتاپور) (۶) نغمات مودت (۱۹۵۳ء تک کے قصائد کا مجموعہ) قلمی (۷) خونِ دل (قلمی بیاضِ نوحات) (۸) روزنامچہ (پابندی کے ساتھ روزنامچہ لکھتے تھے قلمی ہے) (۹) تبصرہ مراثی ناظر (ناظرؔ سیتاپوری کے مرثیوں پر تبصرہ قلمی) (۱۰)

مجموعہ قطعاتِ تاریخ (قلمی) (۱۱) قطعات تاریخ عقد نکاح امیر امام حرؔ (نظامی پریس نے شائع کیا تھا)۔

۱۹۶۳ء تک جو مرثیے کہے ہیں ان کے مطلع درج ذیل ہیں یہ سب مرثیے قلمی ہیں اور اُن کے خاندان کے افراد کے پاس سیتاپور میں محفوظ ہیں۔ صرف دو مرثیے ایسے ہیں جو نظامی پریس لکھنؤ نے شائع کیے تھے۔ ۶۳ء سے ۶۶ء تک زائرؔ نے جو مرثیے کہے اُن کے مطلع اس فہرست میں نہیں ہیں۔

۱۔	مومنو حشر وہ عالم میں بپا ہوتا ہے	درحال امام حسینؑ
۲۔	آمد ہے اہلِ بیت کی دربارِ شام میں	درحال دربار شام
۳۔	عزیزو مجلس ماتم ریاض جنّت ہے	درحال شبِ عاشور
۴۔	بلا کے بن میں خزاں فاطمہ کا باغ ہوا	درحال امام حسینؑ
۵۔	اے چرخ گردشوں سے تری دل فگار ہے	درحال حضرت علیؑ
۶۔	کربلا میں شبِ عاشور محرم آئی	درحال شبِ عاشور
۷۔	مقتل میں جب زوال ہوا آفتاب کا	درحال نماز ظہر عاشورہ محرم
۸۔	اک عالم ظلمات ہے افلاس کی دنیا	درحال امام حسینؑ
۹۔	حاصل نہیں جہاں میں تشکیل زندگی	درحال حضرت حرؑ
۱۰۔	کربلا منزل اخلاق ہے داماں ترا	درحال حضرت علی اصغرؑ
۱۱۔	امیر قافلہ ہستی بشر ہے علیؑ	درحال حضرت علیؑ
۱۲۔	دل بہت کشمکش زیست سے گھبرایا ہے	درحال حضرت علیؑ
۱۳۔	جب حامل نشان شہ بحر و بر ہوا	درحال حضرت عباسؑ
۱۴۔	مچی ہے دھوم زمانے میں انقلاب آیا	درحال امام حسینؑ
۱۵۔	مجلس حضرت شبیر میں آنے والو	درحال امام حسینؑ
۱۶۔	چرچا جہاں میں واقعہ کربلا کا ہے	درحال امام حسینؑ
۱۷۔	زوال مہر منور سے رن میں ہلچل ہے	درحال امام حسینؑ

دو مرثیے مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئے:-

۱۸۔ حسینؑ ابن علی فخر کائنات ہے تو در حال امام حسینؑ مطبوعہ ۱۹۴۴ء

۱۹۔ عالم کے خشک و تر میں عجب انقلاب ہے در حال علی اکبرؑ مطبوعہ ۱۹۴۳ء

اس مرثیے کا عنوان "دنیا کو ایک راہنما کی تلاش ہے" قرار دیا گیا تھا۔ مرثیے کے بند نمبر ۱۱ کا مصرع نمبر ۶ یہی ہے۔ یہ الگ مرثیہ نہیں ہے۔ ہلال نقوی نے اس کو الگ مرثیہ سمجھ کر اپنی کتاب "بیسویں صدی اور جدید مرثیہ" میں درج کر دیا ہے۔

زائرؔ سیتاپوری کی مرثیہ نگاری پر مختصر تبصرہ :

ہم آج جس کو "جدید مرثیہ" کہتے ہیں، اس مرثیے کی بنیاد میر انیسؔ نے رکھ دی تھی،

صدا ہے "فکر ترقی" بلند بینوں کو

میر انیسؔ کے نامی گرامی فرزند میر نفیسؔ نے اور میر انیسؔ کے پوتے دولھا صاحب عروجؔ نے مسلمانوں کے زوال آمادہ معاشرے میں اس "فکر ترقی" کو روشن رکھا، ۱۹۳۰ء میں دولھا صاحب عروج نے ۷۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔ گویا مرثیہ نگاری کی بزم میں ایک اندھیرا سا محسوس ہونے لگا تھا، لیکن، مہاراجہ محمود آباد محمد علی محبؔ (وفات ۱۹۳۱ء) فرزند حسین ذاخرؔ (وفات ۱۹۳۲ء) آغا شاعر قزلباش (وفات ۱۹۴۰ء) مُنّے صاحب ذکیؔ (وفات ۱۹۴۳ء) لڈن صاحب فائزؔ (وفات ۱۹۴۶ء) مرزا محمد طاہر رفیعؔ (وفات ۱۹۴۷ء) یہ حضرات مرثیے لکھتے رہے اور مجلسوں میں مرثیے پڑھتے بھی رہے۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۷ء تک سترہ اٹھارہ برس کے عرصے میں بہت سے نوجوان شعراء نے بھی عزائیہ نظمیں سلام اور نوحے جدید رنگ میں تصنیف کئے یہ حضرات مستقل کسی مجلس میں کلام پیش نہیں کرتے تھے لیکن رسالوں میں ان کا کلام چھپتا تھا اس دور کے نوجوان شعراء میں جوشؔ ملیح آبادی، سیّد آلِ رضا، نجمؔ آفندی، زائرؔ سیتاپوری، راجہ صاحب محمود آباد وغیرہ تھے۔ زائرؔ سیتاپوری نے بھی بہت سے عزائیہ مسدس تصنیف کئے، ۱۹۴۳ء میں نظامی پریس لکھنؤ نے اُن کا مسدس "دنیا کو ایک راہنما کی تلاش ہے" شائع کیا، زائرؔ سیتاپوری نے اس مسدس مرثیے کے پیش لفظ میں تحریر کیا ہے:-

"مجھے اپنی بے بضاعتی اور ژولیدہ بیانی کا پورا پورا احساس اور اعتراف ہے، بد قسمتی سے کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ورنہ شاید عیوب کی کمی ہوتی۔

ممکن ہے اس مرثیے کو جس کو بالعموم لوگ مسدس یا نظم کہتے ہیں اور مجھے نام پر کوئی اصرار بھی نہیں، کوئی ادبی حیثیت دی جائے لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ میں کربلا کے عظیم الشان واقعے کو تاریخی حیثیت سے محض اعتقادات سے قطع نظر کرتے ہوئے بیان کروں اگر میں اس میں کامیاب ہوا ہوں تو مجھے اس طرز خاص میں اولیت کا فخر حاصل ہے۔"

زائر سیتاپوری کے اس طرز خاص میں دو بند ملاحظہ ہوں:-

نظم و نسق میں قائد اعظم بنا کوئی آزادیوں کی روحِ مجسّم بنا کوئی
دنیا کو ترک کرکے مکرم بنا کوئی اسرارِ کائنات کا محرم بنا کوئی
اب بھی مگر سکون کا دل پاش پاش ہے
دنیا کو ایک راہنما کی تلاش ہے

اس رہنما میں قوّت ایثار چاہیے سرمایہ سوز ہمت نادار چاہیے
پُرامن روح فطرت پیکار چاہیے ہو صبر جس کا نام وہ تلوار چاہیے
کچھ درد سے بھرے ہوئے ہر دل کا چین ہے
ہاں وہ فقط حسینؑ ہے تنہا حسینؑ ہے

پروفیسر احتشام حسین نے زائر سیتاپوری کے پہلے جدید مرثیے "دنیا کو ایک راہنما کی تلاش ہے" پر تبصرہ کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا تھا:-

"جدید ادب کی پیدائش جن حالات اور جن تقاضوں کا نتیجہ ہے ان کا تعلق جدّت طراز یا صرف نئی بات کہنے سے نہیں ہے بلکہ وہ اس نئے انسان کے دل ودماغ کا نتیجہ ہے جو قدیم راستوں میں اپنے لئے پوری آسودگی نہیں پاتا۔ ہمارے نئے شاعر نئے راستوں پر اس لئے نہیں چل رہے ہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے بلکہ اس لئے نیا انداز بیان، نیا تصوّر حیات اور طریقہ اظہار کررہے ہیں کہ موجودہ نسل ہر چیز اور ہر واقعہ کو عقل اور جذبات کی آمیزش سے پیدا ہونے والی روشنی میں دیکھنا چاہتی ہے اور چونکہ وہ نئی نسل کے سامنے اپنا کلام پیش کررہے ہیں اس لئے انھیں بھی اپنی آواز اور لہجہ بدلنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔"

اُس عہد کے مقبول اور مستند تنقید نگار کی یہ رائے زائر سیتاپوری کے مرثیے پر نہایت اہمیت کی حامل ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب سیدؔ آلِ رضا، نسیم امروہوی اور جمیل

مظہری وغیرہ کے جدید مرثیے منظر عام پر نہیں آئے تھے۔

زائر سیتاپوری کا دوسرا جدید مرثیہ "حسینؑ ابن علی فخرِ کائنات ہے تو" کے پیش لفظ میں اس رائے کے علاوہ محمد حیدر آسد مدیر سرفراز لکھنؤ کی رائے بھی شامل ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"میں اس مرثیہ میں بھی احساس کی وہی ندرت اور موضوع کی وہی جدّت پاتا ہوں جو مرثیہ میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی ضامن ہے، زائر سیتاپوری نے اردو مرثیہ کی ٹھہری جھیل پر ایسی متناسب اور منور لہریں پیدا کر دی ہیں کہ ان کی بے پناہ ہمہ گیری اور عمیق نظری کا قائل ہونا پڑتا ہے، وہ اس مرثیے میں ایک نئے طرز کے خالق کی حیثیت سے جلوہ نما ہیں، تصویر کا ایک رخ واضح کرتے ہوئے وہ یہ نہیں بھولتے کہ تصویر کی دوسری طرف بھی کشمکش زیست کا ایک درخشاں مستقبل کروٹیں لے رہا ہے، زائر سیتاپوری نے اس مرثیے میں ایسی ذہانت، احساسِ ضمیر اور ایک سنبھلی ہوئی کیفیت کا ثبوت دیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ جوان سال فنکار ایک دن شہرت دوام کا تاج جیت کر چھوڑے گا۔

اس مرثیے کے تین بند ملاحظہ ہوں:۔

درِ حسینؑ نہیں وقف قید ملت و دیں — تمام خلق یہاں آ کے ٹیکتی ہے جبیں
وفا و ہمت و ایثار و صبر کے آئیں — فقط حسینؑ نے بتلا دیئے ہیں یا کہ نہیں
حسینؑ شخصیت غیر اختلافی ہے
حسینؑ کافی ہے، تنہا حسینؑ کافی ہے

اک اسوۂ حسنہ ہے حسینؑ کی سیرت — ضمیر کی وہ بلندی وہ نفس کی رفعت
حد عروج سے آگے قدم کی ہر حرکت — جو ہوتی ظرف میں انسان کے کہیں وسعت
دلوں کو جلوہ گہہ نیّرین کر دیتے
حسینؑ سارے جہاں کو حسینؑ کر دیتے

نہ جانے کتنے زمانے میں ہو گئے رہبر — کہ جن کے خون سے تاریخ کا ہے دامن تر
لہو بہایا گیا ہے، دار پر چڑھے اکثر — مگر حسینؑ کی بربادیاں، پناہ، حذر
نہ گھر، نہ بار، نہ لشکر، نہ ذات رہ جائے
یہ اس لیے تھا کہ انساں کی بات رہ جائے

"فکر و فغاں" کے پیش لفظ میں زائرؔ سیتاپوری کے چھوٹے بھائی نادمؔ سیتاپوری لکھتے ہیں:-

ذکر ہے ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء کا میرے بڑے بھائی جناب سیّد محمد اطہر صاحب زائرؔ سیتاپوری (وفات ۱۹۶۶ء) نے اپنا نو تصنیف مرثیہ ایک نجی صحبت میں سنایا جس کی کوئی خاص داد نہیں ملی، حالانکہ اس سے قبل سیتاپور، لکھنؤ، محمود آباد اور فتح پوری (ضلع بارہ بنکی) میں ان کے تصنیف کردہ مراثی کی اچھی خاصی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اکثر مجالس میں وہ اپنے نو تصنیف مرثیے خاص اپنے مخصوص انداز میں پڑھا کرتے تھے جو لکھنؤ کی طرزِ خواندگی سے جدا ہونے کے باوجود اپنا ایک خاص مزاج رکھتے تھے، یہ بات اس زمانے کی ہے جب نہ کسی نے "جدید مرثیہ" کی ابتداء کی تھی نہ "نئے مرثیے" کی اصطلاح معرضِ اختراع میں آئی تھی۔"

نادمؔ سیتاپوری کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے، زائرؔ سیتاپوری نے جدید مرثیے کی بنیاد اس وقت رکھی جب جوشؔ ملیح آبادی چھوٹی موٹی سیاستوں میں پھنسے ہوئے تھے، شیعہ قوم کی بدحالی کا ماتم کر رہے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے اس عہد کے تمام واعظ اور مُلّا مر چکے تھے اس لیے جوشؔ ملیح آبادی شیعوں کے واعظ اور مُلّا بن کر خطابت کے جوہر دکھا رہے تھے، سوگوارانِ حسینؑ سے خطاب، ذاکرِ حسینؑ سے خطاب، مُتولیانِ وقف حسین آباد سے خطاب، اے مومنانِ لکھنؤ، "شعلہ و شبنم" کی یہ نظمیں اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ جوشؔ ملیح آبادی اس وقت صرف شیعوں کے شاعر تھے، انھیں بین الاقوامی شعرا کی صف میں جگہ نہیں ملی تھی۔ نسیمؔ امروہوی اور جمیلؔ مظہری جیسے شعرا کا ابھی عوام سے تعارف نہیں ہوا تھا۔

یہی وہ زمانہ ہے جب زائرؔ سیتاپوری نے جدید مرثیے تصنیف کر کے اردو شاعری کو تعمیری فکر کی طرف متوجہ کیا اور جوشؔ ملیح آبادی کی تخریبی خطابت کو بھی جھنجھوڑ دیا۔ زائرؔ سیتاپوری کے بنائے ہوئے ماحول سے فائدہ اٹھا کر جوشؔ ملیح آبادی نے "حسینؑ اور انقلاب" تصنیف کیا۔ جدید مرثیے کے بانی دراصل زائرؔ سیتاپوری ہیں۔

"فکر و فغاں" کے مقدمے میں سیّد افضال حسین فضلؔ فتح پوری لکھتے ہیں:-

"جدید مرثیوں کے بانی، جہاں تک میری ناقص معلومات کا تعلق ہے، محمد اطہر زائرؔ سیتاپوری ہیں، زائرؔ سیتاپوری ایک عجیب و غریب شخصیت کے حامل تھے۔ انھیں جامع الکمالات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، خود مرثیہ کہتے تھے عموماً اپنے مراثی خود پڑھتے تھے۔ نوحے

بھی کہتے تھے، نوحہ خوانی بھی کرتے تھے۔ تقریر و تحریر کے بادشاہ تھے، ایک آدمی میں یہ تمام خوبیاں جمع ہو جانا ایک حیرت انگیز بات ہے۔ زائرؔ سیتاپوری دراصل نادمؔ سیتاپوری کے بڑے بھائی تھے، افسوس کہ اب ان کے مرثیے ناپید ہیں۔"

"جدید مرثیہ" کے اس موسس اور بانی کے مرثیوں کی نایابی کا تذکرہ "جدید فن مرثیہ نگاری کے مُرتب وحیدالحسن ہاشمی صاحب نے بھی کیا ہے:-

"مجھے افسوس ہے کہ زائرؔ سیتاپوری، رزمؔ ردولوی، مہذّبؔ لکھنوی، صبا لکھنوی اور دیگر مرثیہ نگاروں کے مرثیے پاس نہیں ہیں، اس لیے ان کے متعلق کسی قسم کی رائے دینے سے قاصر ہوں۔" (جدید فن مرثیہ نگاری ص ۲۸۸ طبع ۱۹۶۷ء)

زائرؔ سیتاپوری کے کلام کی نایابی کے پیش نظر ہم کو ان کے جتنے بھی مرثیے، سلام، نوحے مل سکے ہیں سب شائع کر رہے ہیں، جدید مرثیے کے ابتدائی نقوش میں جن جن شعرا نے حصّہ لیا ہم وقتاً فوقتاً ان کے مرثیے "القلم" میں شائع کرتے رہیں گے تاکہ قدیم مرثیے کے ساتھ ساتھ جدید مرثیے کی مستند تاریخ بھی مرتب ہو سکے حالانکہ پچاس سال کے بعد اب یہ جدید مرثیے بھی قدیم ہو چکے ہیں، ادھر چار پانچ برس میں جو جدید مرثیے تصنیف ہوئے ہیں بس وہی مرثیے جدید ہیں۔ ورنہ سب قدیم ہی قدیم ہے۔

زائر سیتاپوری

مرثیہ

دُنیا کو ایک راہنما کی تلاش ہے

(۱)
عالم کے خشک و تر میں عجب انقلاب ہے　　سفاکیوں کا ظلم و ستم کا شباب ہے
ہر زندگی جہان میں پُر اضطراب ہے　　امن اور سکون کا لبِ بام آفتاب ہے
چھائی ہوئی ہے ظلمتِ غم کائنات پر
پردے پڑے ہوئے ہیں جمالِ حیات پر

(۲)
ہے کس قدر نظامِ زمانہ میں ابتری　　اصلاحِ قوم، معنی ھنگامہ پروری
سرمایہ داریوں میں ہے شانِ تونگری　　دستِ عطا میں دستِ طلب کی ہے تھرتھری
مفلس درِ امیر پہ ٹھکرائے جاتے ہیں
آپس میں "دو پہاڑ ہیں" ٹکرائے جاتے ہیں

(۳)
دولت سے ہے تمیز شریف و رذیل کی　　پھر اس میں بھی حدیں ہیں کثیر و قلیل کی
انسانیت کی قدر نہ نفسِ جلیل کی　　بس مرکزِ خیال ہے جھولی بخیل کی
جنت ہے اِک نگاہِ تمنا کے سامنے
سجدے میں دل ہیں دولتِ دنیا کے سامنے

(۴)
سرمایہ داریوں کے فلک بوس یہ محل　　عشرت کدوں کی شام و سحر یہ چہل پہل
کیا ہے؟ فقط ہے نفس پرستی کا اک عمل　　انسانیت کے واسطے کاشانۂ اجل
کھویا ہے دل فریبِ تمدّن کی راہ میں
دم توڑتی ہے عزّتِ انساں گناہ میں

(۵)

ثروت میں جرم جرم، نہ کوئی گنہ گناہ خلوت کدے ہیں عفت و عصمت کی قتل گاہ
ہو زد پہ تو پناہ کو ممکن نہیں پناہ قانون خود امیر کی غداریوں کی راہ

ہر مکر و شر میں اہلِ دول پر فتوح ہے
پیکر میں آدمی کے درندوں کی روح ہے

(٦)

دنیا میں ہر نظام کا پابند ہے غریب بہکا ذرا جو پاؤں تو گردن میں ہے صلیب
محنت سے ہے دوچار کچھ اس طرح غم نصیب آتا نہیں سکون کبھی خواب میں قریب

سب سے بڑا ہے جرم یہ اس کا فقیر ہے
قانون کے شکنجے کے اندر اسیر ہے

(۷)

صحرا کی اِک صدا ہے کہ مزدور کی فغاں پانی کا بلبلا ہیں فقط ان کی ہچکیاں
لوٹا گیا عجیب طرح ان کا کارواں رہزن ہوئے تھے ساتھ میں خود ان کے پاسباں

رو دادِ غم سنائیں کہاں، التجا کریں
دعوائے خوں عدالتِ قاتل میں کیا کریں

(۸)

اُف! درد سے بھری وہ کسانوں کی زندگی روتی ہے جن کے حال پہ خود ان کی بے کسی
وہ کش مکش حیات کی وہ ان کی خامشی افلاس کی وہ اُن پہ نگاہیں جمی ہوئی

چپ ہیں اگرچہ دل میں غمِ کائنات ہے
اِک سازِ بے صدا ہے کہ ان کی حیات ہے

(۹)

ہاں پستیوں سے اوج کا ہے ایک راستا دولت کے ہاتھ کیجئے سودا ضمیر کا
پھر دیکھیے تمام زمانے کا رتجھنا کیا دُور ہے جو آپ کو کہنے لگیں خدا

مافوق اپنے ظرف سے رتبہ بشر کا ہے
ادنیٰ سا اک طلسم یہ اربابِ زر کا ہے

(۱۰)

آزادیوں کی دھوم مچی ہے جہان میں کوئی غریب کو نہیں لاتا ہے دھیان میں
اہلِ غرض ہیں چند کہ جو ہیں امان میں کیا جلد کھل گئے جو پڑے امتحان میں

ظاہر میں گو بلند ہیں عالی مقام ہیں
ہیں جانور کہ نفس کے اپنے غلام ہیں

(۱۱)
نظم و نسق میں قائداعظم بنا کوئی　　آزادیوں کی روحِ مجسّم بنا کوئی
دنیا کو ترک کر کے محرّم بنا کوئی　　اسرارِ کائنات کا محرم بنا کوئی
اب بھی مگر سکون کا دل پاش پاش ہے
دنیا کو ایک راہنما کی تلاش ہے

(۱۲)
اس رہنما میں قوّتِ ایثار چاہیے　　سرمایہ سوز ہمتِ نادار چاہیے
پُر امن روحِ فطرتِ پیکار چاہیے　　ہو صبر جس کا نام وہ تلوار چاہیے
دکھ درد سے بھرے ہوئے ہر دل کا چین ہے
ہاں وہ فقط حسینؑ ہے تنہا حسینؑ ہے

(۱۳)
مزدور، فاقہ کش، وطن آوارہ، دردمند　　نادار، بے نوا، الم انگیز، غم پسند
تکمیل نفس جس کی، حوادث میں مستمند　　جس کی لحد کی خاک سے آواز یہ بلند
مانوس ہو جہان کے ہر گرم و سرد سے
وہ زندگی نہیں ہے جو خالی ہو درد سے

(۱۴)
جو بے کسوں کے درد کا درماں ہے وہ حسینؑ　　جو مفلسوں کی زیست کا ساماں ہے وہ حسینؑ
جو پیشوائے عالمِ امکاں ہے وہ حسینؑ　　جو رہنمائے فطرتِ انساں ہے وہ حسینؑ
جس کا قدم دلیل ہے راہِ ثبات کی
جس کی اجل ہے روح نظام حیات کی

(۱۵)
اہل ہمم، غضنفر وجانباز وہ حسینؑ　　آہ جہاں پہ گوش بر آواز وہ حسینؑ
روشن ضمیر، نفس سرافراز وہ حسینؑ　　انجام خیر جس کا ہر آغاز وہ حسینؑ
ناکامیوں میں فتح کی ہو دل کشی اُسے
جو موت چاہتا ہو کہ دے زندگی اُسے

(۱۶)
جو امن اور امان کا جویا ہے وہ حسینؑ　　جو دوسروں کے درد پہ رویا ہے وہ حسینؑ
جو خلق کے مفاد میں کھویا ہے وہ حسینؑ　　جس نے جہازِ ظلم ڈبویا ہے وہ حسینؑ
اب تک نہیں جواب ہے جس کے صفات کا
جو ناخدا ہے کشتیٔ آبِ حیات کا

(۱۷)

سرمایہ داریوں کا جو قاتل ہے وہ حسینؑ　　امید اہل غم کا جو ساحل ہے وہ حسینؑ

صبر وسکوں کا ہادیِ منزل ہے وہ حسینؑ　　جو امتحانِ درد میں کامل ہے وہ حسینؑ

جو موت سے حیات کے پہلو نکال لے

خود ڈوب کر جہان کا بیڑا سنبھال لے

(۱۸)

ہارج نہ بھوک پیاس ہوئی رزمگاہ میں　　جس کا قدم پہاڑ تھا مقصد کی راہ میں

ہیں درد مند آج بھی جس کی پناہ میں　　جو روشنی ہے زیست کے روزِ سیاہ میں

جس کا پیام نظم ونسق ہے حیات کا

معیار ہے جو زندگیِ کائنات کا

(۱۹)

کیا ہوگئیں؟ یزید کی دنیا پرستیاں　　سنسان کیوں ہیں شام کی دلچسپ بستیاں

جو دل خریدتی تھیں کہاں ہیں وہ ہستیاں　　دیکھیں ذرا جبینِ ستمگر کی پستیاں

چرچے نہیں دمشق اس زیب وزین کے

ڈنکے بجے ہوئے ہیں جہاں میں حسینؑ کے

(۲۰)

آئین کس قدر ہے منظم حسینؑ کا　　ہر درد کا علاج ہے یہ غم حسینؑ کا

درسِ رضا وصبر ہے ماتم حسینؑ کا　　پیغامِ زندگی ہے محرّم حسینؑ کا

ذکرِ غریب سے سندِ فیضِ عام لو

جینا جو چاہتے ہو تو بیکس کا نام لو

(۲۱)

رسم و رواج سوگ قتیلِ جفا نہیں　　جس میں نمائشیں ہوں وہ کوئی عزا نہیں

پھر کچھ نہیں ہے قلب جو درد آشنا نہیں　　کیا یہ سمجھ رہے ہو یہاں کربلا نہیں؟

نظروں میں قتل گاہ کی ہر واردات ہے

دل کربلا ہے آنکھ تمھاری فرات ہے

(۲۲)

اب تشنہ لب کو پانی کی حاجت نہیں رہی　　زخموں کی وہ تپک، وہ نقاہت نہیں رہی

بے گور کو کفن کی ضرورت نہیں رہی　　منزل ہے قبر، حاجتِ تربت نہیں رہی

اشکوں میں تیرتا ہے سفینہ نجات کا

ہاں چاہتا ہے یہ کہ سبق لو حیات کا

(۲۳)
کوئی اگر یزید سا ہو ننگِ روزگار اس دہر دوں میں اس سے خبردار ہوشیار
سرمایہ داریوں سے ہے انسانیت کو عار ہاں عزتِ ضمیر بشر کا ہے افتخار
لازم ہے آدمی کو، رہے آن بان سے
بڑھتی ہے اور رفعتِ نفس امتحان سے

(۲۴)
آپس میں ہر بشر کو مساوات چاہیے مفلس کی بے نوا کی مدارات چاہیے
ہمت سے کام وقتِ مہمات چاہیے شانِ ثبات جس میں ہو وہ بات چاہیے
ابرو پہ بل پڑے نہ شکن ہو جبین پر
چاہو تو آسمان گرا دو زمین پر

(۲۵)
دولت سے خوف موت ہے انسان کے لیے قوت کا رعب چاہیے حیوان کے لیے
ہنگامے سب ہیں نفس کے ہیجان کے لیے ہے دل، جسے ہراس نہ ہو جان کے لیے
شمعِ حیات جلتی ہے، بوندوں میں خون کی
میدانِ ابتلا میں ظفر ہے سکون کی

(۲۶)
قربانیِ حسینؑ کا منظر تو دیکھیے وہ دشمنوں کی کثرتِ لشکر تو دیکھیے
زخمِ سنان وسینۂ اکبرؑ تو دیکھیے پیکان اور گردنِ اصغرؑ تو دیکھیے
اللہ رے ضبط! نام نہیں شور وشین کا
یہ دل حسینؑ کا یہ جگر ہے حسینؑ کا

(۲۷)
سینے میں کیا حسینؑ کے دل باپ کا نہ تھا کیونکر جوان بیٹے کو مرنے کی دی رضا
وہ لال سارے گھر کا جو محبوب و دلربا نانا کی یادگار، گل اندام، مہ لقا
غلطیدہ خاک وخوں میں وہ پیکر شباب کا
وہ قبل دوپہر کے زوال آفتاب کا

(۲۸)
اکثر مری نگاہ میں پھرتا ہے یہ سماں آئے ہیں بہرِ اذن علی اکبرؑ جواں
گھیرے کھڑی ہیں چاند کو خیمے میں بیبیاں مجمع میں ایک سکوت ہے اور دم بخود ہے ماں
ہے روبروئے اکبرؑ مہرو کھڑی ہوئی
چہرے سے ہے نگاہِ تمنا لڑی ہوئی

(۲۹)

ارمان کہہ رہے ہیں یہ دن ہیں بہار کے دل میں اسے چھپالو، تقاضے ہیں پیار کے

ٹکڑے ہزار ہیں جگرِ بے قرار کے جی چاہتا ہے دیکھ لیں اس کو سنوار کے

مرنے کے دن نہیں ہیں ابھی یہ جوان ہے

سب ہے، مگر حسینؑ کے مقصد پہ دھیان ہے

(۳۰)

کیا حوصلہ ہے، کوکھ اجڑنے کا غم نہیں ارماں تباہ ہوتے ہیں، اس کا الم نہیں

گو داغ نوجوان کا مرنے سے کم نہیں لیکن وفا میں کوئی ستم بھی ستم نہیں

آنکھوں کے سامنے ہیں نظارے مآل کے

یہ نذر دے رہی ہے کلیجہ نکال کے

(۳۱)

مشہور ہے پھوپھی کا وہ اکبرؑ سے لاڈ پیار جو لاکھ جاں سے متوں والے پہ تھی نثار

یہ مرحلہ وہ تھا کہ نہ کی اُف بھی زینہار ناکامیوں میں صبر نے دی اک نئی بہار

ضبط وسکوں میں شان عجب بے کسی کی ہے

تیور یہ کہہ رہے ہیں کہ بیٹی علیؑ کی ہے

(۳۲)

اے لیجئے! خیام میں ایک غلغلہ اُٹھا نکلا حرم سرا سے وہ دلبند، مہ لقا

زلفوں پہ گرد خاک سے چہرہ اٹا ہوا لیکن فروغِ حسن سے رن جگمگا اُٹھا

عزم وثبات ساتھ چلے رہنمائی کو

دوڑی اجل حیات لیے پیشوائی کو

(۳۳)

وہ شان وہ شکوہ وہ چتون وہ آن بان ماتھے کی ہر شکن میں جلالت کے سو نشان

وہ بھوک اور پیاس کی شدت وہ امتحان ہمت پہ ہیں اُٹھائے بلاؤں کا آسمان

تیور پکارتے ہیں کہ چہرے بگاڑ دیں

اے تو سہی یزید کی دنیا اجاڑ دیں

(۳۴)

کہتے ہیں ولولے کہ یہ کیا ہیں لڑائیاں بچوں کا کھیل ہیں یہ صفوں کی صفائیاں

ہاں کر جہادِ نفس میں زور آزمائیاں دینے لگے گناہ کی قوت دوہائیاں

کیا ہے نظر جو دہر کے سود وزیاں پہ ہے

قدرت اگر ہے نفس پہ قبضہ جہاں پہ ہے

(۳۵)
نعرہ یہ ہے کہ میں ہوں علیؑ دلبر حسینؑ — دادا مرا ہے قلعہ کشا، فاتحِ حُنین
نانا محمدِ عربی نورِ مشرقین — ہاں گر جہان میں ہیں تو ہم اس کے دل کا چین

افسوس حکمراں وہ زمانے پہ آج ہے
جو بے نیازِ سلسلۂ ازدواج ہے

(۳۶)
مطلب یہ ہے کہ دہر کی روحِ رواں ہیں ہم — جس پر کمال ختم ہے وہ آسماں ہیں ہم
فطرت کی شمع، نور زمین وزماں ہیں ہم — ہستی کا درد ہن کے دوائے جہاں ہیں ہم

ہر شے میں امتیاز ہے حسنِ قبول سے
فطرت ڈھلی ہوئی ہے ہمارے اصول سے

(۳۷)
ہم اصل اور نسل میں یکتائے روزگار — ہم پر حسَب کو ناز، نسَب کو ہے افتخار
میدان میں عمل کے ہمیں ہیں وہ شہسوار — توڑے جنھوں نے زیست کے سب آہنی حصار

ہم ایک آفتاب ہیں چمکے جو رات کو
ہم نے سمو دیا ہے اجل میں حیات کو

(۳۸)
اور یہ یزید ننگِ جہاں بندۂ درم — جس کا وجود، نفس پرستی کا اِک صنم
بد اصل، بد سرشت، بد اعمال، بد شیم — دنیا ہے جس کی دولت و زر اور حشم خدم

پتلا ہے اِک شباب کی بڑھتی امنگ کا
پیشانیِ جہاں پہ ہے ٹیکا کلنگ کا

(۳۹)
گو آج اس کے ساتھ ہے یہ لشکرِ کثیر — صورت میں آدمی کی، درندوں کی ہے بھیر
ریجھے ہوئے ہیں دولت دنیا پہ یہ شریر — کیا کیا بھٹک رہے ہیں مٹائے ہوئے ضمیر

جنسِ حیات خاک ہوئی کچھ رہا نہیں
تھی جس سے آبرو وہ دُرِ بے بہا نہیں

(۴۰)
لیکن ہم اس طلسم کے ٹکڑے اُڑائیں گے — تشنہ لبی میں صبر کے دریا بہائیں گے
انسانیت کے نام پہ گھر بھر لٹائیں گے — اس عزتِ ضمیر کے ڈنکے بجائیں گے

ہم پر نظر جمائے ہوئے مشرقین ہیں
دنیا پکار اُٹھے کہ حق پر حسینؑ ہیں

(۴۱)
کیا ہو بیان اکبرِ غازی کی جنگ کا — سیلاب تھا شبابِ دغا کی امنگ کا
نشہ ہرن تھا دولت وزر کی ترنگ کا — دیکھا نہیں ہے معرکہ اس رنگ ڈھنگ کا
شہبازِ فتح جھوم کے پر کھولنے لگا
تاریخ کہہ رہی ہے کہ رن بولنے لگا

(۴۲)
دو تین دن کی بھوک ہے دو تین دن کی پیاس — کیا دل پہ اختیار ہے قائم رہے حواس
کیا چیز خوف ہوتی ہے، کس طرح کا ہراس؟ — اُف نفسِ مطمئن! تری بنیاد اور اساس
تشویش واضطراب کی دنیا اُجاڑ ہے
یہ دل نہیں ہے صبر و رضا کا پہاڑ ہے

(۴۳)
وہ کربلا وہ دھوپ کی شدت وہ التہاب — گرمی سے تمتمایا ہوا روئے آفتاب
دنیا کی زندگی کی حقیقت وہ انقلاب — اُلٹی فریبِ ہستی عالم کی وہ نقاب
ہے مست جس شراب میں اس کا یہ کیف ہے
اب بھی کھُلے نہ آنکھ تو انساں پہ حیف ہے

(۴۴)
صدقے جہادِ اکبرِ یوسف جمال کے — منظر کھنچے ہوئے ہیں جہاں کے مآل کے
بیڑے ہیں غرق حرصِ زر و سیم ومال کے — دامن ہیں تار تار طلسمِ خیال کے
سمجھے ہوئے تھے ساری خدائی یزید کی
دیتا نہیں کوئی بھی دوہائی یزید کی

(۴۵)
فوجِ عدو پہ شیر کے حملے وہ بار بار — ٹوٹے ہوئے ہیں ظلم کے سب آہنی حصار
ہے ہاتھ میں جری کے شجاعت کا شاہکار — لودے رہے ہیں جوہرِ شمشیر آبدار
جنگل دہک رہا ہے تمازت سے تیغ کی
تارِ نفس بھی جلتے ہیں حدّت سے تیغ کی

(۴۶)
یہ سب مذاق عام میں تھے معنیِ ظفر — فتحِ حسینؑ اور ہے گر کیجئے نظر
یہ حفظِ جاں تھا تا بہ حدِ قوّتِ بشر — اب ہے نگاہ طاقتِ ایثار و صبر پر
بیٹے کو منہ میں موت کے بھیجا حسینؑ نے
نیزوں پہ رکھ دیا ہے کلیجا حسینؑ نے

ع۔ حضرت علی اکبرؑ نے وہ سخت جنگ کی کہ دشمن کثرت مقتولین کی وجہ سے چیخ اٹھے (بحار الانوار جلد دہم)

(۴۷)
برچھی لگی جو سینۂ جانِ شباب پر　　اڑنے لگا دھواں سا رخِ آفتاب پر
ہلچل میں انقلاب گرا انقلاب پر　　بل آگئے کسی کی جبینِ عتاب پر
محور پہ اپنے ارض وسماوات رُک گئے
لیکن حسینؑ شکر کے سجدے میں جُھک گئے

(۴۸)
بس جانِ صبر بس! کہ جگر منہ کو آگیا　　خود ہمّت جفا کا قدم ڈگمگا گیا
سجدہ ترا نگاہِ وفا میں سما گیا　　سجدہ ترا تمام زمانے پہ چھا گیا
ہے سب کی زندگی تری پشت وپناہ میں
عالم کے سر جھکے ہیں تری بارگاہ میں

(۴۹)
آقا! غضب کے تونے مصائب اُٹھائے ہیں　　طوفان سے جہاں کے سفینے بچائے ہیں
ہم تیری نذر کو گہر اشک لائے ہیں　　تیرے جوان لال کے پُرسے کو آئے ہیں
تیری تاسیوں کی سعادت حصول ہو
نادار سوگواروں کا ہدیہ قبول ہو

زائر سیتاپوری

مرثیہ

خونِ دل نذرِ شہیدانِ وفا

(۱)
حسینؑ ابنِ علیؑ! فخرِ کائنات ہے تو — بلاکشوں کے لیے ہمّت ثبات ہے تو
فنا کی بزم میں افسانۂ حیات ہے تو — عمل کی روح سے انسان کی نجات ہے تو
جو تیری بات ہے، ڈوبی ہے علم و حکمت میں
کمالِ فطرتِ انساں ہے تیری سیرت میں

(۲)
بلندیاں وہ ترے نفس کی، وہ عزّت و جاہ — کہ جن کے دامنِ وسعت میں ہے جہاں کو پناہ
تری نظر میں ہے دُنیا کا سب سفید و سیاہ — جمی ہے قلب کی گہرائیوں پہ تیری نگاہ
کشش دکھائی عجب تیرے چشم و ابرو نے
دلوں کو کھینچ لیا نفسِ مطمئن تو نے

(۳)
بھرا ہے دامنِ تاریخ تیری سیرت سے — ہے عقل دنگ، تیرے جلوۂ سیاست سے
وہ دل، بے عار جنھیں قید و بند ملّت سے — نکل کے جا نہیں سکتے تیری حکومت سے
ترے اصول حیاتِ بشر کو گھیرے ہیں
دلوں پہ ساکھ ہے تیری، ضمیر تیرے ہیں

(۴)
ترا فسانۂ غم ایک درس عبرت ہے — تری حیاتِ الم رہنمائے فطرت ہے
ہر اک نشانِ قدم، منزلِ ہدایت ہے — ترے وجود سے انسانیت کی عزّت ہے
جہاں گزر ہو ترا، روح خاک میں بھر دے
اُجاڑ دشت کو تاریخ کا ورق کر دے

(۵)

وہ دل گداز تری دُکھ بھری کہانی ہے   ہر اہل دل کا جگر وقف خوں فشانی ہے

پیام غم یہ تری پیاس کی زبانی ہے   کہ مرثیہ ترا، ایک ایک بوند پانی ہے

ترے نہالِ چمن تشنہ لب نظر آئے

پڑی نگاہ جو پانی پر اشک بھر آئے

(۶)

عجیب شان سے گزری ہے زندگی تیری   بھری ہے رازِ تکلّم سے خامشی تیری

دکھا گئی ہے نیا رنگ بیکسی تیری   دلوں کو خوں کیے دیتی ہے تشنگی تیری

ترے خیال میں ہر چشم اشکبار رہی

رہی نہ پیاس مگر اُس کی یادگار رہی

(۷)

وہ حادثات، وہ پُر درد واقعات ترے   ہجوم کرب میں وہ عزم اور ثبات ترے

دل نے لوٹ لیے منظرِ حیات ترے   نثار، زندگیِ صبر کائنات، ترے

مگر یہ کام تھا تیرے ہی عزم کامل کا

کہ زخم زخم پہ بڑھتا ہے ولولہ دل کا

(۸)

جہاں میں روز نئے انقلاب آتے ہیں   نظام دہر کے ٹکڑے اڑائے جاتے ہیں

تیرے نقش قدم پر قدم جماتے ہیں   مٹا کے ظلم کو، بگڑی ہوئی بناتے ہیں

چڑھے مہم پہ دل درد آشنا لے کر

بلا پہ ٹوٹ پڑے نامِ کربلا لے کر

(۹)

مثال ہے؟ ترے ہنس ہنس کے ظلم اٹھانے کی   ہوس جفا کو نہیں، صبر آزمانے کی

عجب ادا تھی یہ تیغ مُسکرانے کی   "حیات" بن گئی سُرخی ترے فسانے کی

یہ اوجِ نفس، کہاں سے کرے کوئی پیدا

کہ جس کی موت سے ہوتی ہو زندگی پیدا

(۱۰)

وقت، جب تھا زمانے میں دور استبداد   زمینِ مُلک عرب، جب تھی سرزمین فساد

کے جور نے رکھ دی تھی امن کی بنیاد   وہ حد ظلم کہ خاموش تھا لبِ فریاد

نہ تھی پناہ، عجبِ دَور پُر خطر آیا

جُھکا جو سر نہ حکومت سے خاک پر آیا

(۱۱)

یزید کون؟ جو سرمایہ داریوں کا صنم　　وہ جس کے فرق پہ تاجِ غرور جاہ چشم
وہ جس کے دستِ ہوس میں عنانِ ظلم و ستم　　قدم سے جس کے، کچلتی تھی عزت غم

ہوائے نفس میں ہر امر کا جواز ہوا
ضمیر بیچ دیا جس نے سرفراز ہوا

(۱۲)

گری ہوئی　درندوں سے نوعِ انسانی　　جہانِ نفس پرستی تھا قصرِ سلطانی
مزاجِ دہر کو تھی دعوتِ ہوس رانی　　خدا کے نام پہ، حکمِ خدا کی قربانی

دل و دماغ پہ قبضہ تھا کفر و بدعت کا
بگڑتا جاتا تھا نقشہ نظام فطرت کا

(۱۳)

زباں سے دعوی تقلیدِ مذہب اسلام　　عمل کو، جو ہر انسانیت کے خون سے کام
وہ دین، عقل کی بنیاد جس کے سب احکام　　تڑپ رہا تھا، خدا و نبیؐ کا سُن کر نام

مٹے اُصول، کوئی کام بر محل نہ رہا
جو اس کا مایۂ نازش تھا وہ عمل نہ رہا

(۱۴)

امان و امن کا جس میں پیام وہ اسلام　　اُصول عقل پہ جس کا قیام وہ اسلام
پئے بشر جو مکمل نظام وہ اسلام　　عمل میں جس کے بقائے دوام وہ اسلام

ثباتِ زندگیِ بے ثبات کہتا ہوں،
اُسے میں ایک نظامِ حیات کہتا ہوں

(۱۵)

یہی نظام تھا عہدِ یزید میں برباد　　اِسی نظام پہ ٹوٹا تھا آسمانِ فساد
اِسی کے نام سے چلتا تھا خنجر بیداد　　اِسی کے پردے میں تھیں خود پسندیاں آباد

اُٹھا کے مسئلہ انحراف بیعت کو
یہی پکار رہا تھا کسی کی نصرت کو

(۱۶)

اُٹھے خلافِ حکومت یہ کس میں طاقت تھی　　لہو اچھلتا تھا نظروں میں، دل پہ دہشت تھی
زبان گنگ کئے حُبِ جاہ و دولت تھی　　ضمیر تیرہ و تاریک، مسخ فطرت تھی

بلا میں گھر کے قدم اپنے استوار رکھے
یہ دل اُسی کا ہے جو دل پہ اختیار رکھے

(۱۷)

حسینؑ! تیرے سوا کس کا یہ بھلا دل تھا　　قدم قدم تیرا، سعی وفا کی منزل تھا
مصیبتوں میں تجھے وہ سکون کامل تھا　　کہ جیسے عزم پہ ہر اختیار حاصل تھا
اُسی نظام کی شان عمل دکھانے کو
چلا جہان کی بگڑی ہوئی بنانے کو

(۱۸)

بھلا کوئی بھی تعرض تجھے یزید سے تھا　　مطالبہ بھی کیا تھا کبھی حکومت کا
غیور دل کو مگر چھیڑنا نہیں اچھا　　دھنی کو بات کے آساں ہے بات پر مرنا
جمود اہل طرب کو شکست دے کے اُٹھا
اُٹھا تو درد کی دنیا کو ساتھ لے کے اُٹھا

(۱۹)

یہ احتیاط، نہ لشکر کشی کا ہو الزام　　تھا ورنہ عورتوں بچوں کا ساتھ میں کیا کام
نہیں تھا رمز سے خالی ترا کوئی اقدام　　نگاہ نکتہ رس آواز میں لئے انجام
یہ شاہزادیاں دل بن کے درد ہستی کا
طلسم توڑ کے رکھ دیں گی زر پرستی کا

(۲۰)

کہاں مدینہ؟ کہاں کربلا کا ویرانہ؟　　وہ راہ پیچ کی جو منزلوں سے بیگانہ
شکار جادۂ پر ہول ہوش فرزانہ　　لہو کا نام بنا آبلوں کا پیمانہ
بڑے ثبات سے طے وہ رہ مصیبت کی
ترے قدم نے مگر بات رکھ لی عزت کی

(۲۱)

زمین کرب وبلا پر وہ داخلہ تیرا　　وہ مختصر سا، غریبوں کا قافلہ ترا
وہ گرم ریت وہ دریا سے فاصلہ ترا　　وہ امن عام کی خاطر معاملہ تیرا
ہے جو سیل پہ جذبات کی وہ حیواں ہے
جو دوسروں کا رکھے دل میں درد انساں ہے

(۲۲)

یہ رفع شر کہ حکومت سے ہم کو کام نہیں　　لکھا تھا تم نے ہمارا کوئی امام نہیں
طلب کئے ہوئے مہماں کا احترام نہیں　　ہمیں ضرورت شاہی ملک شام نہیں
بتا چکے ہیں کہ فطرت کی روح تام ہے وہ
جو اپنے نفس پہ قدرت رکھے امام ہے وہ

(۲۳)

نہیں پسند ہمارا اگر ادھر آنا — تو ہم یہیں سے پلٹ جائیں گے ابھی اچھا
نہ مکے جائیں نہ اب رخ کریں مدینے کا — امان وامن کی بستی ہے دامن صحرا
ہمیں پسند! اگر مستہام بن کے رہیں
مگر یہ ہو نہیں سکتا غلام بن کے رہیں

(۲۴)

حدیں یہ امن پسندی وصلح کوشی کی — اُدھر دماغوں کو خوعافیت فروشی کی
غرور خیل وخدم نے جو گرمجوشی کی — نہیب جنگ سے گونجی فضا خموشی کی
اُدھر یہ ضد کہ جو بیعت نہ کی تو سر لیں گے
ادھر یہ دل کہ زمانے کو فتح کرلیں گے

(۲۵)

اجل سے خوف کہ جو منتہائے ہستی ہے — اجل کے بھیس میں روحوں کی ایک بستی ہے
اجل کا ذوق تو معیار حق پرستی ہے — اجل کسی کی محبت کی شان مستی ہے
اجل کی اصل وحقیقت ذراعیاں کردیں
اجل کے نام کو ہم ''عمر جاوداں'' کردیں

(۲۶)

نویں کو بند ہوا گفتگوے صلح کا باب — نگاہ امن وہاں جھک گئی بفرط حجاب
وہ ایک رات کا بیچ، اور وہ قہر کے اسباب — ہوئی جو شام تو نکلا رندھا ہوا مہتاب
غبار اُٹھتا تھا سینوں سے دل تھے ہلچل میں
گھٹا ہوا تھا دھواں کربلا کے جنگل میں

(۲۷)

عجیب رات تھی پرُ ہول وہ شبِ عاشور — تمام دشت مصیبت تھا خوف سے معمور
سسک رہا تھا چراغ نجوم وماہ کا نور — وہ سائیں سائیں بیاباں کا وہ شبِ دیجور
فضا مہیب تھی ظلمت کا بول بالا تھا
ترے ضمیر کی قندیل کا اوجالا تھا

(۲۸)

وہ ہو کا بن، وہ ہوا بند، وہ بھیانک رات — جھلک رہے تھے ستارے کہ نشتر آفات
وہ سہم سہم کے موجوں میں اضطراب فرات — مگر حسینؑ! زہے بے پناہ تیرا ثبات
سکون تیرے قدم پر جبین دھرتا تھا
بہادروں کو جب اپنے وداع کرتا تھا

(۲۹)

یہ وقت وہ تھا کہ انسان کا دل دہل جاتا — زباں سے نالۂ گردوں رسا نکل جاتا

یہ بس نہ تھا کہ کوئی آدمی سنبھل جاتا — اسی کا کام تھا مرنے جو سر کے بل جاتا

نہ کوئی فرق ہو جس طرح سے بھی مر جائے

خود آئے موت اسے یا وہ موت پر جائے

(۳۰)

وداع ہوتے بھلا کس طرح سے وہ جانباز — کہ جو پکار کے دیتے ہوں موت کو آواز

قدم پہاڑ، کلیجے میں ببر کے انداز — وہ دست وبازوے ہمت کہ صفدری ممتاز

بہادری کی، شجاعت کی، انتہا نکلے

وفا کو ناز ہے جن پر وہ باوفا نکلے

(۳۱)

تمام رات رہا کربلا پہ غم طاری — جھکولے کھاتا تھا رہ رہ کے چرخ زنگاری

مگر وفاؤں کی دنیا میں تھی سُبکباری — جگا رہی تھی زمانے کو روح بیداری

اجل کے شوق میں عمر رواں بسر کر دی

حسینیوں نے غرض آخری سحر کر دی

(۳۲)

کٹی وہ رات بلاؤں کی جستجو کرتے — وفاپرستوں کو مرنے کی آرزو کرتے

گزار دی شب غم ہنس کے گفتگو کرتے — اجل کو ایک گلستان رنگ وبو کرتے

یقیں تھا موت نوید دوام لاتی ہے

سدا بہار حیات شباب آتی ہے

(۳۳)

ہوا جو دشت پہ آفت میں نور کا تڑکا — چراغ زندگی کائنات کا بھڑکا

ستم شعاروں کا خوف اجل سے دل دھڑکا — لرز لرز کے ہوا طبل وبوق کا کڑکا

ادھر بڑھے دل ہمت ہجوم کلفت میں

جُھکی جبین ادب بارگاہ عزت میں

(۳۴)

وہ صبح، ایک نئے دور زیست کا آغاز — چھلک رہا تھا اُمنگوں سے ہر دل جانباز

دفور تشنہ دہانی پہ ولولوں کو ناز — سمٹ رہا تھا حقیقت کی انتہا پہ مجاز

زمین بلند ہوئی رشک آسماں بن کر!

چلتی تھی عمر رواں عمر جاوداں بن کر!

(۳۵)
سیاہ شام میں باجوں کا وہ بھیانک غل ۔۔۔ بلائیں بول رہی تھیں میان شورِ دُہل
کہاں بہار کہاں چہچہے کہاں بُلبُل؟ ۔۔۔ بساطِ دل کی ہوئی جا رہی تھیں شمع گل
لہو ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب آیا
نظامِ عالمِ امکاں میں انقلاب آیا

(۳۶)
زمین میں دل پڑ اضطراب کی حرکت ۔۔۔ مہیب اور ڈرانی وہ مہر کی صورت
نظر جھکائے ہوئے فرطِ شرم سے فطرت ۔۔۔ ضمیر و نفس پہ چھائی ہوئی یزیدیت
جہاں کے دل تھے بجھے، خوفناک اندھیرا تھا
حسینؑ! ایک تیرے عزم سے سویرا تھا

(۳۷)
نظر میں پھرنے لگا وادیِ قتال ترا ۔۔۔ ہٹے حجاب، اُٹھے پردۂ جمال ترا
وہ رعب وداب ترا اور وہ جلال ترا ۔۔۔ وہ اوجِ نفس، وہ خورشیدِ لازوال ترا
مزاجِ دہر میں کیفیتِ نمو رکھ لی!
غریب ہستیِ انساں کی آبرو رکھ لی!

(۳۸)
تری سپاہ کے صدقے، نہیب واستقلال ۔۔۔ نہ بھوک پیاس پژمردگی نہ خوفِ جدال
کڑی نگاہ، بل ابرو پہ، چتونوں میں جلال ۔۔۔ غیور، اہلِ ہمم روحِ صدق، جانِ کمال
وفورِ ہمّت وجرأت کا کچھ حساب نہیں
مگر ثباتِ قدم کا کہیں جواب نہیں

(۳۹)
کہاں ہیں اہلِ نظر، صاحبانِ ہوش تمام؟ ۔۔۔ دکھا دوں آج انھیں روئے شاہدِ آلام
یہاں نہیں کوئی قیدِ مذاہب و اقوام ۔۔۔ تمام اہلِ زمانہ کو ہے مرا پیغام
حسینؑ فردِ مکمل، بزرگ و برتر ہے
حسینؑ عالمِ انسانیت کا رہبر ہے

(۴۰)
درِ حسینؑ نہیں وقفِ قیدِ ملّت ودین ۔۔۔ تمام خلق یہاں آ کے ٹیکتی ہے جبیں
وفا وہمت وایثار وصبر کے آئیں ۔۔۔ فقط حسینؑ نے بتا دیے ہیں یا کہ نہیں
حسینؑ شخصیت غیر اختلافی ہے
حسینؑ کافی ہے، تنہا حسینؑ کافی ہے

(۴۱)

اک اسوۂ حسنہ ہے حسینؑ کی سیرت ضمیر کی وہ بلندی وہ نفس کی رفعت

حد عروج سے آگے قدم کی ہر حرکت جو ہوتی ظرف میں انسان کے کہیں وسعت

دلوں کو جلوہ گہ نیرین کر دیتے

حسینؑ سارے جہاں کو حسینؑ کر دیتے

(۴۲)

نہ جانے کتنے زمانے میں ہو گئے رہبر کہ جن کے خون سے تاریخ کا ہے دامن تر

لہو بہایا گیا، دار پر چڑھے اکثر مگر حسینؑ کی بربادیاں، پناہ، حذر

نہ گھر، نہ بار، نہ لشکر، نہ ذات رہ جائے

یہ اس لئے تھا کہ انساں کی بات رہ جائے

(۴۳)

حذر! یزید کی دُنیا پرستیوں سے، پناہ کہ جس کے ہاتھ سے عالم کی زندگی تھی تباہ

جو ماں بہن کو بناتا تھا حُسن خلوت گاہ تھا جس کے عہد میں خوف گناہ عین گناہ

بڑے عروج حکومت تھے چشم ظاہر میں

اُصول ڈھلتے تھے کان زر وجواہر میں

(۴۴)

دہان خلق پہ تھی سیم وزر کی مہر سکوت اگر چلا نہ یہ جادو تو قوت وجبروت

غرض کہ نفس فریبی کا ہر نیا کرتوت بنا تھا عزت انساں کے واسطے تابوت

شکم پرست غریبوں کا سر کچلتے تھے

جنازے غیرت و اخلاق کے نکلتے تھے

(۴۵)

تمھیں بتاؤ یہ شاہی بھی کوئی شاہی تھی کہ جس میں جوہر اخلاق کی تباہی تھی

نہ حق پسندی تھی جس میں نہ حق پناہی تھی رُخ حیات پر دوڑی ہوئی سیاہی تھی

حواس وہوش پہ پہرا تھا کامرانی کا

تھا رنگ اُڑا ہوا تصویر زندگانی کا

(۴۶)

کہاں حسینؑ کہاں یہ ضمیر کی ذلت فنائے روح تھی ظالم یزید کی بیعت

نہ تھا ہراس کہ آئی ہے کون سی آفت بڑھی تھی سو قدم آگے بلاؤں سے ہمت

فضائے جنگ میں تیر اجل بکھرتے تھے

یہ لپکے ہاتھ پہ دل اپنا نذر کرتے تھے

(۴۷)

کروں مصیبت شبیرؑ کی اگر تفصیل دلوں کو پھونک دے سوز و گداز کی قندیل
دھوئیں میں گم ہوئی جاتی ہے مشعل تخیل بس ایک درد بھرے دل کی ہو گئی تشکیل

وہ دل ہے جس میں تڑپ عافیت پرستی کی
وہ دل کہ روح جو ہے کائنات ہستی کی

(۴۸)

وہ دل جو سینۂ گیتی کا قلب تابندہ وہ دل کہ جس کی ضیا سے جہاں درخشندہ
وہ دل کہ داغ الم جس کا داغ پائندہ وہ دل کہ ہو گیا برباد پھر بھی ہے زندہ

وہ دل کہ درد کے ہر مرحلے میں فرد بنا
وہ دل کہ درد سے جس کے نظام درد بنا

(۴۹)

حسینؑ! ہستی انساں کی زیب و زین حسینؑ! جُھکے ہوئے ہیں تیرے در پہ مشرقین، حسینؑ!
مصیبتوں میں زمانے کے دل کا چین، حسینؑ! تجھے پکار رہا ہے جہاں، حسینؑ، حسینؑ!

دلیل راہ بیابان پُر بلا تو ہے،
مدد! سفینۂ عالم کا ناخدا تو ہے،

(۵۰)

ہے یادگار تری دوپہر کی قربانی وہ غازیوں کی وہ اہل جگر کی قربانی
وہ لا کے ہاتھ پہ نور نظر کی قربانی رہا نہ کوئی، تو پھر اپنے سر کی قربانی

شکست کیسی؟ کہ مٹ کر بھی ارجمند ہوا
گرا جو خاک پہ، نیزے پہ سربلند ہوا

(۵۱)

وحید، منتخب دہر، وہ تیرے اصحاب مثال جن کی زمانے میں آج تک نایاب
حبیب و مسلم غازی کے وہ رخ پر تاب نثار جنکے بڑھاپے کی ہمتوں پہ شباب

لہو میں ڈوب کے پوشاک تن شہانی تھی
اجل کے روپ میں نکھری ہوئی جوانی تھی

(۵۲)

دھنی وہ شیر، وہ وعدہ وفائیاں اُن کی وہ سورما وہ غضب کی لڑائیاں اُن کی
منجے وہ تیغ کے ہاتھ اور صفائیاں اُن کی اجل کے شوق میں وہ خوش ادائیاں اُن کی

شکن جبیں پہ نہ تھی اور نہ وہ نراسے تھے
اگر تھی فکر تو اس کی "حسینؑ پیاسے تھے"

(۵۳)

وہ تیرے میوۂ دل وہ ترے جگر پارے — کہ جن کے حسن پہ قربان چاند اور تارے

کبود وہ لب خوش رنگ پیاس کے مارے — وہ نیم باز نگاہوں سے ان کے نظارے

بہار حسن جہاں ان پہ وار دے کوئی!

ابھی یہ جاگ اٹھیں گر پکار دے کوئی!

(۵۴)

وہ گرم ریت، وہ صدپاش جسم ابن حسنؑ — وہ کمسنی کی امنگیں کہ جن میں الھڑ پن

بدن پہ اک وہ کُرتا کہ جو بنا ہے کفن — لباس جنگ، یہی شیر کا ہے پیراہن

وہ گل کہ خون رُلا ہے بیکسی جس کی

بکھر کے رہ گئی ایک ایک پنکھڑی جس کی

(۵۵)

لب فرات، وہ لاشہ جوان بھائی کا — مقام شیر نے پایا ہے کیا ترائی کا

عَلم ملا ہے دلیروں کی رہنمائی کا — پڑے وہ کھیت کہ تھا غلغلہ دُہائی کا

نگاہ میں ہے وہی صولت و حشم اب تک

بلند فوج حسینؑ کا ہے عَلم اب تک

(۵۶)

تری مراد کی دنیا، وہ اکبرؑ ناشاد — بھری بہار میں کیسا ہوا چمن برباد

دلِ شباب پہ افسوس نیزۂ بیداد — تباہ ہوگئی ماں دشت ہوگیا آباد

جوانامرگ پہ رعنائیوں کا عالم ہے

جگر کا زخم نہیں، کائنات ماتم ہے

(۵۷)

وہ تیرے ہاتھ پہ بے چین انقلاب کا دل — وہ تیرا دل، وہ دھڑکتا ہوا ربابؑ کا دل

وہ ایک چاند کا پیکر، وہ آفتاب کا دل — وہ چھ مہینے کا سن اور وہ شباب کا دل

نقاب کا رُخ ہستی سے تھا ہٹا دینا

وہ تیر کھاتے ہی بچے کا مسکرا دینا

(۵۸)

اگر ہے کشمکش زیست میں خیال نجات — تو کربلا کا فسانہ ہے مشعل ظلمات

عجب حیات ہے زائر حسینیوں کی حیات — کہ جنکے دور عمل میں نہ کوئی دن ہے نہ رات

وہ ریجھتے نہیں حسن جہان فانی پر

نگاہ پڑتی ہے عزت کی زندگانی پر

مسعود رضا خاکی اور مرثیہ نگاری

خاکی صاحب دہلی کے قزلباش خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے والد آغا محمود رضا محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ وطن جاورہ ہے۔

ولادت :۔

۵ جنوری ۱۹۲۶ء میں بمقام میرٹھ ولادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم :۔

ابتدائی تعلیم 'جاورہ' میں ان کے ماموں مظفر عباس زائر کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ بارہائی اسکول ریاست جاورہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آگئے راولپنڈی میں قیام کیا، دورانِ ملازمت گارڈن کالج راولپنڈی سے ایم اے تک تعلیم حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک راولپنڈی میں قیام رہا۔

۱۹۵۸ء سے ۱۹۵۹ء تک رحیم یار خان میں قیام رہا۔

۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۸ء تک شیخوپورہ میں قیام رہا۔

۱۹۶۸ء سے تادمِ مرگ مستقل لاہور میں قیام پذیر رہے۔

ملازمت :۔

جی ایچ کیو راولپنڈی میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۶ء تک ملازم رہے۔

۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۸ء تک گارڈن کالج راولپنڈی میں درس و تدریس سے متعلق رہے۔

۱۹۵۸ء میں گورنمنٹ کالج رحیم یار خان اور ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۸ء تک گورنمنٹ کالج شیخو

پورہ، ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۷ء تک گورنمنٹ کالج لاہور سے متعلق رہے۔

شاعری کی ابتدأ :۔

ریاست جاورہ میں تقریباً بارہ سال کی عمر میں شاعری کی ابتدا ہوئی۔ طرحی زمین میں پہلے دو غزلیں اور پھر ایک نعت کہی جس پر اپنے ماموں مظفر عباس زائرؔ سے اصلاح لی۔ ان کے انتقال کے بعد اکبر حسین اکبرؔ اجمیری سے ایک غزل پر اصلاح لی۔ اسکے بعد سیمابؔ اکبر آبادی سے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۴۹ء تک تقریباً دس نظموں اور غزلوں پر اصلاح لی۔ ایک غزل پر کوثرؔ چاندپوری سے بھی اصلاح لی۔ ابتدائی غزلوں میں سے ایک غزل کا مطلع ہے۔

فضا کی وسعتوں میں ڈوب جانے کا ارادہ ہے
نیا آدم نئی حوّا بنانے کا ارادہ ہے

تخلص کی جستجو ہوئی تو انفرادیت کا خیال بھی تھا۔ مظفر عباس زائرؔ صاحب نے اشعرؔ تجویز کیا تھا۔ لیکن اس تخلص کو کبھی نہیں اپنایا۔ کیونکہ اس تخلص کے شاعر موجود تھے۔ کبھی آغاؔ اور کبھی رضاؔ تخلص اختیار کیا۔ کچھ نظمیں آغا المشہدی کے نام سے شائع ہوئی تھیں۔ لیکن پھر تاریخ ادب و شاعری کے مطالعے کے دوران خاکیؔ پسند آیا اس تخلص کو اس اعتبار سے منفرد سمجھا کہ سوائے ایک قدیم شاعر کے کسی نے لفظ خاکیؔ کو بطور تخلص نہیں اپنایا تھا۔ اس لئے کہ اردو میں ترابی کا ترجمہ خاکی سے زیادہ موزوں نگاہ میں نہیں تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد باقاعدہ طور پر یہی تخلص اختیار کر لیا۔

مرثیہ نگاری کی ابتدا :۔

مرثیے سے رغبت تو ابتدا ہی سے تھی۔ تحت لفظ خوانندگی کی تربیت بچپن سے اپنے ماموں سے حاصل کی تھی۔ ۱۹۴۲ء میں "قحط بنگال" کا مرثیہ لکھا تھا اس میں انسان کی مظلومیت اور بیچارگی پر بحث کی گئی ہے اس کا مطلع تھا۔

"حدیثِ لالہ و بلبل نہیں مری نظمیں"

کربلا کے موضوع پر مختصر مسدّس ۱۹۴۷ء میں لکھا عنوان تھا "کربلا روتی رہی"۔ ۱۹۷۲ء میں پہلا جدید مرثیہ سیّد آلِ رضا کی تحریک پر کہا۔ قیصر بارہوی نے ہمّت افزائی کی۔ ۱۹۷۲ء ہی میں ڈاکٹر وجاہت حسین کے مکان پر ایک مجلس میں یہ مرثیہ پیش کیا۔ خاکیؔ صاحب نے

راولپنڈی، کراچی، ساہیوال، خانیوال، فیصل آباد، چنیوٹ، پشاور، ملتان وغیرہ میں مرثیے پیش کیے۔ ۹۱ مرثیے تصنیف کیے۔

تحقیقی مقالات :۔

"شرر اوران کے تاریخی ناول" کے عنوان سے ایم اے کا تحقیقی مقالہ تحریر کیا، "اردو کے افسانے کا ارتقا" کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔

ادبی خدمات :۔

۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۴ء حلقۂ اربابِ ذوق کے نائب معتمد رہے، شرر (نقوش شخصیات نمبر) تاریخی ناول کیا ہے (جامِ نو)، ادب میں ابدیت کا مسئلہ، کشمیر میں اردو، اردو زبان اور سرمایۂ شبیری، اور غالب کے مکتوب الیہ جیسے مقالے تحریر کیے، جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے۔ ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۴ء دوسال تک نئی کتابوں پر ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے تبصرہ کیا۔

تصانیف :۔

نظمیں، مسدس، سلام، قصائد، نوحے، قطعات کے مختلف مجموعات وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ تذکرۂ کرب وبلا (۱۹۶۸ء لاہور)، کیفِ غم، آیاتِ وفا، لبِ کوثر (۱۹۷۲ء لاہور) منظوم سجدے (۱۹۷۵ء لاہور) پیکرِ ایثار (۱۹۴۵ء دہلی) اور کربلا روتی رہی (۱۹۴۹ء راولپنڈی) بساطِ عزا، چراغاں، گلبارِ عقیدت، صد جامِ بہشت اور مرثیوں کا مجموعہ شائع ہوا۔ خواتین کیلئے نظمیں لکھیں جو "عصمت" کراچی اور "حرم" لاہور میں چھپ چکی ہیں۔

معنوی اساتذہ :۔

میر انیس، اسمٰعیل میرٹھی، افسر میرٹھی، ڈاکٹر اقبال، سید آلِ رضا کے کلام سے متاثر ہوئے اور انھیں معنوی استاد تسلیم کرتے تھے۔

اصنافِ شعر :۔ ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ غزل، نظم، قصیدہ، رباعی، قطعہ، مثنوی اور مرثیہ سب کچھ کہا۔

شاگرد :۔ خوشتر علی خوشتر، رضا حسین رضا، امان اللہ، امجد شاگرد رہے۔

اولاد :۔ شکیل رضا غزالی ایک بیٹا اور ۴ بیٹیاں غزالہ، شگفتہ، شبانہ، سبیکا ہیں۔

جدید مرثیہ : جدید مرثیے کے متعلق مسعود رضا خاکی فرماتے تھے۔

"جدید مرثیہ منظوم انشائیہ ہے جس میں کربلا کے ساتھ ربط قائم رکھتے ہوئے گفتگو ہوتی ہے۔"

مطلع	موضوع	تعداد بند	سنہ تصنیف
۱۔ جذبۂ عشق نے جب شوق کو مہمیز کیا	درحال حضرت عباسؑ	۱۱۵	۱۹۷۲ء
۲۔ حمدِ معبود سے ہوتا ہے جب آغازِ سخن	حضرت امِ کلثومؑ	۶۴	۱۹۷۲ء
۳۔ جب کاتبِ خیال نے کھولی کتابِ عصر	عصر عاشور	۵۸	۱۹۷۳ء
۴۔ ساعتِ اوّلِ تخلیق سے موجود ہے عصر	امام حسینؑ اور عصری تقاضے	۶۲	۱۹۷۴ء
۵۔ طوفاں میں عافیت کا سفینہ ہیں اہلبیتؑ	اسلام اور حسینؑ	۳۱	۱۹۷۶ء
۶۔ ماں زندگی کا مرکزِ صبر و قرار ہے	حضرت امِ ربابؑ	۴۸	۱۹۷۷ء
۷۔ عنوانِ گفتگو حق و باطل کی جنگ ہے	شہادتِ جنابِ فاطمہؑ	۵۰	۱۹۷۵ء
۸۔ زباں پہ ذکرِ خدا صبح و شام رہتا ہے	حسینیت	۵۴	۱۹۷۵ء
۹۔ چشمِ خیال محوِ تماشائے علم ہے	حضرت امام محمد باقرؑ	۴۹	۱۹۷۷ء
۱۰۔ ساتویں برج میں جب مہرِ امامت آیا	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ	۳۲	۱۹۷۵ء
۱۱۔ زباں سے غرض ہے نہ مطلب سخن سے	امامِ حسنؑ امامِ حسینؑ	۶۰	۱۹۷۷ء
۱۲۔ خدا کی حمد بھی ہے اصل میں ثنائے حسنؑ	حضرت امام حسنؑ	۶۴	۱۹۷۸ء
۱۳۔ قرآن ہے قصیدۂ احوالِ مصطفےٰؐ	حضرت امام جعفر صادقؑ	۴۸	۱۹۷۸ء
۱۴۔ حق یہ ہے کہ ماں باپ کا حق سب سے سوا ہے	حقوق والدین	۳۱	۱۹۷۸ء
۱۵۔ تنہا تھے جب حسینؑ شہادت کی راہ میں	تذکرۂ شہدائے کربلا	۲۴	۱۹۷۸ء
۱۶۔ نئی صدی ہے نیا رنگ ہے زمانے کا	نئی صدی	۳۶	
۱۷۔ حمد اس کی جس نے نورِ مصطفےٰؐ پیدا کیا	نظامِ مصطفےٰؐ	۵۰	
۱۸۔ علیؑ قرآنِ ناطق ہیں لسانِ کبریا بھی ہیں	قرآنِ ناطق	۸۴	۱۹۸۹ء
۱۹۔ اسلام اک مکمل دستورِ زندگی ہے	شہادتِ امام حسن عسکریؑ	۵۸	۱۹۸۳ء

مرثیہ

ماں زندگی کا مرکز صبر و قرار ہے
ماں اک چمن ہے جس میں مسلسل بہار ہے
ماں لطف ہے سکون ہے شفقت ہے پیار ہے ①
ماں اِک عظیم نعمتِ پروردگار ہے
ماں ایک درسگاہ ہے عقل و شعور کی
ماں ایک کہکشاں ہے محبّت کے نور کی

ماں رحمتِ خدا کی مکمّل دلیل ہے
آئینہ دارِ قدرتِ ربِّ جلیل ہے
ابرِ کرم ہے جذبۂ الفت کی جھیل ہے ②
ماں اصل میں خلوص کی اک سلسبیل ہے
ممتا سے بڑھ کے جذبۂ اعلیٰ کوئی نہیں
ماں سے زیادہ چاہنے والا کوئی نہیں

اُمّ الکتاب جس میں ہے دنیا کا خشک وتر
ماں کے وجود کو وہ سمجھتی ہے معتبر
چھایا ہے ہر زمانہ پہ یہ لفظِ مختصر ③
ماں کے بغیر کوئی نہیں جز ابوالبشر
ماں کا بدل نہیں ہو کوئی کائنات میں
ماں اک عجب لُغت ہے لُغاتِ حیات میں

ہر فرد کا وسیلۂ تخلیق ماں کی ذات
ماں وہ صدف ہے جس سے ملا گوہرِ حیات
ماں کے وجود میں ہیں نرالی تجلّیات ④
اس مختصر سے لفظ میں پنہاں ہے کائنات
باغِ حیات کے لئے فصلِ بہار ہے
ماں غم کی دھوپ میں شجرِ سایہ دار ہے

اولاد کے لئے وہ اٹھاتی ہے سختیاں
آٹھوں پہر وہ رہتی ہے بچوّں کی پاسباں
آتی ہیں جب بھی بچوں پہ آفاتِ ناگہاں ⑤
سب سے زیادہ کون تڑپتا ہے، صرف ماں
بازی حیات کی جہاں پڑتی ہے موت سے
اولاد کے لئے وہی لڑتی ہے موت سے

ہر سانس میں وہ رکھتی ہے اولاد کا خیال پروان اُس کے دم سے ہی چڑھتے ہیں نونہال
(۶)
ہر سرد و گرم میں وہی کرتی ہے دیکھ بھال سب سے عظیم سانحہ ہے ماں کا انتقال

پتھر کا دل بھی اس کے سبب سے دو نیم ہے
حق یہ ہے ماں کی موت کا صدمہ عظیم ہے

ممکن ہے ماں کے بعد خبر گیر ہو پدر ہو جائے اس کا جذبۂ الفت شدید تر
(۷)
لیکن ہے ماما سے جداگانہ یہ ڈگر ماں کا بدل نہیں ہے کوئی قصہ مختصر

بچّہ ہو یا بڑا ہو جو ماں سے بچھڑ گیا
آدم کی طرح باغِ جناں سے بچھڑ گیا

ہر اعتبار سے ہے یہ غم اک عظیم غم اولاد ماں کی یاد میں روتی ہے دم بدم
(۸)
جس غم کی کیفیت کی نہیں طاقتِ رقم تلقینِ صبر اس میں کریں کس طرح سے ہم

اولاد اپنے دل پہ کرے جبر کس طرح
ماں سے بچھڑ کے آئے بھلا صبر کس طرح

ماں کا فراق کوہِ الم ہے خدا گواہ صحرائے ہجراں ہے نہیں جس میں کوئی راہ
(۹)
طوفان کوئی آئے تو ملتی نہیں پناہ ایسے میں یاد آتی ہے ہر وقت ماں کی چاہ

ماں جس کی مرگئی ہو نہ روئے تو کیا کرے
یہ غم کبھی نہ کوئی اٹھائے خدا کرے

بچّہ ہو یا جوان ہو عورت ہو یا کہ مرد آتی ہے ماں کی یاد تو ہوتا ہے دل میں درد
(۱۰)
ماں کے بغیر دل سے نکلتی ہے آہِ سرد اس غم سے اولیا کے بھی چہرے ہوئے ہیں زرد

ماں کو کرے گا کوئی فراموش کس طرح
ماں سے جدا رہے تو رہے ہوش کس طرح

اور ایسی ماں جو نیک ہو پرہیزگار ہو اک سچّی مومنہ ہو عبادت گزار ہو
(۱۱)
جس کو رسولؐ و آلِ محمد سے پیار ہو فقہ کی پیروی میں جو مصروفِ کار ہو

کس طرح ضبطِ محشرِ جذبات کیجئے
الفاظ ساتھ چھوڑیں تو کیا بات کیجئے

البتہ اک طریقہ ہے وہ آزمایئے　　آلِ نبیؐ کے درد کا قصہ سنایئے
یعنی غمِ حسینؑ میں آنسو بہایئے　　ان آنسوؤں کا قلب پہ مرہم لگایئے　۱۲

سبطِ نبیؐ کی یاد کو عنوان کیجئے
دنیا میں دین کے لئے سامان کیجئے

بعدِ رسولؐ جب ہوا زہراؑ کا انتقال　　اس وقت تھے حسینؑ و حسنؑ دونوں خورد سال
ماں سے بچھڑ کے زینبؑ و کلثومؑ تھیں نڈھال　　چالیس سال تک نہ ہوا غم کا اندمال　۱۳

ہر روز ماں کی قبر پہ جاتے رہے حسینؑ
ہر شب کو اک چراغ جلاتے رہے حسینؑ

لگتا تھا دل پہ جب بھی کسی تازہ غم کا داغ　　کرتے تھے ماں کے روضہ پہ روشن نیا چراغ
ہوتا تھا غم سے جب بھی پریشاں دل و دماغ　　ملتا تھا ماں کی قبر کے دیدار سے فراغ　۱۴

اتنا سکون آ کے یہاں پاتے تھے حسینؑ
سر رکھ کے ماں کی قبر پہ سوجاتے تھے حسینؑ

لکھا ہے جب مدینہ سے شہہ نے کیا سفر　　نانا کے بعد پہنچے تھے ماں کے مزار پر
پہلے تو آنسوؤں سے کیا تھا زمیں کو تر　　پھر یہ کہا تھا قبر کی مٹی کو چوم کر　۱۵

امّاں حسینؑ پر یہ قیامت کا وقت ہے
اب دودھ بخش دیجئے رخصت کا وقت ہے

فرماتے تھے یہ رو کے شہنشاہِ خاص و عام　　امّاں قبول کیجئے اب آخری سلام
ممکن نہیں مدینے میں شبیرؑ کا قیام　　اب کربلا میں ہوگا ہمارا سفر تمام　۱۶

اب صبح شام حال سنانے نہ آئیں گے
امّاں ہم اب چراغ جلانے نہ آئیں گے

تاریخ کہہ رہی ہے یہ پُر درد داستاں　　صحرائے کربلا میں لٹا ایک کارواں
شعلہ بجاں وہ دن تھے وہ راتیں دھواں دھواں　　نیزے پہ سر حسینؑ کا پہنچا کہاں کہاں　۱۷

یہ سوچئے کہ قید تھا کنبہ حسینؑ کا
دفنانے کون آیا تھا لاشہ حسینؑ کا

(۱۸)

چالیس روز کس کا جنازہ پڑا رہا   فرزندِ مصطفےٰؐ کو کفن تک نہ مل سکا
آتا کفن کہاں سے کہ زینبؑ تھیں بے ردا   پُرسانِ حال کون تھا بے کس حسینؑ کا

اک ماں کی روح آئی تھی بیٹے کی لاش پر
آنسو چھڑک رہی تھی تنِ پاش پاش پر

(۱۹)

اس ماں کے صبر و ضبط پر ایثار پر سلام   اس کے شہید بیٹے کے کردار پر سلام
مظلوم کے معاون و انصار پر سلام   زینبؑ پر اور عابدؑ بیمار پر سلام

اُن پر سلام جن کا بھرا گھر اُجڑ گیا
دُرّوں سے جن کا جسمِ مقدّس اُدھڑ گیا

(۲۰)

جب کربلا سے کوفہ گئے تھے یہ سوگوار   تھیں بے کجاوہ اونٹوں پہ سب بیبیاں سوار
سجادؑ پا پیادہ تھے تھامے ہوئے مہار   پاؤں میں بیڑیاں تھیں گلا طوق سے فگار

رستہ میں ظلم اور بھی ڈھائے تھے شمر نے
دُرّے قدم قدم پہ لگائے تھے شمر نے

(۲۱)

ناموسِ مصطفےٰؐ کا کہوں کس زباں سے حال   بازو بندھے تھے پشت پہ ہر فرد تھی نڈھال
سر بے ردا تھے چہروں پہ بکھرے ہوئے تھے بال   اس حال میں محال تھی بچوں کی دیکھ بھال

یہ حال ان بندھی ہوئی باہوں سے پوچھئے
بچّے کہاں گرے راہوں سے پوچھئے

(۲۲)

مُرجھا کے فاطمہؑ کے شگوفے بکھر گئے   ان بچّوں پر سلام جو رستے میں مر گئے
اونٹوں پہ دیکھتی رہیں مائیں کدھر گئے   کیا جانے کتنی دیر جئے کب گزر گئے

نکلی کسی کی چیخ تو تھرّا کے رہ گئیں
اونٹوں کو کون روکتا چِلّا کے رہ گئیں

(۲۳)

گزرا تھا راہِ سخت سے یہ کاروانِ غم   آلِ رسولؐ کے لئے تھا امتحانِ غم
طوفاں سے قبل کا تھا سکوتِ بیانِ غم   گھُل گھُل کے آنسوؤں میں ملی داستانِ غم

اولادِ فاطمہؑ پہ قیامت کا وقت تھا
یہ مرحلہ تو کرب و بلا سے بھی سخت تھا

آراستہ وہ کوفہ کے بازار ہائے ہائے　زنجیر و طوق عابدِؑ بیمار ہائے ہائے
وہ بام و در وہ مجمعِ اغیار ہائے ہائے　(۲۴)　بے پردگی عترتِ اطہار ہائے ہائے
لیکن سرِ حسینؑ پہ جس دم نظر گئی
اس امتحانِ سخت سے زینبؑ گزر گئی

کوفہ کا ذکر کیجئے یا شام کا بیاں　اک سرگزشتِ درد ہے اک غم کی داستاں
جب قیدِ غم میں ننھی سکینہؑ تھی نیم جاں　(۲۵)　بچّی کا حال دیکھ کے روتی تھی ایک ماں
ہر بار ایک صدمۂ تازہ تھا سامنے
اب کیا بتاؤں کس کا جنازہ تھا سامنے

دفنا چکے سکینہؑ کو جب عابدِؑ حزیں　کرب و بلا کی پہنی ہوئی بیڑیاں کٹیں
یہ سچ ہے زندہ مادرِ سجّادؑ تو نہ تھیں　(۲۶)　اُمِ ربابؑ شکر کے سجدے میں جھک گئیں
قابو رہا نہ دل پہ تو آنسو رواں ہوئے
اشکوں میں شام و کوفہ کے قصے بیاں ہوئے

آزادیاں ملیں تو بڑھا اضطرابِ غم　سامان آ گیا تو کھُلی اک کتابِ غم
جب ہو گیا دمشق میں پورا نصابِ غم　(۲۷)　پھر کربلا کی سمت چلا یہ سحابِ غم
صحرا میں گونجتی تھی صدا شور و شین کی
آواز آ رہی تھی فقط یا حسینؑ کی

جب کربلا میں آئے اسیرانِ کربلا　برپا ہوئیں مجالسِ سلطانِ کربلا
تازہ ہوا بیانِ شہیدانِ کربلا　(۲۸)　ماتم سے گونجنے لگا میدانِ کربلا
روئے تھے سب لپٹ کے مزارِ امامؑ سے
چالیسواں ہوا تھا بڑی دھوم دھام سے

اس روز کیا بتاؤں کہ کیا کیا کیا گیا　کس کس طرح سے زخمِ جگر کو سیا گیا
آنسو کبھی بہے کبھی ان کو پیا گیا　(۲۹)　پرسا لیا گیا کبھی پرسا دیا گیا
نوحے پڑھے گئے تھے ہر اک کے مزار پر
اس روز فاطمہؑ کا چمن تھا بہار پر

کس طرح لاؤں لفظوں میں اس روز کی بہار
کہتے ہیں آنسوؤں سے تھا شاداب ہر مزار
ہر ذرّہ کربلا کا تھا بیتاب و بے قرار
گرتی تھیں مائیں بچوں کی قبروں پہ بار بار (۳۰)

لیلیٰ نے بال کھولے تھے اکبرؑ کی قبر پر
اُمِ ربابؑ روتی تھیں اصغرؑ کی قبر پر

قاسمؑ کی والدہ کا کہوں کس زباں سے حال
آنکھوں کے سامنے تھا وہ فرزندِ خوش جمال
دل ہو رہا تھا ضبطِ الم سے بہت نڈھال
لیکن پسر سے کرتی تھیں رو رو کے یہ سوال (۳۱)

اے لال ماں کو اور کہاں تک رُلاؤ گے
للّٰہ یہ بتاؤ کہ کب منہ دکھاؤ گے

چھڑکا گیا مزاروں پہ آنکھوں سے یوں گلاب
جیسے برس رہا ہو محبّت کا اک سحاب
وہ گوشہ جس میں عونؑ و محمدؑ تھے محوِ خواب
اک ماں کے ضبطِ غم کا تھا عنوانِ لاجواب (۳۲)

اس داستانِ صبر کی کیا ابتدا کروں
غش آگیا ہے ثانیٔ زہرؑا کو کیا کروں

ممکن ہے یہ کہا ہو کسی نے کہ جلد جاؤ
عابدؑ چچا کی قبر پہ ہوں گے انھیں بلاؤ
تھوڑی سی خاک تربتِ شبیرؑ سے بھی لاؤ
سایہ علم کا ڈال کے بی بی کو یہ سنگھاؤ (۳۳)

شبیرؑ کے لہو کی مہک جب بھی پائیں گی
بیٹوں کے غم کو بنتِ علیؑ بھول جائیں گی

القصہ آئیں ہوش میں جب خواہرِ امامؑ
کہتے ہیں کربلا میں رہا تین دن قیام
اک سلسلہ تھا مجلس و ماتم کا صبح شام
سر اور سینہ پیٹتی تھیں بیبیاں تمام (۳۴)

یوں کربلا سے رسم چلی "یا حسینؑ" کی
آواز پھر کبھی نہ تھمی "یا حسینؑ" کی

جب کربلا سے سوئے مدینہ چلے حرم
آوازِ یا حسینؑ پہ اٹھتے رہے قدم
تھا آگے آگے ساتھ بطورِ نشانِ غم
آلودہ خاک و خون میں مشکیزہ و علم (۳۵)

زینبؑ کی زادِ راہ تھا کرتا حسینؑ کا
دینا تھا ماں کی قبر پہ پُرسا حسینؑ کا

ایفائے عہد کے لئے ٹھہری رہیں ربابؑ کہتی رہیں فسانۂ فرزندِ بوتراب
مرقد پہ صبح شام چھڑکتی رہیں گلاب (۳۶) کہتے ہیں عمر بھر وہ رہیں زیرِ آفتاب
بی بی غمِ حسینؑ میں یوں نام کر گئیں
جس روز عہد ختم ہوا خود بھی مر گئیں

اُمِّ رباب کا یہ فسانہ ہے جاوداں ان پر سلام بھیجتے ہیں صاحب الزّماں
ہوتا ہے جب بھی درد و مصیبت کا امتحاں (۳۷) کرتے ہیں یاد اُن کی مصیبت کو انس و جاں
جب تک رہے گی روحِ تپش آفتاب میں
گرمی رہے گی قصۂ اُمِّ رباب میں

یہ قصہ سن کے فکر میں آتا ہے انقلاب بڑھتا ہے حوصلہ بخدا بے حد و حساب
چھڑتا ہے جب بھی تذکرۂ ابن بوتراب (۳۸) اس تذکرے سے ہوتا ہے ہر غم کا سدِّباب
بن جاتے ہیں شکستہ دلوں کی دوا حسینؑ
بے ساختہ زبان پہ آتا ہے یا حسینؑ

یہ تذکرہ ہے عظمتِ انساں لئے ہوئے ہر بات ہے قرارِ دل و جاں لئے ہوئے
ہر واقعہ ہے درد کا درماں لئے ہوئے (۳۹) اک کہکشاں ہے جلوۂ ایماں لئے ہوئے
خاکیؔ اب اس سے قلب و نظر جگمگایئے
پھر اس کے بعد ہاتھ دعا کو اٹھایئے

پروردگار بنتِ پیمبرؐ کا واسطہ اُمّ البنینؑ زوجۂ حیدرؑ کا واسطہ
زہرؑا کی بیٹیوں کے کھلے سر کا واسطہ (۴۰) جو کربلا میں لٹ گیا اس گھر کا واسطہ
جنّت میں فاطمہؑ کی کنیزیں جہاں رہیں
دنیا سے جا چکی ہیں جو مائیں وہاں رہیں

اور اس کے بعد عرض ہے اے ربِّ مشرقین تو جانتا ہے چھن گیا کس کس کے دل کا چین
پروردگار واسطۂ فاتحِ حنین (۴۱) غم اور کوئی ہم کو نہ دے جُز غمِ حسینؑ
اب امتحانِ صبر کی ہمّت چلی گئی
تو جانتا ہے ضبط کی قوّت چلی گئی

یارب تجھے علیؑ کی شجاعت کا واسطہ ‏ اللہ اہلبیتِ نبوّت کا واسطہ
یارب حسنؑ حسینؑ کی عظمت کا واسطہ (۴۲) بنتِ رسولِؐ پاک کی عصمت کا واسطہ

جس جس کے لب پہ جو بھی دعا ہے قبول ہو
ہر آرزو ہر ایک تمنّا قبول ہو

مرثیہ

ماں باپ کو دکھ دینا روا تھا نہ روا ہے ‏ حق یہ ہے کہ ماں باپ کا حق سب سے سوا ہے
ناراض ہیں ماں باپ تو ناراض خدا ہے (۱) کہتے ہیں کہ یہ قولِ رسولِؐ دوسرا ہے

ماں باپ کی صورت میں اک آیت ہے خدا کی
ماں باپ کی تعظیم عبادت ہے خدا کی

اس واسطے وہ لائقِ تعظیم و ادب ہیں ‏ ماں باپ ہی اولاد کی ہستی کا سبب ہیں
ماں باپ بہرحال نمائندۂ رب ہیں (۲) گورے ہیں کہ کالے ہیں عجم ہیں کہ عرب ہیں

ماں باپ کے فقدان سے ہم آپ نہ ہوتے
اولاد کہاں ہوتی جو ماں باپ نہ ہوتے

اس امر سے اللہ کی قدرت ہے نمودار ‏ تخلیق کے قانون سے ممکن نہیں انکار
ماں باپ ملا کرتے ہیں اولاد کو اک بار (۳) کرنا ہی پڑے گا بخدا سب کو یہ اقرار

یہ طور کہیں اور ہویدا نہیں ہوتا
ان میں سے جو مر جائے وہ پیدا نہیں ہوتا

حیوان و نباتات و اجنہ ہوں کہ آدمؑ ‏ ہے پیشِ نظر سلسلۂ خلقتِ عالم
لیکن ہے یہ ایثار کہیں بیش کہیں کم (۴) زوجین کے ایثار سے تولید ہے پیہم

ان دونوں کی الفت میں کم و بیش نہ کیجے
ماں باپ کی خدمت میں پس و پیش نہ کیجے

ایثارِ خفی صبح و مسا کرتے ہیں ماں باپ — اک عہد ہے رب کا جو وفا کرتے ہیں ماں باپ
(۵)
اولاد کا حق پہلے ادا کرتے ہیں ماں باپ — خدمت ہی سے مخدوم بنا کرتے ہیں ماں باپ

منصب یہ بہت ارفع و اعلیٰ نظر آیا
یہ رُتبہ ہر اک رُتبہ سے بالا نظر آیا

ماں باپ کی خدمات کے انداز تو دیکھو — انجام تو ہے سامنے آغاز تو دیکھو
(۶)
بچّوں کے لئے ان کے تگ و تاز تو دیکھو — پھر سلسلۂ رغبت و اغماز تو دیکھو

مت پوچھو کہ اولاد کو کیا دیتے ہیں ماں باپ
بچّوں کے لئے جان گنوا دیتے ہیں ماں باپ

بچپن میں کہ جب کوئی سہارا نہیں ہوتا — کچھ کرنے کا کچھ کہنے کا یارا نہیں ہوتا
(۷)
کروٹ بھی بدلنے کا اجارا نہیں ہوتا — رونے کے سوا کوئی بھی چارا نہیں ہوتا

ایسے میں فریضہ یہ ادا کرتے ہیں ماں باپ
بچّوں کے لئے جیتے ہوئے مرتے ہیں ماں باپ

ہوتا ہے جہاں ختم ہمکنے کا زمانہ — ماں باپ ہی بنتے ہیں شرارت کا نشانہ
(۸)
بچپن کی ضدیں چاہتی ہیں تازہ بہانہ — ماں باپ سے ملتا ہے محبّت کا خزانہ

ہر قصّہ بعنوانِ محبت ہی کہا ہے
زحمت کو بھی ماں باپ نے رحمت ہی کہا ہے

وہ تربیتی دور لڑکپن جسے کہئے — ماں باپ کے ایثار کا ساون جسے کہئے
(۹)
بڑھتی ہوئی وہ لہر نیا پن جسے کہئے — وہ دور جوانی کا سنگھاسن جسے کہئے

ہر دور میں ماں باپ کا انداز جدا ہے
الفت کے وہی سُر ہیں مگر ساز جدا ہے

ہر دور میں الفت کا الگ رنگ ملے گا — خدمت کا نیا روپ نیا ڈھنگ ملے گا
(۱۰)
ایثار سے ایثار ہم آہنگ ملے گا — بدلے کا خیال آئے تو پاسنگ ملے گا

یاد آئی یہاں بات رسولِؐ دوسرا کی
ماں باپ کی صورت میں بھی رحمت ہے خدا کی

خوش بخت ہے، وہ جس کو ملا سایۂ رحمت — اس سایۂ رحمت میں ہے اک مخزنِ الفت
اس مخزنِ الفت میں ہے ایثار کی نعمت — ایثار کی نعمت ہی میں مستور ہے عظمت (۱۱)

عظمت بخدا انکی دعاؤں کا اثر ہے
جنت جو زمیں پر ہے وہ ماں باپ کا گھر ہے

ماں باپ کی خدمت میں جو مصروف رہے گا — تقدیر کے ہاتھوں سے وہ ایذا نہ سہے گا
جس سمت کوئی پیار کی اک بات کہے گا — دریائے محبّت بھی اسی سمت بہے گا (۱۲)

خوش بخت ہیں وہ لوگ جنہیں اس کا یقیں ہے
ماں باپ کی خدمت کا صلہ خُلدِ بریں ہے

وہ لوگ سنیں جن کا کہ قرآں پہ یقیں ہے — ماں باپ ہیں ناخوش تو نہ دنیا ہے نہ دیں ہے
اولاد جو ہو عاق تو مردود و لعیں ہے — ٹھکرائے ہوئے کا تو ٹھکانہ ہی نہیں ہے (۱۳)

ماں باپ سے لڑنا جسے محبوب رہا تھا
بیٹا تھا پیمبر کا مگر ڈوب رہا تھا

قرآن نے یہ قصّے کئی بار سنائے — اولاد پہ ماں باپ کے احسان جتائے
اولاد کی خدمات کے نقشے بھی دکھائے — حق اور فرائض کے سب عنوان بتائے (۱۴)

قرآن کسی رخ سے بھی خاموش نہیں ہے
یہ نقص ہمارا ہے ہمیں ہوش نہیں ہے

تاریخ کے اوراق اگر آپ کھنگالیں — مل جائیں گی ہر صورت و سیرت کی مثالیں
اچھے ہیں تو دامن کو برائی سے بچالیں — سیرت پہ پیمبرؐ کی چلیں اور جزا لیں (۱۵)

ہر نقشِ قدم صورتِ بنیاد رکھا تھا
دیکھا نہ تھا والد کو مگر یاد رکھا تھا

عبداللہ کا ترکہ تھے یتیمی کے مسائل — ماں آمنہؓ بچپن میں گئیں جانبِ منزل
دادا نے لیا گود چچاؤں نے دیا دل — کردار ہی ایسا تھا کہ پٹ پٹ نہ تھی کِل کِل (۱۶)

ہر عہد محمدؐ نے وفا کر کے دکھایا
جس جس کا تھا جو حق وہ ادا کر کے دکھایا

بچپن میں انھیں دائی حلیمہ نے جو پالا
حضرتؐ نے کیا ان کی بھی دنیا میں اجالا
(۱۷)
پھر ان کو لڑکپن میں چچی نے جو سنبھالا
حضرتؐ نے کوئی حکم کبھی ان کا نہ ٹالا

یہ رُخ بھی ذرا دیکھئے اخلاقِ نبیؐ کا
بیٹی کا وہی نام رکھا جو تھا چچی کا

اصحاب کو تاکید۔ پیمبرؐ تھی مسلسل
ماں باپ کی خدمات بجا لاؤ ہر ایک پل
(۱۸)
ناراض خدا ہوگا اگر ہوں گے یہ بے کل
ماں باپ کی دل جوئی شہادت سے ہے افضل

دنیا میں سکوں دین میں عزّت نہ ملے گی
ماں باپ کو دکھ دوگے تو جنّت نہ ملے گی

یہ حُسنِ عمل آلِ نبیؐ نے بھی دکھایا
ہر بات کو قرآن کی آیت سے سجایا
(۱۹)
ہر لحہ عباداتِ الٰہی میں بتایا
ماں باپ کی خدمت میں کبھی فرق نہ آیا

عاشور کو جب پھول شہادت کے کھلے تھے
اولاد کی طاعت کے نمونے بھی ملے تھے

جب نرغۂ اعدا میں حسینؑ ابنِ علیؑ تھے
ہر دشمنِ دیں جانِ پیمبرؐ کے تھا درپے
(۲۰)
تھے سینہ سپر تین شب و روز کے پیاسے
ان جاں نثاروں میں تھے ہر سو یہی چرچے

اے کاش ہمارا بھی وفاداروں میں نام آئے
اولاد ہماری بھی نبیؐ زادے کے کام آئے

تھیں جان نثارانِ حسینی میں وہ مائیں
دیتی تھیں جو بیٹوں کو شہادت کی دعائیں
(۲۱)
پھر کہتی تھیں ٹھہرو تمہیں دولھا تو بنائیں
مولا پہ تصدّق کے لئے خوب سجائیں

گھر میں یہ اُجالا بھی اسی دن کے لئے تھا
بیٹا تمہیں پالا بھی اسی دن کے لئے تھا

لیلیٰ نے کہا تھا یہی اکبرؑ کو بلا کر
اے نورِ نظر خطرہ میں ہیں سبطِ پیمبرؐ
(۲۲)
میدان میں جانا ہے تو تعجیل ہے بہتر
ایسا نہ کہیں ہو کہ بدل جائے مقدّر

اٹھارہ برس پالنے والی کو صلہ دو
اب خوابِ براہیمؑ کی تعبیر دکھا دو

تھا مادرِ قاسمؑ کا یہ قاسمؑ سے تقاضہ — اے ابنِ حسنؑ جاؤ رکھو دھیان چچا کا
(۲۳)
اعدا میں ہے محصور محمدؐ کا نواسا — تم سینے پہ لو جا کے ہر اک وار قضا کا

جو کام تمہارا ہے وہ کرنے کو سدھارو
ارمان نکل جائے جو مرنے کو سدھارو

زینبؑ نے یہی عونؑ و محمدؑ سے کہا تھا — حق ماں کا ادا کرنے کا وقت آیا ہے بیٹا
(۲۴)
پیاسے ہو مگر رخ بھی نہ کرنا سوئے دریا — میں دودھ نہ بخشوں گی اگر ضعف دکھایا

خیمے میں ہر اک بی بی کی زینبؑ پہ نظر ہے
تم جعفرِ طیارؑ کے پوتے ہو خبر ہے

وہ فضل کی ماں زوجۂ عباسؑ علمدار — بیٹے سے یہ کہتی تھیں میری جان خبردار
(۲۵)
مولا پہ نچھاور کو ہر اک فرد ہے تیار — تم پہل جو کرلو تو میرا بخت ہو بیدار

فہرست شہیدوں کی مرتب جہاں کی جائے
قربانئ اوّل میری قسمت میں لکھی جائے

چھ ماہ کے اک بچےؑ کی ماں خیمے کے اندر — جب جھولا جھلاتی تھی تو کہتی تھی یہ رو کر
(۲۶)
اے کاش جواں آج کے دن ہوتا جو اصغرؑ — میدانِ شہادت میں چمک جاتا مقدر

لڑنے کو رہِ حق میں یہ ارمان سے جاتا
مولا پہ نچھاور کو بڑی شان سے جاتا

بچےؑ کے تبسم نے کئے تھے یہ اشارے — اماں ابھی بر آئیں گے ارمان تمھارے
(۲۷)
میں گھٹنیوں چلتا ہوا قسمت کے سہارے — اک پل میں پہنچ جاؤں گا کوثر کے کنارے

میدانِ شہادت میں نئے رخ سے بڑھوں گا
میں باپ کی آغوش میں پروان چڑھوں گا

عاشور کو پورا ہوا ہر ماں کا یہ ارمان — ہر ایک کا بیٹا ہوا شبیرؑ پہ قربان
(۲۸)
خیمے میں جب آتی تھی کوئی لاش بصد شان — ماں سجدہ میں کہتی تھی کہ اللہ کا احسان

صد شکر کہ مقبول مناجات ہوئی ہے
جو چاہتی تھی ماں یہ وہی بات ہوئی ہے

کس شان کی مائیں تھیں وہ کس شان کی اولاد ۲۹ اس شان سے قائم ہوئی اسلام کی بنیاد
اولاد نے جاں دے کے بھی ماؤں کو رکھا شاد اے کاش رہے ہم کو بھی یہ طرزِ وفا یاد

خاکیؔ وہ بہار آج بھی ہر فصل میں دیکھیں
اسلام کے آثار نئی نسل میں دیکھیں

مرثیہ

عنوانِ گفتگو حق و باطل کی جنگ ہے ۱ یہ داستاں طویل ہے اور وقت تنگ ہے
سنتے ہیں ہم ازل سے یہی رنگ ڈھنگ ہے حق کشتیِ حیات ہے باطل نہنگ ہے

جلوہ دِکھا دِکھا کہ ہمیں حق کے نور کا
خالق نے امتحان لیا ہے شعور کا

حق جب خدا کے حکم کی تعمیل بن گیا ۲ سجدہ گزار ہوتے ہی جبریل بن گیا
باطل پہ جو رہا وہ عزازیل بن گیا ہابیل بن گیا کوئی قابیل بن گیا

اس اختلافِ فکر کا جب ارتقا ہوا
تاریخ سے یہ پوچھئے دنیا میں کیا ہوا

باطل حدودِ کفر کا سلطان ہو گیا ۳ نمرود کی خدائی کا اعلان ہو گیا
فرعون ہو گیا کوئی ہامان ہو گیا دوزخ کو گرم رکھنے کا سامان ہو گیا

حکمِ خدا سے حق کی حمایت کے واسطے
آتے رہے نبیؑ بھی ہدایت کے واسطے

حق کا نمونہ بن کے کچھ انسان آگئے ۴ داؤدؑ جب گئے تو سلیمانؑ آگئے
یعقوبؑ اور یوسفِؑ کنعان آگئے نصرت کو حق کی موسیٰؑ عمران آگئے

شق ہو کے رودِ نیل نے اعلانِ حق کیا
کعبہ بنا خلیلؑ نے اعلانِ حق کیا

ابلیس نے بھی قوّتِ باطل کو دی ہوا (۵) یوں ہر نبی کے بعد بدلتی رہی ہوا
عیسیٰؑ گئے تو اور مکدر ہوئی ہوا ہر سمت کفر و شرک کی چلنے لگی ہوا
سنگینیوں نے کعبہ میں قبضہ جما لیا
حق کو خدا پرستوں نے دل میں چھپا لیا

صدیوں رہی جہالتِ انساں بروئے کار (۶) باطل کو ہر مقام پہ حاصل تھا اختیار
تہذیب تھی خباثتِ باطل سے داغدار انسانیت کو جلوۂ حق کا تھا انتظار
آخر خدا کے حکم سے یہ رُت بدل گئی
کشتی بھنور میں آئی تھی لیکن نکل گئی

یوں آخری نبیؐ کا زمانہ بھی آگیا (۷) حق کی شگفتگی کا زمانہ بھی آگیا
ایمانِ منجلی کا زمانہ بھی آگیا عمران کی خوشی کا زمانہ بھی آگیا
حُسنِ ازل بشکلِ محمدؐ عیاں ہوا
انسانیت کا قافلہ پھر سے رواں ہوا

جب شاہراہِ دیں پہ خدیجہؑ کا گھر مِلا (۸) اس کاروانِ شوق کو زادِ سفر مِلا
تبلیغِ حق کو مژدۂ فتح و ظفر مِلا اسلام کی بقا کے لئے مال و زر مِلا
اسلام جب دلوں میں اُترتا چلا گیا
یہ کاروانِ شوق سنورتا چلا گیا

فضلِ خدا سے چشمۂ کوثر عیاں ہوا (۹) مکّہ میں انقلاب کا سکّہ رواں ہوا
کعبہ میں بابِ علم کھلا حق جواں ہوا آئینِ حق بصورتِ قرآں بیاں ہوا
ضربِ علیؑ نے کفر کا دل چاک کر دیا
خالق کے گھر کو پوری طرح پاک کر دیا

کعبہ سے بت جو نکلے تو قائم ہوئی نماز (۱۰) آیاتِ حق سنانے لگے سرورِ حجاز
دنیا پہ منکشف ہوئے انسانیت کے راز باطل کو ڈھونڈنے لگا ابلیسِ حیلہ ساز
باطل جو ہر طرف سے پریشان ہو گیا
دل میں نفاق رکھ کے مسلمان ہو گیا

ظاہر میں گو رسولؐ پر ایمان بھی رہا   وردِ زباں دکھانے کو قرآن بھی رہا
حق کو شکست دینے کا ارمان بھی رہا (۱۱) اسلام کی حدود میں شیطان بھی رہا

آگاہ ہر مقام پہ کرتے رہے رسولؐ
سورہ منافقون کا پڑھتے رہے رسولؐ

دل میں دبی دبی سی جو چنگاریاں رہیں   ایمان سے نِفاق کی بیزاریاں رہیں
ظاہر میں ارتباط کی پُرکاریاں رہیں (۱۲) پوشیدہ طور پر وہی تیاریاں رہیں

قرآن حق کی بات سُناتا چلا گیا
شیطان سبز باغ دکھاتا چلا گیا

پیغمبرِؐ خدا کے تریسٹھ برس کا حال   رحمت کے خدّ و خال کا آئینۂ جمال
اک ایسا دور جس کا ہر اِک لمحہ لازوال (۱۳) انسانیت کو جس سے مِلا درجۂ کمال

اس دور میں رسولؐ کی سیرت کو دیکھیے
حُسنِ عمل کے پیکرِ عصمت کو دیکھیے

مکّہ کی زندگی کے مصائب کو تولیئے   یثرب پہ جن کے دانت تھے اُن کو ٹٹولیئے
غزواتِ مصطفائی کے ابواب کھولیئے (۱۴) بدلہ کبھی نبیؐ نے لیا ہو تو بولیئے

صدمے قدم قدم پہ اٹھاتے رہے رسولؐ
دشمن کو اپنے پاس بٹھاتے رہے رسولؐ

معلوم تھا خلاف و موافق ہے کون کون   مومن ہے کون فاجر و فاسق ہے کون کون
اللہ اور رسولؐ کا عاشق ہے کون کون (۱۵) یہ جانتے ہوئے کہ منافق ہے کون کون

نزدیک آکے جس نے بھی سر کو جھکا لیا
حضرت نے مُسکرا کے گلے سے لگا لیا

اعلانِ ذوالعشیرہ سے یومِ غدیر تک   وہ لوگ جو رسولؐ کا کھاتے رہے نمک
دیکھی نبیؐ کے چہرے پہ جب موت کی جھلک (۱۶) اُن کی نگاہِ شوق میں پیدا ہوئی چمک

تاریخ دیکھیے کہ کیا کیا پڑی رہی
میّت رسولِؐ پاک کی تنہا پڑی رہی

۱۷

میّت کے پاس گریہ کناں تھی نبیؐ کی آل — کچھ ہاشمی تھے صدمۂ جانکاہ سے نڈھال
سر پیٹتے تھے چند وفا کیش حق مآل — روتے تھے اہل بیتؑ یہ کرتے تھے دیکھ بھال
حالت الم سے غیر ہوئی تھی بتولؑ کی
حیدرؑ لحد میں رکھتے تھے میّت رسولؐ کی

۱۸

باطل کے زیرِ سایہ تھی دو چار کی بحث — سیرت کا تذکرہ تھا نہ کردار کی بحث
در اصل تھی مہاجر و انصار کی بحث — کر دی کسی نے ختم یہ بیکار کی بحث
باطل جو چاہتا تھا وہ صورت نکال لی
جاہل نے بابِ علم کی کرسی سنبھال لی

۱۹

قرآن روشناس کراتا رہا جنھیں — کاندھے پہ خود رسولؐ بٹھاتا رہا جنھیں
اسلام اپنا درد سناتا رہا جنھیں — دینِ خدا مدد کو بلاتا رہا جنھیں
جو بازوئے رسولؐ تھے خالق کا ہاتھ تھے
حق اُن کے ساتھ ساتھ تھا وہ حق کے ساتھ تھے

۲۰

آمادۂ فساد تھی اُمّت رسولؐ کی — بھولا ہوا سبق تھا اِطاعت رسولؐ کی
برباد ہو رہی تھی شریعت رسولؐ کی — مجبوریٔ علیؑ تھی وصیّت رسولؐ کی
یہ امتحانِ صبر تھا حیدرؑ کے واسطے
یہ دن کٹھن تھے آلِ پیمبرؐ کے واسطے

۲۱

سادات کے شرف کو مٹانے کی دھمکیاں — بنتِ نبیؐ کے گھر کو جلانے کی دھمکیاں
گھر سے علیؑ کو کھینچ کے لانے کی دھمکیاں — تھیں صاف صاف حق کے دبانے کی دھمکیاں
وہ دھمکیاں جو دی گئیں صحنِ بتولؑ میں
گستاخیاں تھیں عزّت و شانِ رسولؐ میں

۲۲

جس کی خبر سنا کے گئے تھے شہہِ زمن — آنکھوں کے سامنے تھا وہی دَورِ پُرفتن
جاری ہوئے تھے دین میں احکامِ اہرمن — خاموش و دم بخود رہا کعبہ کا بُت شکن
ممکن تھا ایک ضرب سے باطل کا فیصلہ
چھوڑا خدا پہ حق کے مقابل کا فیصلہ

تاریخ آج تک ہے اسی غم میں سینہ چاک — آلِ نبیؐ پہ ظلم ہوئے کتنے ہولناک
(۲۳)
کہتے تھے جس کو بضعۂ منی رسولؐ پاک — صدمے اٹھا اٹھا کے گئی وہ بھی زیرِ خاک

ہر چند ظلم و جور تھے زہرؑا کی جان پر
اِک بد دعا کا لفظ نہ آیا زبان پر

اللہ رے یہ عظمتِ کردارِ فاطمہؑ — مثلِ نبیؐ ہے شیوۂ گفتارِ فاطمہؑ
(۲۴)
قرآن کے حروف ہیں انوارِ فاطمہؑ — خلدِ بریں ہے سایۂ دیوارِ فاطمہؑ

بے اذن جس کے گھر میں فرشتہ نہ آسکے
انسان کیسے اُس کے فضائل بتاسکے

اِس گھر میں وہ ہے جس میں رسالت کا نور ہے — قرآن کہہ رہا ہے طہارت کا نور ہے
(۲۵)
عصمت کا نور ہے یہ امامت کا نور ہے — اسلام کی عظیم قیادت کا نور ہے

یہ گھر ہے وقف دین کی تعلیم کے لئے
جُھکتے ہیں یاں رسولؐ بھی تعظیم کے لئے

کون و مکاں میں عالمِ نسواں کی تاجدار — زہرؑا، بتولؑ، طاہرہؑ، صدیقہؑ حق شعار
(۲۶)
وہ فاطمہؑ جنابِ خدیجہؑ کی ورثہ دار — ہر اعتبار سے یدِ قدرت کا شاہکار

ماں کا وقار باپ کی عظمت لئے ہوئے
ہر زاویے سے جلوۂ وحدت لئے ہوئے

ہر بات جس کی آیتِ قرآں ہے ہُو بہُو — قائم ہے جس سے عالمِ امکاں کی آبرو
(۲۷)
آتے ہیں جس کے در پہ فرشتے بھی باوضُو — جس کے لہو سے دین کو ملتا رہا نمو

وہ نور لازمی ہے جو عرفان کے لئے
جس کی وِلا دلیل ہے ایمان کے لئے

اللہ رے یہ مرتبہ و شانِ فاطمہؑ — رضوان ہے بصورتِ دربانِ فاطمہؑ
(۲۸)
روح القدس ہے آسیہ گردانِ فاطمہؑ — آیات آرہی ہیں بعنوانِ فاطمہؑ

تنویرِ نورِ صاحبِ لولاک ہیں بتولؑ
ہر رجس سے خدا کی قسم پاک ہیں بتولؑ

جتنی بلند شان ہے اتنا ہی انکسار — فضہ کے ساتھ ساتھ ہیں زہراؑ شریکِ کار
روزے بھی خوشگوار نمازیں بھی باوقار — (۲۹) زہراؑ کے گھر میں ملتی ہے اسلام کی بہار

توحید کا نظامِ عدالت بھی دیکھئے
تسبیحِ سیدہ کی دلالت بھی دیکھئے

بنتِ نبیؐ نے صبر کا ہر امتحاں دیا — آنکھوں میں اشک آئے تو اشکوں کو پی لیا
خوشنودیٔ خدا کے لئے ہر عمل کیا — (۳۰) ایثارِ فاطمہؑ کی حکایت ہے ھل اتیٰ

قرآن دے رہا ہے شہادت بتولؑ کی
بے مثل ہے یہ شانِ عبادت بتولؑ کی

موجود ہے حدیث میں یہ قولِ مصطفیٰؐ — خوشنودیٔ بتولؑ ہے خوشنودیٔ خدا
زہراؑ ہے جس کو اُمّ ِ ابیہا کہا گیا — (۳۱) اس شان کا بتاؤ کوئی اور دوسرا

معراج ہے نبیؐ کی بعنوانِ فاطمہؑ
پروردگار خود ہے ثناخوانِ فاطمہؑ

باطل نے جب رسولؐ کو ابتر دیا خطاب — حق نے دکھائی سورۂ کوثر کی آب و تاب
سورہ ہے بے مثال تو آیات لاجواب — (۳۲) حق نے کیا ہے طعنۂ باطل کا سدِ باب

ہے فاطمہؑ کی شکل میں کوثر خدا گواہ
ابتر ہیں دشمنانِ پیمبرؐ خدا گواہ

تفصیل میں نہ جایئے بگڑے گی بات اور — باطل کی سازشوں کے کھلیں گے نکات اور
باطل کا رنگ اور ہے حق کی صفات اور — (۳۳) کہتے رہے وہ لاکھ کہ تھیں کچھ بنات اور

میراثِ مصطفیٰؐ ہے ضمانت بتولؑ کی
مسجد میں آئی ایک ہی رسولؐ کی

تنہا بتولؑ ہیں عندا بنتِ مصطفیٰؐ — اُن کے علاوہ دوسری کا ذکر کیا
ہوتی جو کوئی دوسری بنتِ شہہِ ہُدیٰ — (۳۴) لاتے نسائنا کے تحت سیدالورا

ظاہر مباہلہ میں ہوئی شانِ فاطمہؑ
حق ہو گیا بلند بعنوانِ فاطمہؑ

(۴۱)
حق کو بلند کر کے رُکے گا یہ کارواں — اُڑتی رہیں گی پرچمِ باطل کی دھجیاں
زہراؑ کا دودھ جن کی رگوں میں ہے ضوفشاں — حق کی بقا کے واسطے دیں گے وہی اذاں
مژدہ حضورؐ کے لئے یہ لائی ہے بتولؑ
اسلام کے چراغ جلا آئی ہے بتولؑ

(۴۲)
حیدرؑ کے اس بکا سے ہلا روضۂ رسولؐ — محسوس یہ ہوا کہ پیمبرؐ بھی ہیں ملول
جاں کاہ تھا مشاہدۂ رخصتِ بتولؑ — افسردہ ہو گئے چمنِ فاطمہؑ کے پھول
بیٹوں کو سب سے بڑھ کے جو مادر کی چاہ تھی
حالت بہت حسینؑ و حسنؑ کی تباہ تھی

(۴۳)
تابوت میں بتولؑ تھیں پہنے ہوئے کفن — دائیں طرف حسینؑ تھے بائیں طرف حسنؑ
تابوت کے سرہانے تھے شاہنشہ زمن — اور پائینتی تھیں زینبؑ و کلثومؑ خستہ تن
تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی کائنات تھی
یہ تیسری جمادی لاآخر کی رات تھی

(۴۴)
یہ امتحانِ صبر تھا ضبطِ فغاں رہا — میت اٹھی تو پردۂ شب درمیاں رہا
مستقبلِ حیات عیاں تھا عیاں رہا — تابوت سوئے شہرِ خموشاں رواں رہا
حسرت سے دیکھتے ہوئے قبرِ رسولؐ کو
دفنا دیا بقیع میں جا کر بتولؑ کو

(۴۵)
قبرِ بتولؑ دین کا اک سنگِ میل تھی — فرشِ زمیں پر آیتِ ربِّ جلیل تھی
یہ خاک باعثِ شرفِ جبرئیل تھی — زہراؑ کی قبر عظمتِ حق کی دلیل تھی
خاصانِ حق طواف کو آتے رہے یہاں
مولائے کُل چراغ جلاتے رہے یہاں

(۴۶)
اس رنگ میں بسر ہوئے حیدرؑ کے تیس سال — دنیا کے کام بھی کئے لیکن بصد ملال
پھر آیا جب تحفظِ اسلام کا سوال — کوفہ گئے، وہیں ہوا مولاؑ کا انتقال
بچوں نے جب یتیمی کی شمعیں جلائی تھیں
زہراؑ بھی قبر چھوڑ کے کوفہ میں آئی تھیں

جب آگئے مدینہ کی جانب حسنؑ حسینؑ ﴿۴۷﴾ کچھ دیر کے لئے ملا زہراؑ کے دل کو چین
پھر زہر سے شہید ہوا ایک نورِ عین بر پا ہوا حسنؑ کے جنازے پہ شور و شین
وہ تیر جو جنازۂ شبرؑ پہ آئے تھے
وہ تیر فاطمہؑ نے کلیجے پہ کھائے تھے

جس دن چلے حسینؑ مدینہ کو چھوڑ کر ﴿۴۸﴾ زہراؑ گئی تھیں قبرِ پیمبرؐ پہ ننگے سر
مقصد تھا یہ رسولؐ بھی ہوں شاملِ سفر تنہا حسینؑ طے نہ کرے راہِ پُر خطر
معلوم تھی جو راہ برائے حسینؑ تھی
روحِ بتولؑ راہ نمائے حسینؑ تھی

پیشِ نظر تھا کوفہ میں مسلمؑ کا حالِ زار ﴿۴۹﴾ پھرتی تھیں گردِ خیمۂ شبیرؑ بار بار
پھر وہ گھڑی بھی آئی کہ اڑنے لگا غبار کوفہ میں پہنچی فاطمہؑ کی روحِ بے قرار
رنگیں تھی شام خونِ سفیرِ امام سے
سر گر رہا تھا دارالامارہ کے بام سے

مسلمؑ کے سر کو بڑھ کے اٹھایا بتولؑ نے ﴿۵۰﴾ پھر لاش کو گلے سے لگایا بتولؑ نے
عریاں تنِ شہید جو پایا بتولؑ نے چادر میں اپنی لاشہ چھپایا بتولؑ نے
منظر ملا وہ دارالامارہ کے سائے میں
جس کی جھلک ہے آج بھی زہراؑ کی ہائے میں

تشہیر کی غرض سے اٹھائی گئی تھی لاش ﴿۵۱﴾ کوفہ کی ہر گلی میں پھرائی گئی تھی لاش
پاؤں میں رسّی باندھ کے لائی گئی تھی لاش بالائے بابِ کوفہ سجائی گئی تھی لاش
کوفہ سے لے کے تحفۂ آہ و بکا گئیں
روتی ہوئی بتولؑ سوئے کربلا گئیں

میدانِ کربلا کی ہے اک داستاں الگ ﴿۵۲﴾ ہر گام پر ہے صبر کا اک امتحاں الگ
جوشِ بیاں الگ ہے خروشِ نہاں الگ اور انتہائے درد میں ضبطِ فغاں الگ
غلطیدہ خوں میں اپنوں کی لاشیں تھیں سامنے
میدان میں کلیجے کی قاشیں تھیں سامنے

(۵۳)

پیشِ نظر تھے عونؑ و محمدؑ لہو میں تر
قاسمؑ کے حالِ زار پہ شق ہو گیا جگر
روئیں بلک بلک کے ہر اک لاش دیکھ کر
یاد آگئے رسولؐ جو اکبرؑ پہ کی نظر

نیزے کا زخم جب علی اکبرؑ نے کھایا تھا
زہرؑا نے اپنی گود میں لے کر سُلایا تھا

(۵۴)

اصغرؑ کو لے کر آئے تھے جب خیمے سے امام
کس اہتمام سے ہوئی حجّت ہر اک تمام
کیسے ہُمک ہُمک کے ہنسا تھا وہ تشنہ کام
الفاظ کے بغیر تھا معصوم کا کلام

لیکن عدو کے تیر سے کیا حال ہو گیا
غنچہ کھِلے بغیر ہی پامال ہو گیا

(۵۵)

اہلِ حرم کا خیمہ میں ناگفتنی تھا حال
لیلیٰ نے غم میں بیٹے کے بکھرا دیئے تھے بال
اُمِّ رباب جھولے کے نزدیک تھیں نڈھال
اصغرؑ کہاں ہے، آتا تھا رہ رہ کے یہ خیال

تڑپا رہا تھا دل کو فراقِ حسینؑ بھی
مرنے چلا تھا فاطمہؑ کا نورِ عین بھی

(۵۶)

جب قتل ہو رہا تھا پیمبرؐ کا لاڈلا
کیسے بتاؤں فاطمہؑ کا حال کیا ہوا
کیسے کہوں کہ شمر جو خنجر لئے بڑھا
زہرؑا نے منہ حسینؑ کے منہ سے ملا دیا

خنجر چلا تو فاطمہؑ کا دل بھی کٹ گیا
بیٹے کا لاشہ ماں کے گلے سے لپٹ گیا

(۵۷)

جب کربلا میں شامِ غریباں ہوئی عیاں
سنتے تھے لوگ فاطمہؑ کا گریہ و فغاں
آتی تھی شب کے پردے سے آوازِ نیم جاں
آواز جب تھمی تو چلا غم کا کارواں

کوفے کی راہ سخت ہے زندانِ شام ہے
خاکیؔ یہ داستان ابھی ناتمام ہے

میر اُنسؔ کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ

میر اُنسؔ کا تعارف

نام	:	میر مہر علی
تخلص	:	اُنسؔ
خطاب	:	حسانِ زماں، مقبلِ دوراں، شیریں زباں، فریدُ العصر
والد	:	میر خلیقؔ
والدہ	:	ہنگا بیگم
ولادت	:	دوشنبہ ۲۰، اپریل ۱۸۰۷ء، ۱۱، صفر ۱۲۲۲ھ محلہ گلاب باڑی فیض آباد۔
اولاد	:	میر وحیدؔ، میر مہدی، میر حسن خلیلؔ، میر حسین سعید، مرتضیٰ اور ایک دختر
وفات	:	۶، محرم ۱۳۱۰ھ، ۱۳، جولائی ۱۸۹۲ء دوشنبہ۔
حیات	:	۸۸ برس
قبر	:	''مقبرۂ حکیم مہدی''، لکھنؤ
خدماتِ ادب	:	۴۴ مرثیے، ۵۰ سلام اور رباعیات، تضمین وغیرہ

میر انیسؔ　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　غیر مطبوعہ

مرثیہ

در حال حضرت علی مرتضیٰ علیہ السّلام

مہرِ مبیں ہے شمسۂ ایوانِ مرتضیٰ (۱) خُلدِ بریں ہے گوشۂ دامانِ مرتضیٰ
تفسیرِ دیں لقب ہے زہے شانِ مرتضیٰ　　روح الامیں ہے طفلِ دبستانِ مرتضیٰ
پیشِ خدا شرف ہے یہ شیرِ اِلہ کا
مختار کر دیا ہے سفید و سیاہ کا

رضوان ہے خوشہ چینِ گلستانِ مرتضیٰ (۲) خلّاقِ لم یزل ہے ثنا خوانِ مرتضیٰ
غیر از کریم سب پہ ہے احسانِ مرتضیٰ　　سلطان بھی بنے ہیں غلامانِ مرتضیٰ
نعلین پا کو افسرِ قیصر پہ فوق ہے
اس در کے ہر گدا کو سکندر پہ فوق ہے

ہے نو بہارِ باغِ ارم رُوئے مرتضیٰ (۳) حبل المتیں ہے سلسلۂ موئے مرتضیٰ
شمشادِ خلد ہے قدِ دل جوئے مرتضیٰ　　روح القدس ہے شیفتۂ خوئے مرتضیٰ
حق کا ولی حبیبِ خدا کا حبیب ہے
اِک گُل ہے اور تمام جہاں عندلیب ہے

ابرِ کرم ہے دستِ گُہر بارِ مرتضٰی (۴) حاجت روائے خلق ہے سرکارِ مرتضٰی
قدسی ہیں مہتمم وہ ہے دربارِ مرتضٰی وہ جنتی ہے جو ہے طلب گارِ مرتضٰی
ان کی وِلا نہ ہو تو کہیں آبرو نہیں
بدتر ہے خاک سے بھی وہ گُل جس میں بو نہیں

نورِ خدا ہے جبّہ و دستارِ مرتضٰی (۵) ہے برقِ طُور جلوۂ رخسارِ مرتضٰی
طاقِ حرم ہے ابروئے خمارِ مرتضٰی معجز نما ہے لعل گوہر بارِ مرتضٰی
ایک اک سخن میں لذّتِ قند و نبات ہے
مُردے جلا دیئے ہیں یہ ادنیٰ سی بات ہے

مصباحِ نور ہے رُخِ گل فامِ مرتضٰی (۶) جانِ جہاں ہے نام خدا نامِ مرتضٰی
قہرِ خدا ہے شعلۂ صمصامِ مرتضٰی فرماں روا ہے شقۂ احکامِ مرتضٰی
ہے سب طرح کا علم امام جلیل کو
اکثر پڑھا دیا ہے سبق جبرئیل کو

صدقے شکوہِ خسروِ گیتی پناہ کے (۵) قربان صولتِ شہِ انجم سپاہ کے
ذرّے ہیں مہر و ماہ اسی بارگاہ کے خادم ہیں تاجدار مرے بادشاہ کے
سب اک نگاہِ مہر کے امیدوار ہیں
انسان تو کیا ملائکہ خدمت گزار ہیں

قرآں میں جابجا ہے تری مدح یا امام (۸) شاہد ہے خود کلامِ خدا اس میں کیا کلام
جز ذاتِ حق زبانِ بشر کا نہیں یہ کام مولا امیدوارِ عنایت ہے یہ غلام
اس بات میں جو تیری مدد رہ نُما نہ ہو
اک حرفِ مختصر بھی زباں سے ادا نہ ہو

مدّت سے تیری مدح وثنا کی مجھے ہے کد (۹) پر کوچۂ غرور سے خادم ہے نابلد
اے بادشاہِ کون و مکاں ضیغمِ صمد اس راہِ باثواب میں تو کر مری مدد
دم بھر یہ مجھ سے کام نہ چھوٹے جہاں رہوں
تیری ثنا میں گُل کی طرح تر زباں رہوں

وہ ناطقہ عطا ہو کہ بلبل کا دم ہو بند (۱۰) طرزِ بیاں وہ دے کہ پھڑک جائیں ہوش مند
وہ دردکر عطا کہ ہر اک دل کرے پسند نظمِ سخن ہو نظمِ ثریا سے بھی دو چند
گوہر وہ دے کہ جان ہر اک کی لڑی رہے
یاں دست بستہ فوجِ مضامیں کھڑی رہے

یا شاہِ لافتا ترے در کا گدا ہوں میں (۱۱) امیدوارِ رحمتِ لطف و عطا ہوں میں
جلدی بُلا کہ قیدیِ دامِ بَلا ہوں میں دے بال و پر کہ بلبلِ باغِ وِلا ہوں میں
مدفوں یہ خانہ زاد اسی بیت الشرّف میں ہو
کیا چہچے کروں جو نشیمن نجف میں ہو

بس اے زباں یہ بے ادبی یاں نہیں ضرور (۱۲) ہم ہر طرح غلام ہیں نزدیک ہوں کہ دور
ہاں اب شروع کر بہ ادب مدحتِ حضور تا مومنوں کے قلب کو ہو فرحت و سرور
عاشق ہیں جمع سرورِ گردوں سریر کے
مشتاق سب ہیں ذکرِ جنابِ امیرؑ کے

کیا تیری مدح نظم کروں اے فلک اساس (۱۳) سکتے میں ہوں درست نہیں ہیں مرے حواس
ذہنِ سلیم کند ہے طبعِ رسا اداس ہاں تو جو ہو کفیل تو پھر کچھ نہیں ہراس
شاہا تمام خلق کا مشکل کشا ہے تو
گویائی دے مجھے کہ زبانِ خدا ہے تو

طوطی کا ناطقہ ہے ثنائے علیؑ میں لال (۱۴) اور عندلیبِ طبع رسا ہے شکستہ بال
تحریرِ وصف کا جو قلم نے کیا خیال دی لوح نے صدا کہ یہ تیری نہیں مجال
روشن ہے مثلِ شمس شرف بوتراب کے
قرآں میں چند جُز ہیں صفاتِ جناب کے

اللہ رے صولت و حشمِ شیرِ کردگار (۱۵) سلطانِ دیں، خدیوِ اُمم شاہِ ذوالفقار
انجم سپاہ، عرش سریر، آسماں وقار کی قدسیوں نے جس کی غلامی وہ تاجدار
حقا کہ مصطفےٰؐ کا وصی وہ غریب ہے
اللہ کا ولی ہے نبیؐ کا حبیب ہے

پیدا ہوا جو کعبے میں وہ قبلۂ اُمم (۱۶) اُس روز سے دو چند ہوئی عزتِ حرم
طاقوں سے خود زمیں پہ گرے منھ کے بل صنم دیوارِ دیں تو راست ہوئی پُشتِ کفر خم
حقا کہ حق کے گھر کا شرف وہ ولی ہوا
کعبے کے سجدے کرنے کا باعث علیؑ ہوا

ہے بادبانِ رونقِ ایماں علیؑ کی ذات (۱۷) دریائے فیضِ حق گہرِ قلزمِ نجات
مختارِ خلق باعثِ ایجادِ کائنات واجب ہے سب پہ اُلفتِ حلّالِ مشکلات
کیا فکر ہم کو کثرتِ اعمالِ زشت کی
حُبِ ابوتراب ہے کنجی بہشت کی

معراج کو گئے جو رسولِؐ فلک مقام (۱۸) سب لہجۂ علیؑ میں خدا نے کئے کلام
آیا نبیؐ کے سامنے جب کاسۂ طعام واں بھی علیؑ شریک ہے اللہ رے احتشام
مخفی رہا نہ پردے میں دستِ خدا کا ہاتھ
نکلا حجابِ پردہ سے مشکل کشا کا ہاتھ

حیرت میں تھے نبیؐ کہ صدا آئی ایک بار (۱۹) اے زیبِ بخشِ عرشِ بریں فخرِ روزگار
سب سے زیادہ کرتا ہے کس کو جہاں میں پیار کی عرض یہ کہ جس کو رکھے دوست کردگار

آئی صدا کہ تم کو محبت علیؑ سے ہے
میرا وہ دوست ہے جسے الفت علیؑ سے ہے

فضل و کمالِ شیرِ الٰہی ہیں لا تعد (۲۰) قرآں سے ہے ثبوت حدیثوں سے ہے سند
مشکل کشائے خلق ہے وہ ضیغمِ صمد کی ہر نبی کی حیدرؑ کرار نے مدد

نکلا جو یا علیؑ دل اندوہ ناک سے
اِک دم میں پاک کردیا آدمؑ کو خاک سے

طوفانِ غم سے نوحؑ سے ذی شاں کو دی نجات (۲۱) فرعونیوں سے موسیٰؑ عمراں کو دی نجات
شیرِ خدا نے شیر سے سلمانؓ کو دی نجات چاہِ اَلم سے یوسفِؑ کنعاں کو دی نجات

پھونکا جو قدسیوں نے یہ اسم اس جلیل پر
انگارے پھول بن گئے جسمِ خلیل پر

آرامِ رُوح، راحتِ دل ہے علیؑ کا نام (۲۲) جاری ہے جس کے عین سے عالم میں فیضِ عام
اسلام و علم خُلق کی ہے جان اس کا لام لا سیف و لا فتا کا اشارہ ہے لا کلام

یا سے علیؑ کی خلق میں سب فیض یاب ہیں
دریائے فیض یا ہے تو نقطے حباب ہیں

جنّ و مَلک ہیں معترفِ طاعتِ امام (۲۳) تسبیح حق سے آٹھ پہر تھا زباں کو کام
دن بھر تو روزہ رکھتا تھا وہ سرورِ انام مغرب سے صبح تک تھا نمازوں سے ان کو کام

تن کانپتا تھا بندگیٔ بے نیاز میں
ہوتا تھا چوبِ خشک کا عالم نماز میں

سب پر کھلا ہے زورِ شہنشاہِ ذوالفقار (۲۴) رُکتا نہ تھا مَلک کے بھی شہپر سے جس کا وار
حلقے کو تھام کر درِ خیبر کے استوار کھینچا تو زلزلہ ہوا گیتی میں آشکار

مانند کاہ توڑ کے پھینکا پہاڑ کو
اِک دم میں کر دیا پلِ خندق کِواڑ کو

شہ کی فروتنی و تواضع کا تھا یہ حال (۲۵) بشاش ہوگئے جو کسی نے کیا سوال
بے دل کوئی غریب نہ ہو تھا یہی خیال اندھوں سے بے نواؤں سے صحبت تھی ماہ و سال

مطلق غرور، کبر نہ تھا گو امیر تھے
مسکین تو جلیس، مصاحب فقیر تھے

مشہور ہے جہاں میں سخائے شہِ عرب (۲۶) دیتے تھے نقد و جنس غریبوں کو بے طلب
بھوکا کوئی رہے یہ گوارا تھا ان کو کب لے کر اناج دوش پہ پھرتے تھے وقتِ شب

پُرسانِ حال رانڈوں کے ہر دکھ میں آپ تھے
وارث تھے قیدیوں کے یتیموں کے باپ تھے

لکھا ہے تھا رکوع میں ایک دن وہ مقتدا (۲۷) آکر کسی فقیر نے مسجد میں دی صدا
فیاض نے اشارۂ شرع" کیا ادا انگشتری کو لے گیا انگلی سے وہ گدا

دیکھو عطائے ذاتِ جناب امیرؑ کو
بخشا سخی نے اوجِ سلیمانؑ فقیر کو

روشن تھے معجزاتِ شہ آسماں جناب (۲۸) نو بار ہم سخن ہوا مولا سے آفتاب
مُٹھی میں سنگریزہ بنے گوہرِ خوش آب پوچھی جو بات کچھ تو شجر نے دیا جواب

اندھوں کے بارہا دلِ مُردہ جلا دیئے
اسود کے دونوں دستِ بریدہ ملا دیئے

اک دن نبیؐ تھے مسجدِ کوفہ میں جلوہ گر (۲۹) ناگاہ اک گدا نے صدا دی یہ آن کر
مقروض ہوں نہ مال مرے پاس ہے نہ زر درہم ہزار دو مجھے یا سید البشرؐ
پاتے ہیں فیض یاں سے غنی بھی فقیر بھی
شاہا سخی ہو تم بھی تمہارا وزیر بھی

سُن کے یہ بادشاہ نے دیکھا سوئے وزیر (۳۰) اُٹھا نبیؐ کے پاس سے کونین کا امیر
فرمایا اس گدا سے کہ گھبرا نہ اے فقیر حاجت روا کرے گا تری خالقِ قدیر
سائل سے شرم آتی ہے اکثر رحیم کو
ہاں دیکھ چل کے قدرتِ ربِّ کریم کو

یہ بات کہہ کے لے گئے صحرا میں اس کو شاہ (۳۱) فرمایا آنکھیں بند کر اے بندۂ الٰہ
چشم اُس نے بند کر کے یکا یک جو کی نگاہ دیکھا عجیب شہر کہ نکلا زباں سے واہ
کثرت نظر جو آئی صغیر و کبیر کی
اک دم سے آنکھیں کُھل گئیں مردِ فقیر کی

حیراں ہو کے شہ سے یہ بولا وہ ایک بار (۳۲) اے شاہِ لا فتا ترے اعجاز کے نثار
مولا عجیب یاں کی فضا ہے عجب بہار بتلایئے مجھے کہ یہ ہے کون سا دیار
نہ مُفلسی کا غم ہے نہ فاقوں کا داغ ہے
ایسی شگفتگی ہے کہ دل باغ باغ ہے

بولے فقیر سے بہ تبسّم شہِ انام (۳۳) یہ شہر ہے وہ شہر کہ بربر ہے جس کا نام
سلطاں کو یاں کے کچھ نہیں دینِ خدا سے کام رہتا ہے محو کفر پرستی میں صبح و شام
لے جا کے اُس کے سامنے اِس خیر خواہ کو
خادم کی طرح بیچ لے اِس خیر خواہ کو

شہؑ کے قدم پہ گر کے یہ کہنے لگا فقیر (۳۴) مجھ سے کبھی نہ ہوگا یہ اے خلق کے امیر
ہیہات زر کے واسطے بیچے تمہیں حقیر کافر کا دست گیر ہو عالم کا دست گیر
گو تیغِ مُفلسی سے جگر چاک چاک ہے
شاہی ملے جو آپ سے چھٹ کر تو خاک ہے

کہنے لگے گدا سے یہ تب شاہِ دیں پناہ (۳۵) کہتے ہیں ہم خوشی سے تراس میں کیا گناہ
ہر دم رواجِ دین خدا پر ہے یاں نگاہ بھائی یہ امر مصلحتاً ہے خدا گواہ
کچھ عُذر کر نہ تو کہ یہ سِرِ الٰہ ہیں
سو بار ہم بکیں تو وہی بادشاہ ہیں

درویش سے مُصر ہوئے جب شاہِ نیک خُو (۳۶) تب لے گیا علیؑ کو وہ سلطاں کے رُوبرو
دِکھلا کے رُوئے شاہ یہ کی اس نے گفتگو یہ ماہ بیچتا ہوں اگر مشتری ہو تو
واللہ بے نظیر اور بے مثال ہے
اہلِ ہنر ہے صاحبِ فضل و کمال ہے

افزوں بیاں سے اس کے شرف ہیں ہزار چند (۳۷) طاعت گزار و عابد و ذی فہم و عقل مند
کرتا نہیں کلام یہ کچھ غیر وعظ و پند کام اس کے تو یقیں ہے کرے گا بہت پسند
تاثیر حق نے بخشی ہے اس کی زبان میں
کرتا ہے مشکلوں کو یہ حل ایک آن میں

کہنے لگا وہ شاہ کہ اے مردِ خوش سیر (۳۸) گر یہ ہُنر ہیں اس میں تو قیمت بیان کر
بولا وہ کم ہے دے کوئی دونوں جہاں اگر لے مفت ہاتھ آتا ہے یہ بے بہا گہر
خواہش سے تو نہ زیادہ نہ کم دے حقیر کو
اس وقت چھ ہزار درہم دے فقیر کو

منگوادیئے گدا کو درہم اُس نے چھ ہزار (۳۹) اعجازِ شہ سے پہنچا وہ مکے میں ایک بار
کافر نے دیکھ کر اسد اللہ کا وقار پوچھا جو نام بولے یہ تب شاہِ نامدار
مخفی نہیں جو حق کی طرف سے خطاب ہیں
بتلاؤں کیا کہ نام مرے بے حساب ہیں

آگاہ ہو کہ ایک قشمشم ہے میرا نام (۴۰) حلالِ مشکلات بھی کہتے ہیں خاص و عام
حاجت روائی میرا وتیرہ ہے صبح و شام جو منہ سے کہہ ابھی وہ بجالاؤں تیرا کام
امداد میں ہوں بند نہ مشکل کشائی میں
آفت میں ہوں سپر تو سروہی لڑائی میں

خوش ہو کے تب کیا شہِ بر بر نے یہ کلام (۴۱) ہاں تین کام ہیں مرے کر اُن کا انصرام
ایک یہ کہ سیل اک آتی ہے اس شہر میں مدام جس سے تباہ ہوتے ہیں یاں مرد وزن تمام
اس رنج سے رہا مجھے اے ارجمند کر
مشکل کشائی کر تو اُس جا کے بند کر

اور دوسری مہم یہ ہے اے بندۂ غریب (۴۲) واقع ہے ایک پہاڑ مرے شہر کے قریب
اُس کوہ پر مقیم ہے ایک اژدہا مہیب جس کے سبب سے خلق کو راحت نہیں نصیب
جنگل کو پھونک دیتے ہیں شعلے زبان کے
سو سو کو ایک دم میں نگلتا ہے آن کے

دہشت سے اس کی سب کے کلیجے ہیں آب آب (۴۳) تو مار ڈال اُسے تو مٹے دل کا پیچ و تاب
کہنے لگے یہ تب شہِ بر بر سے بوترابؑ اب سر اُٹھا سکے وہ یہ اس کی نہیں ہے تاب
ہر دم نظر ہے فضل پہ ربِّ قدیر کے
بچپن میں میں نے پھینکا ہے اژدر کو چیر کے

اب تیسرا جو کام ہے باقی وہ کر بیاں (۴۴) بولا یہ تب امام سے وہ گربۂ زباں
دشمن ہے جان کا مری مکّے میں اِک جواں سر اُس کا لائے گر تو بہت ہوں میں شادماں
تاج سر جہاں سے مَلک احتشام ہے
احمدؐ کا جانشیں ہے علیؑ اُس کا نام ہے
یہ سن کے مسکرانے لگے شاہِ خاص و عام (۴۵) فرمایا دیکھ آج ہی کرتے ہیں سب یہ کام
طوفان آبِ بحر کا ہے کون سا مقام کچھ لوگ ساتھ کر دیئے اُس نے چلے امام
افضالِ حق شریکِ شہِ انس و جاں ہوا
دریائے نور جانبِ دریا رواں ہوا
پہنچے قریبِ بحر جو سلطانِ بحر و بر (۴۶) دیکھا وہ زور و شور کا دریا کہ الحذر
دس سو غلامِ خسروِ بربر کسے کمر تھے اُس کے بند کرنے میں مصروف یک دِگر
شہ نے ہر اِک غلام کا دل شاد کر دیا
سب کو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا
اس بحر کے قریب تھا ایک کوہ آشکار (۴۷) چوٹی پہ اس کی اپنی جو کی ضرب ذوالفقار
دو ہو کے وہ پہاڑ گرا اس میں ایک بار برپا ہوا یہ شور کہ اس ضرب کے نثار
دریا بھی قہرِ حیدرؓ صفدر سے گھٹ گیا
صحرا کی سمت شہر سے رخ اس کا ہٹ گیا
آئے پھر اژدہے کی طرف شاہِ ارجمند (۴۸) ؟؟؟؟؟ ؟؟؟؟ ؟؟؟؟؟
سوتا تھا اس پہاڑ پہ آنکھیں کیے وہ بند تھی جس کے بارِتن سے عجب کوہ پر گزند
شعلے نفَس کے نخلِ بیاباں جلاتے تھے
بھرتا تھا دم تو دُور سے پتّھر کھنچ آتے تھے

سوتے ہوئے کو مارنا تھا بس کہ ننگ و عار (۴۹) نعرہ کیا جو شہ نے تو چونکا وہ ایک بار
دیکھا بصد غضب طرفِ شیرِ کردگار جُنبش جو کی تو ہلنے لگا دشتِ کوہسار
جھپٹا سوئے امام زبانیں نکال کے
گردن اٹھائی غیظ سے کف منھ سے ڈال کے

کھینچا بزور شہ کے قریب آ کے اُس نے دم (۵۰) کھنچ آئیں تا شکم میں شہ آسماں حشم
پر اس کے دم سے آپ کو پہنچا نہ کچھ الم مطلق ہلا نہ جسم نہ سر کے ذرا قدم
کب آتا تھا وہ کوہ وقار اس جھپٹ میں
پتھر سمٹ کے بھر گئے موذی کے پیٹ میں

آگ اژدہے نے منھ سے گرائی سوئے جناب (۵۱) جنگل میں روشنی ہوئی طائر ہوئے کباب
کچھ پڑھ کے دم کیا جو علیؑ نے بصد شتاب محفوظ نار سے بھی رہا جسمِ بوتراب
خائف ذرا نہ بادشہِ جزو کُل ہوئے
بالکل شرارے آگ کے اِک دم میں گُل ہوئے

اٹھ کر کمر تک اس نے جو کی جست ایک بار (۵۲) فرما کے یا حفیظ بڑھے شیرِ کردگار
بال اژدہے کے تھام کے چٹکی میں استوار چکر دیا یہ سر پہ کہ گردوں ہوا نثار
موذی پہ وار حیدرِ صفدر کا چل گیا
پٹکا جو کوہ پر تو دم اس کا نکل گیا

پلٹے امام واں سے جو اژدر کو مار کر (۵۳) ساتھ اپنے لائے کاکل و دنداں و شاخِ سر
کافر کے آگے پھینک کے بولے بہ کرّ و فر کیوں اب تو تجھ پہ ہوگئے ظاہر مرے اثر
وہ بولا کیا کہوں جو خوشی دل کو آج ہے
بس اب علیؑ کے سر کی مجھے احتیاج ہے

ہنس کر یہ اُس سے کہنے لگے شاہِ ذوالفقار (۵۴) او بے خبر میں ہی ہوں علیؑ شیرِ کردگار
گر حوصلہ ہو تجھ کو تو لے تن سے سر اُتار ہاں فوجِ قاہرہ کو بلا بہر کار زار
آساں نہیں مقابلہ حیدرؑ سے شیر کا
دیکھوں تو وار چلتا ہے کس کس دلیر کا

مجھ سے تری سپاہ ہو سر بر یہ کیا مجال (۵۵) آمادہ اپنے مرگ پہ رہ او زبوں خصال
شمشیر ہے مری غضبِ قہرِ ذوالجلال سب شہر پھونک دے گی یہ بجلی دمِ جدال
اس برق سے بچائیں گے کافر کہاں تجھے
کلمہ پڑھے گا جب تو ملے گی اماں تجھے

یہ سن کے اس نے فوج کو جلدی کیا طلب (۵۶) یعنی ہجوم کر کے پکڑ لیں علیؑ کو سب
حلقے میں سرکشوں کے گھرے سرورِ عرب دوڑے کئی ہزار دلیرانِ بے ادب
تیغیں علم ہوئیں شہِ عالی مقام پر
پھینکیں ستم گروں نے کمندیں امام پر

مشکل کشائے حاضر و غائب ہو جس کا نام (۵۷) چلتا ہے کوئی جنگ میں اُس پر کسی کا دام
جب مثلِ شیرِ جھوم کے سیدھے ہوئے امام بس ٹوٹ ٹوٹ کر وہ کمندیں ہوئیں تمام
بے وجہ اہلِ کفر جو لڑنے پہ تُل گئے
باندھے تھے جتنے بند وہ ایک دم میں کُھل گئے

لشکر سے پھر تو چلنے لگے خنجر و سناں (۵۸) شورِ بزن بگیر گیا تا بہ آسماں
پیچھے مگر ہٹے نہ شہنشاہِ انس و جاں یاں تک کے منہ پہ آ گئے تیغیں لئے جواں
آیا جلال خسروِ ضیغم شکار کو
تکبیر کہہ کے کھینچ لیا ذوالفقار کو

رُو دار پہلوان پھر آئے دمِ نبرد (۵۹) پھینکا پکڑ کے جس کو نہ اٹھی زمیں سے گرد
جس کو ہوائے تیغ لگی ہو گیا وہ سرد چہرہ کٹا اسی کا رسالے میں تھا جو فرد
مُردوں میں کافروں کی صفوں کو رقم کیا
سیفِ خدا کی سیف نے کارِ قلم کیا

بربر اُلٹ دیا تھا جو شہ نے دمِ وغا (۶۰) ہر سمت بُت پرستوں میں رب رب کی تھی صدا
تھے منھ کے بل پڑے ہوئے اصنام جابجا ایک سو علیؑ علیؑ تھا تو ایک سو خدا خدا
رُخ پھر گئے تھے سب کے ضلالت کی راہ سے
بُت خانے شق تھے نعرۂ شیرِ الٰہ سے

جب آٹھ سو لعیں ہوئے راہیِ سقر (۶۱) بس پھر تو الاماں کا ہوا غُل اِدھر اُدھر
سب نے یہ دی دہائی کہ یا شاہِ بحر و بر دینِ نبیؐ میں آئیں اماں دیجئے اگر
یہ سُن کے ہاتھ رُک گیا اُس دیں پناہ کا
سب کافروں میں شور ہوا لا الٰہ کا

سلطاں بھی صدقِ دل سے ہوا پیروِ امام (۶۲) قدموں پہ مرتضیٰؑ کے گرا صورتِ غلام
دستِ ادب کو جوڑ کر پھر یہ کیا کلام مختار تخت آپ ہیں یا شاہِ خاص و عام
مطلب نہ ملک سے ہے نہ لشکر سے کام ہے
بندے کو اب غلامیِ سرور سے کام ہے

فرمایا شہ نے ہم نہیں خواہانِ تخت و تاج (۶۳) اپنا یہ مدّعا ہے کہ ہو دین کا رواج
بولا وہ حکم کیجئے تو حاضر کروں خراج فرمایا کچھ نہیں ہمیں اس کی بھی احتیاج
آیا ہے دینِ حق میں اگر کفر چھوڑ کر
یاں مسجدیں بنائیو بت خانہ توڑ کر

فرما کے یہ نظر سے نہاں ہو گئے امام (۶۴) پہنچے حرم میں خرم و شاداں بہ احترام
جاتے ہوئے رسول کو چھوڑا تھا جس مقام پایا وہیں تو قصۂ بر بر کہا تمام
سلمانؓ نے بوسۂ قدمِ مرتضیٰؑ لیا
احمدؐ نے شاد ہو کے گلے سے لگا لیا

احوال عقدِ فاطمہؑ و شیرِ کردگار (۶۵) ہوتا ہے یوں کتب میں حدیثوں کی آشکار
کی سب نے خواستگاریِ خاتونِ روزگار لیکن نبیؐ کو وحیِ خدا کا تھا انتظار
فرماتے تھے نظر سوئے پروردگار ہے
اُس کی ہے یہ کنیز اُسے اختیار ہے

تھا رات دن علیؑ کو بھی اس بات کا خیال (۶۶) آدابِ مصطفیٰؐ تھا مگر مانعِ سوال
تھی دوسری یہ وجہ کہ محتاج تھے کمال آتی تھی شرم کرتے تھے جب قصدِ عرضِ حال
کہتے تھے لطفِ ربِّ غنی اس گدا پہ ہے
ہر حال میں علیؑ کو توکل خدا پہ ہے

اِک دن جنابِ ختمِ رسلؐ آفتابِ نور (۶۷) تھے گھر میں مادرِ سلمہؓ کے بصد سرور
ناگاہ در پہ مہرِ عرب کا ہوا ظہور زنجیرِ در کھلی تو در آمد ہوئے حضور
آئے ادب سے شافعِ محشر کے سامنے
بیٹھے جُھکا کے سر کو پیمبرؐ کے سامنے

گردن کو دیر تک نہ اٹھایا علیؑ نے جب (۶۸) محبوب کبریاؐ نے کہا مسکرا کے تب
کہئے تو کچھ یہ آج خموشی کا کیا سبب کیا عزم کیا ارادہ ہے کس شے کی ہے طلب
کچھ مانگا چاہتے ہو رسالت مآبؐ سے
لیکن سوال کر نہیں سکتے حجاب سے

دستِ خدا نے جوڑ کے ہاتھوں کو عرض کی (۶۹) میں بچپنے سے بندۂ احساں ہوں یا نبیؐ
دم سے فقط حضورؐ کے ہے حظِ زندگی ماں سے زیادہ آپ نے کی پرورش مری
ان شفقتوں کا ذکر کہاں تک بیاں کروں
کم ہے جو سر بھی نقشِ قدم پر فدا کروں

مدّت سے ہے یہ عبدِ خدا طالبِ بتولؑ (۷۰) کیا دور ہے جو قبلۂ عالم کریں قبول
خادم کا فخر ہے شرفِ خویشی رسولؐ امیدوار ہوں کہ یہ رتبہ بھی ہو حصول
زر کی طلب نہ خواہش دولت علیؑ کو ہے
دامادیِ جنابؐ کی حسرت علیؑ کو ہے

یہ امر میرے واسطے اے بادشاہِ دیں (۷۱) فرمایئے ظہور میں آئے گا یا نہیں
جس وقت یہ علیؑ نے کہا ہو کے شرمگیں جوں گُل شگفتہ ہوگئے سردارِ مومنین
تا عرش آفتابِ جبیں کی ضیا گئی
سرخی رسولِؐ پاک کے چہرے پہ آگئی

بولے بصد خوشی یہ رسولِؐ فلک وقار (۷۲) کچھ مال دنیوی سے بھی رکھتے ہو اقتدار
کی عرض مرتضیٰؑ نے کہ اے فخر روزگار ایک اونٹ، اِک زِرہ ہے اور اِک تیغ آبدار
اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے علیؑ کے پاس
بولے نبی کہ یہ بھی بہت ہے سخی کے پاس

شمشیرِ تیز دم تو حفاظت کی ہے سپر (۷۳) اور اونٹ راحلہ ہے تمہارا دمِ سفر
لیکن زِرہ نہ ہو تو کچھ ایسا نہیں ہے ڈر لے آؤ اس کو بیچ کے جو ہاتھ آئے زر
راضی ہر ایک امر پہ تم سے رسولؐ ہے
قیمت ہے اس کی جو وہی مہرِ بتولؑ ہے

بھائی سنو عنایتِ خلّاقِ بحر و بر (۷۴) یعنی تمہارے آنے سے اِک لمحہ پیش تر
وحیِ خدا یہ لائے تھے جبریلِ نامور ہم خوش ہیں تو بھی شاد ہوا ے سیّدالبشر
اسرار جو خفی تھا اسے منجلی کیا
زہراؑ سے ہم نے عرش پہ عقدِ علیؑ کیا

اب تو بھی اپنی قوم میں بافرحتِ تمام (۷۵) ظاہر کر اس خوشی کو کہ واقف ہوں خاص وعام
بھائی قسم خدا کی ابھی کہہ کہ یہ پیام جبریل ادھر گئے کہ تم آئے پئے سلام
کیا پرورش ہے شکرِ عطائے خدا کرو
مسجد میں جا کے خطبۂ خالق ادا کرو

سُن کر یہ بات داخلِ مسجد ہوئے امام (۷۶) اور مومنین کو جمع کیا باصد احترام
منبر پہ بعدِ حمدِ خدائے ذوالکرام نعتِ رسولؐ پاک فصاحت سے کی تمام
بشاش تھے خوشی سے یہ تھا حال مصطفےٰؐ
ایک شور تھا کہ صلِّ علیٰ آلِ مصطفےٰؐ

حضّار سے علیؑ نے یہ اس دم کیا خطاب (۷۷) یارو گواہ کرتا ہے تم سب کو بوتراب
ہے فاطمہؑ جو بنتِ رسولِؐ فلکؔ جناب شمعِ حریم شرم ، دُرِ معدنِ حجاب
عقدِ علیؑ ہے آج اُسی حق کے نور سے
مہر اس کا ہے زرہ مری پوچھو حضورؐ سے

فرمایا مصطفےٰؐ نے کہ ہاں ہے مجھے قبول (۷۸) بولے یہ مومنیں کہ مبارک ہو یا رسولؐ
بعضے تو اُن میں خوش ہوئے بعضے ہوئے ملول ذی حق کو حق پہنچ گیا مطلب ہوا حصول
لے کر علیؑ کو ساتھ رسولِؐ امم چلے
دو آفتاب بُرجِ شرف میں بہم چلے

داخل ہوئے جو گھر میں رسولِؐ فلک جناب (۷۹) جلدی زرہ کو بیچ کے زر لائے بوتراب
سلماں کو شہ نے دے کے وہ درہم کیا خطاب اسباب جو ضرور ہے لے آؤ تم شتاب
سامانِ ظاہری سے غرض کیا رسولؐ کو
دے گا جہیز خالقِ اکبر بتولؑ کو

لے آئے جا کے حضرتِ سلمانؓ با وفا (۸۰) دو پیرہن دو بردِ یمانی اور اِک ردا
دو بازو بند نقرئی ایک جامِ پُر ضیا ایک کاسہ دو سبوئے گلی ایک آسیا
چادر وہ حال جس کے یہ تھا عرض و طول کا
ڈھنپتا تھا سب بدن نہ جناب بتولؑ کا

دو چھال سے بھرے ہوئے تکیے بہ آب و تاب (۸۱) اور ایک لیفِ خرمہ کا بستر برائے خواب
ایک آفتابہ بہرِ وضو ایک مشکِ آب اور ایک بوریا کہ عبادت کریں جناب
شیعوں میں شور کیوں نہ ہو فریاد و آہ کا
تھا یہ جہیز بنتِ رسالت پناہؐ کا

سلماں حضورِ شاہ یہ سامان لائے جب (۸۲) سر کو جُھکا کے رونے لگے سرورِ عرب
زہراؑ کے واسطے برکت حق سے کی طلب یاں گھر میں مادرِ سلمہؓ نے بصد ادب
کس شان سے عروس بنایا بتولؑ کو
حُجرے میں فرش کر کے بٹھایا بتولؑ کو

گھونگھٹ میں اس طرح رُخِ زہراؑ کا تھا ظہور (۸۳) فانوس میں ہو شمع تجلّی کا جیسے نور
پروانہ بن گئی تھی تجلّیِ برقِ طور غُرفوں سے کر رہی تھی نظارہ ہر ایک حُور
اُس عقد کی خوشی تھی جو گھر میں کریم کے
غنچے بھی مسکراتے تھے باغِ نعیم کے

لائی صبا جو بنتِ رسولِؐ زمن کی بو (۸۴) آنے لگی ریاض ارم سے دلہن کی بو
سب گل نے سرنگوں کیے ہے کس کے تن کی بو جس بو سے گرد ہوگئی آٹھوں چمن کی بو

آئی صدا کہ آج ہے شادی بتولؑ کی
بُو باس ہے یہ گلشنِ احمدؐ کے پھول کی

اللہ رے عقدِ فاطمہ زہراؑ کی دھوم دھام (۸۵) حوروں کا انتظام ملائک کا اہتمام
تھی گرم مومنین سے وہ صحبتِ تمام کوئی تو بھیجتا تھا درود اور کوئی سلام

کہتا تھا ماہ دیکھ کے ساماں جلوس کے
نوشاہ کے نثار تصدّق عروس کے

اُس عقد کی خوشی تھی دو عالم میں آشکار (۸۶) انجم کے پھول کرتا تھا پیرِ فلک نثار
طوبیٰ صدا یہ دیتا تھا جنت میں بار بار یارب یہ عقد ہو مرے مالک کو سازگار

سرسبز باغِ دہر میں یہ نوجواں رہے
گلزارِ آرزوئے علیؑ بے خزاں رہے

کوثر پہ شور تھا کہ نثارِ ابوتراب (۸۷) ساقی کے دور میں بھی یہ صحبت ہے انتخاب
شادی کی شب بنا ہے یہ دولھا بہ آب و تاب بڑھ جائے آبرو جو مجھ ہی سے طلب ہو آب

کہتے تھے خضرؑ خادم شاہِ غیور ہوں
میں آب دار بزمِ نشاطِ حضور ہوں

رضواں کا قول تھا کہ بنی ہے دلہن بتولؑ (۸۸) گہنا لگاؤں گوندھ کے باغِ ارم کے پھول
کہتا تھا عرش فرش کا رتبہ کروں حصول زہرہ کی تھی صدا مرا مجرا بھی ہو قبول

مشعل کو ماہتاب کی روشن کیے ہوئے
پھرتا تھا چرخ لشکر انجم لیے ہوئے

سامانِ عقد میں جو ہوئی ختم آدھی رات (۸۹) یوں داخلِ حرم ہوئے سلطانِ کائنات
آگے عصا کو تھامے ہوئے خضر نیک ذات گلدستۂ جناں لئے رضوانِ خوش صفات

دولھا بنے ہوئے شہِ دُلدل سوار تھے
میکال و جبرئیل یمین و یسار تھے

اس شان سے جو آئے شہنشاہِ بحر و بر (۹۰) چھاتی سے مسکرا کے لگایا دلہن کا سر
اور پیار سے دیئے کئی بوسے جبین پر پھر ہاتھ میں بتولؑ کا اک ہاتھ تھام کر

فرمایا جان و روح مری دل رُبا یہ ہے
واللہ پارۂ جگر مصطفےٰؐ یہ ہے

سب جانتے ہیں اس سے ہے الفت مجھے کمال (۹۱) یہ شاد ہے تو شاد ہے محبوبِ ذوالجلال
زہراؑ کے رنج و غم کا رہے یا علیؑ خیال اس کا غم و ملال محمدؐ کا ہے ملال

اس کی خوشی جہاں میں خوشی مصطفےٰؐ کی ہے
بیٹی نبیؐ کی ہے یہ امانت خدا کی ہے

محتاج و فاقہ کش ہے رسولِؐ فلک اساس (۹۲) لازم ہے اس پہ رحم کہ ماں بھی نہیں ہے پاس
اس فخرِ آسیہ کو فقط ہے خدا کی آس دنیا میں ہے پسند اسے فقر کا لباس

آرام سے غرض ہے نہ راحت سے کام ہے
آٹھوں پہر خدا کی عبادت سے کام ہے

یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہِؐ انبیاء (۹۳) دستِ بتولؑ دستِ ید اللہ میں دیا
شرما کے مرتضیٰؑ نے سر اپنا جھکا لیا جانے کا قصد سیّدِ لولاک نے کیا

اُٹھ کر گئے جو صحن تلک اُس مکان میں
رونے کی فاطمہؑ کے صدا آئی کان میں

بے تاب ہو کے جلد پھرے شاہِ بحر و بر (۹۴) پوچھا یہ فاطمہؑ سے کہ اے پارۂ جگر
رونے کی وجہ کیا ہے فدا تجھ پہ ہو پدر شوہر ترا امیرِ اُمم شاہِ بحر و بر
دنیا و آخرت کا یہی تاج دار ہے
مختارِ کارخانۂ پروردگار ہے

بیٹی اسی سے خلق میں دین کا رواج ہے (۹۵) دنیا میں جس کا نور ہے یہ وہ سراج ہے
جھڑتے ہیں منھ سے پھول بہت خوش مزاج ہے محتاج ہے مگر سرِ عالم کا تاج ہے
سب میں یہ مقتدا بھی ہے مشکل کشا بھی ہے
ہادی بھی ہے امام بھی ہے پیشوا بھی ہے

ناگاہ آئی عالمِ بالا سے یہ صدا (۹۶) ہاں اپنے دل کو شاد کر اے بنتِ مصطفےؐ
ربِّ غنی نے مہر میں تجھ کو کیا عطا باغِ بہشت آب و نمک سب جہان کا
بخشا خوشی سے تاجِ شفاعت بھی مہر میں
دی تجھ کو فردِ بخششِ اُمت بھی مہر میں

کیوں مومنو یہ پیٹنے رونے کا ہے مقام (۹۷) آب جہاں تو مہر میں زہراؑ کے ہو تمام
فرزند اس کا ذبح ہو دو دن کا تشنہ کام مرتے ہوئے بھی پانی کا پائے نہ ایک جام
شمشیرِ غم سے کیوں نہ دل مصطفےؐ کٹے
خنجر سے جب حسینؑ کا پیاسا گلا کٹے

سیّد کی کون سی تھی خطا کیا گناہ آہ (۹۸) دو لاکھ اہلِ ظلم اور ایک یہ سپاہ آہ
شمشیر و بوسہ گاہِ رسالت پناہؐ آہ زانوئے شمر سینۂ شیرِ الٰہ آہ
صحرائے کربلا میں ہوا کیا بُری چلی
فاقہ تھا تیسرا کہ گلے پر چھری چلی

کیا وقتِ بد امام پہ تھا وا مصیبتا (۹۹) گھیرے ہوئے تھی شاہ کو سب فوجِ اشقیا
زہراؑ نے خاک اُڑا کے جو عریاں سر کیا تھرا گیا مزارِ مبارک رسولؐ کا
نیزے لگے جو دل پہ حسینؑ دلیر کے
بستی نجف کی ہل گئی نعرے سے شیر کے

رتبہ تو فاطمہؑ کا سبھوں پر ہوا عیاں (۱۰۰) کرتا ہوں اب مصائبِ زہراؑ کا کچھ بیاں
دنیا سے جب کہ اٹھ گئے پیغمبرؐ زماں محتاجِ قوت ہوگئی مخدومۂ جہاں
آہ و بکا سے آٹھ پہر ربط ہوگیا
ماتم میں تھیں کہ باغِ فدک ضبط ہوگیا

بھولے عدو وصیت سلطانِ انبیاء (۱۰۱) بنتِ نبی کا حق بہ ستم غصب کر لیا
اس فاقہ کش نے کچھ نہ کہا شکر کے سوا لیکن نہ باز آئے ستانے سے اشقیا
دنیا پرست دشمن سردار دیں ہوئے
بیعت علیؑ سے لینے کے درپے لعیں ہوئے

قرآں کو جمع کرتا تھا وہ مصدر علوم (۱۰۲) اور در پہ اس جناب کے اعدا کا تھا ہجوم
گھر سے پکڑ کے لے چلو حیدرؑ کو تھی یہ دھوم کہتا تھا برملا بن خطاب نحس و شوم
کیجو نہ رحم حال پہ خویش رسولؐ کے
ہاں گھر میں جلد آگ لگا دو بتولؑ کے

جب آگ سے جلانے لگے گھر وہ اہلِ شر (۱۰۳) آئیں عصا کو تھام کے زہراؑ قریبِ در
ایک آہِ سرد بھر کے پکاریں کے اے عمر کافر ہوا ہے تو جو جلاتا ہے میرا گھر
بیٹھوں گی جا کے قبرِ پیمبرؐ کے سامنے
کھولوں گی بال خالق اکبر کے سامنے

دروازہ پر یہ جا کے پکارا وہ بے ادب (۱۰۴) شیرِ خداؑ کو باندھ لو رسّی میں جا کے اب
دروازہ سے لپٹ گئی وہ حامل تعب ظالم نے در گرا دیا زہراؑ پہ ہے غضب
در کے تلے جو دب گیا پہلو بتولؑ کا
ہلنے لگا مزارِ مبارک رسولؐ کا

زہراؑ کی آہ سے تہ و بالا ہوا جہاں (۱۰۵) پہنچا فلک پہ غلغلۂ نالہ و فغاں
جھک جھک کے آسماں پہ لگا گرنے آسماں چاروں طرف یہ شور بپا تھا کہ الاماں
عالم کی سیدہؑ پہ بڑا غم گزر گیا
محسنؑ شکم میں چوٹ کے صدمے سے مر گیا

اللہ رے صبر حیدرؑ صفدر کا حوصلہ (۱۰۶) باندھا گیا گلا نہ زباں سے کیا گلا
جانے دیا نہ ہاتھ سے امت کا سلسلہ موقوف منتقم پہ رکھا یہ معاملہ
یاں تک کہ زندگانی کا نقشہ بگڑ گیا
زہراؑ جہاں سے اٹھ گئیں سب گھر اجڑ گیا

اعدا نے اس پہ بھی نہ کیا خوفِ قہرِ رب (۱۰۷) گزری مہ صیام کی انیسویں جو شب
بہر نمازِ صبح گئے سرورِ عرب مارا امام خلق کو سجدے میں ہے غضب
محراب خونِ کعبۂ ایماں سے بھر گئی
شمشیر زہردار جبیں سے اتر گئی

ضربت غضب کی تھی کہ اٹھایا گیا نہ سر (۱۰۸) غش ہو گئے حصیر پہ سلطان بحر و بر
کانپے زمین و منبر و محراب بام و در ارض و سما پہ اٹھتی تھی آوازِ الحذر
دو ٹکڑے دیکھ کر سرِ مشکل کشا علیؑ
اِک شور تھا کہ قتل ہوا مرتضیٰ علیؑ

کم تھا وہ گھر کہ جس میں نہ پہنچی ہو یہ صدا (۱۰۹) دوڑے گھروں سے لوگ کھلے سر برہنہ پا
چلائے سب علی ولی ہائے مقتدا دیکھا لہو سے سرخ سرِ شاہِ لا فتا
تھے قبلہ رو امام حجازی پڑے ہوئے
سر پیٹتے تھے گرد نمازی کھڑے ہوئے

سن کر یہ غل ہوا دل زینبؑ کو اضطراب (۱۱۰) چلائی بھائیوں کو وہ بادیدہ پر آب
کیسا یہ غل ہے جاؤ تو مسجد تلک شتاب صاف آتی ہے صدا کہ ہوئے قتل بوتراب
یہ بے سبب نہیں ہے اداسی جہان کی
للّٰہ جلد لاؤ خبر بابا جان کی

ناگاہ در پہ آ کے کسی نے یہ دی صدا (۱۱۱) اے اہلِ بیتؑ حضرتِ محبوب کبریا
بیٹھے ہو کیا اٹھو کہ قیامت ہوئی بپا تلوار شیرِ حق پہ پڑی وا مصیبتا
مارا شقی نے بادشہِ مشرقین کو
مسجد میں بھیجو جلد حسنؑ اور حسینؑ کو

دوڑیں کہ اُن کا والدِ ماجد ہوا شہید (۱۱۲) ماتم کریں امام مساجد ہوا شہید
مسجد میں حق کی عابد و زاہد ہوا شہید راہِ خدا میں صابر و حامد ہوا شہید
بالائے خاک عرشِ بریں آج گر پڑا
بیت الحرم کا رکنِ رکیں آج گر پڑا

سنتے ہی یہ سروں کو لگے پیٹنے حرم (۱۱۳) گھر سے علیؑ کے لاڈلے دوڑے بہ چشمِ نم
منھ پیٹ کے یہ کہتے تھے دونوں کہ ہے ستم اماں تو مر چکیں تھیں ہوئے بے پدر بھی ہم
بابا کے بعد گھر کے نبیؐ کی صفائی ہے
چھوٹے سے سن میں لوٹے گئے ہم دہائی ہے

دونوں ہوئے جو داخلِ مسجد بہ خوفِ بیم (۱۱۴) محراب میں تھا خلق سے ایک مجمعِ عظیم
پہنچے ہٹا کے بھیڑ پدر تک جو وہ یتیم دیکھا کہ تیغ سے ہے سرِ مرتضیٰؑ دو نیم
کھائیں پچھاڑیں رونے لگے دھاڑیں مار کے
پھینکے زمیں پہ سر سے عمامے اُتار کے

پھر باپ کے قدم سے لپٹ کر وہ نوحہ گر (۱۱۵) چلاّئے ہم نہ مر گئے یا شاہِ بحر و بر
ہے ہے یہ منہ کن آنکھوں سے دیکھیں لہو میں تر کس شخص نے کیا ہمیں بچپن میں بے پدر
حیرت میں ہیں کہ آپ پہ کیوں کر جفا ہوئی
تقصیر ایسی قبلہ و کعبہ سے کیا ہوئی

حضرت تو رحم کرتے تھے دشمن پہ بھی مدام (۱۱۶) بے رحم تھا وہ کون کہ جس نے کیا یہ کام
بیٹوں سے آنکھیں کھول کے بولے شہِ انام اے لاڈلو یہ صبر و تحمل کا ہے مقام
پائی غم و الم سے رہائی ہزار شکر
تلوار ہم نے سجدے میں کھائی ہزار شکر

بولے حسنؑ سے پھر یہ شہنشاہِ نیک خو (۱۱۷) بچے کو میرے اور ستائیں گے کینہ جوُ
پیارے شہید ہووے گا زہرِ ستم سے تو کاٹیں گے تیغِ ظلم سے شبیرؑ کا گلو
بعدِ فنا بھی چین سے اک دم نہ سوئیں گے
ہم قبر میں تمہاری مصیبت پہ روئیں گے

یہ کہتے کہتے غش ہوئے پھر شاہِ مشرقینؑ (۱۱۸) زخمی پدر کو لے گئے گھر میں حسنؑ حسینؑ
سر ننگے دونوں بیٹیاں دوڑیں بہ شور و شین حضرت کو غش میں دیکھ کے کرنے لگیں یہ بین۔
ہے ہے لہو میں حیدرِؑ صفدر نہائے ہیں
سر اپنے پیٹتے ہوئے سب گھر میں آئے ہیں

مارا گیا امامِ زماں واں مصیبتا (۱۱۹) آئی ریاضِ دیں پہ خزاں وا مصیبتا
زخمی پڑا ہے شیرِ ژیاں وا مصیبتا رُخ پر جبیں سے خوں ہے رواں وا مصیبتا
پڑھنے نہ دی نماز بھی طاعت گزار کو
ہے ہے شقی نے قتل کیا روزہ دار کو

جراح کو بُلا کے دکھایا جو زخمِ سر (۱۲۰) بولا وہ دونوں ہاتھوں سے سر اپنا پیٹ کر
سینے تلک تو پھیل گیا زہر کا اثر دشوار ہے کہ اب کوئی مرہم ہو کارگر
ابرو کا بے لہو کے تھمے زخم بھر چکا
اب کیا علاج زہر تو کام اپنا کر چکا

ہاں عاشقانِ حیدرِؑ صفدر بکا کرو (۱۲۱) آقا کا اپنے حقِ محبت ادا کرو
رونے میں اب شراکت خیر الورا کرو جی بھر کے آج ماتم شیرِ خداؑ کرو
رخصت ہے روزہ دار سے ماہِ صیام کی
یہ آخری ہے مجلسِ ماتم امام کی

بستم تلک تو غش میں رہے شاہِ کائنات (۱۲۲) آ پہنچی اس مہینے کی اکیسویں جو رات
نکلی نہ غیرِ شکرِ خدا منھ سے کوئی بات تیغ اجل سے قطع کیا رشتۂ حیات
پھیلا کے پاؤں اور کلمہ پڑھ کے شان سے
پچھلے پہر کو آپ سِدھارے جہان سے

برپا نبیؐ کے گھر میں ہوا ماتم جنابؑ (۱۲۳) بس اُنسؔ اب نہیں ہے زبانِ قلم کو تاب
غُل تھا کہ وا ابوالحسن و وا ابوتراب لکھوں جو حالِ دفن تو ہو جائے اک کتاب
کر یہ دعا کہ میں اسی در کا گدا رہوں
مصروف مدحِ شیرِ خدا میں سدا رہوں

اولاد حسین شاؔعر لکھنوی

عرف للّن صاحب کی مرثیہ نگاری

نام اولاد حسین، عرفیت للّن صاحب، تخلص شاؔعر، خطاب لسان الواعظین، خطیب اکبر، جوشؔ ملیح آبادی انھیں ''لسان الشعرا'' کہا کرتے تھے (دعبل ہند)۔

شاؔعر لکھنوی خاندانِ اجتہاد لکھنؤ کے ایک اہم فرد تھے۔ فرزند حسین ذاخر لکھنوی کے نامور فرزند تھے۔ شاعر لکھنوی مورخ، عالم، واعظ، خطیب، ادیب، شاعر، داستان گو، ناول نگار، فلم کہانی کار اور نغمہ نگار، صحافی، ڈرامہ نگار، اور مرثیہ نگار بھی تھے۔

نواب حامد علی خاں والیِ رام پور کے دربار میں شعبۂ علم و ادب میں ۱۹۲۱ء سے ملازمت رہی لیکن کچھ عرصے بعد لکھنؤ واپس آ گئے جب ۱۹۳۰ء میں نواب رضا علی خاں ریاست رام پور کے والی قرار پائے تو وہ شاؔعر لکھنوی کو لکھنؤ آ کر اپنے ساتھ لے گئے، یہ سلسلہ ملازمت ۱۹۴۲ء تک قائم رہا۔ رام پور کا کتب خانہ رضا لائبریری جو ایشیا کا تیسرا سب سے بڑا کتب خانہ ہے وہاں شاؔعر لکھنوی کو مسلسل مطالعے کا موقع ملا۔ رام پور کا عشرۂ محرم اور مختار نامے کا عشرہ وہ برسوں پڑھتے رہے۔ رام پور کی فروغ عزاداری میں للّن صاحب شاؔعر نے بھرپور حصّہ لیا۔ نواب صاحب اُن کے طرز خطابت کو بہت پسند کرتے تھے۔

رام پور کی ملازمت کے زمانے میں وہ غزلیں، نظمیں، قصیدے، مثنویاں اور مرثیے سلام و

نوحے بھی کہتے رہے۔ اُن کی قومی و وطنی نظموں پر مشتمل ایک مجموعہ ''سبدِ گل'' کے نام سے لکھنؤ سے شائع ہوا۔ شاعؔر لکھنوی نے سیارہ، میزان، جدّت، نظارہ، ہمراہی، سحاب اور کئی اخبار اور رسائل جاری کئے جن میں سے ''نظارہ'' بعد تک فضل نقوی کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔

رام پور کی ملازمت کے دوران وہ افسر امورِ خبر بھی رہے اور پبلسٹی آفیسر بھی رہے۔ سروجنی نائیڈو، تاجؔور نجیب آبادی، جوشؔ ملیح آبادی، ہوشؔ بلگرامی، شوقؔ رام پوری، آثؔر رام پوری، دیوان سنگھ مفتوؔن، خواجہ حسن نظامی، شوکت علی فہمیؔ، حسن بقائی، محمد طفیل، سالکؔ، جالبؔ، چراغ حسن حسرؔت سے ان کے قریبی دوستانہ مراسم رہے۔ شاعر لکھنوی کے شاگردوں میں ہز ہائی نس عصمت زمانی بیگم (راج ماتا رام پور)، شمسؔ لکھنوی بہزادؔ لکھنوی، اعجاز حسین ضامنؔ، ساحلؔ بلگرامی، نخشبؔ (فلم کہانی کار و نغمہ نگار) جیسے شاعر شامل تھے۔

رام پور کے زمانہ قیام میں انھوں نے دو طویل داستانیں ''طلسم ہندوستان'' جس میں ہندو مذہبی فلسفے کو ناول کے انداز میں تحریر کیا۔ دوسری داستان ''طلسم انسان'' لکھی جس میں علم تشریح کو نازک ترین تشبیہات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ کتابیں رضا لائبریری میں موجود ہیں۔ رات کی شب بیداری میں نواب زادوں اور نواب زادیوں کو یہ کہانی سنائی جاتی تھی۔

حیدر آباد دکن کے نظام عثمان علی خاں کی فرمائش پر شاعؔر لکھنوی مجالس پڑھنے حیدر آباد دکن بھی جانے لگے تھے۔ آخری مجلس انھوں نے عنایت یار جنگ کے امام باڑے میں پڑھی مجلس پڑھتے ہوئے منبر پر بے ہوش ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے دیکھا تو شدید بخار تھا، عثمانیہ اسپتال میں داخل کیا گیا۔ اُس دن ان کے جگر کے اندر جو مخفی پھوڑا تھا وہ پھوٹ گیا، آخر اسی مرض میں ۱۵، ستمبر ۱۹۵۷ء کو حیدر آباد دکن میں انتقال کیا۔

حیدر آباد دکن میں بہت دھوم سے اُن کا جنازہ اٹھا۔ چھ مہینے تک میّت حیدر آباد میں سونپ دی گئی، اُن کی وصیت کے مطابق میت لکھنؤ لائی گئی غفراں مآب کے تاریخی امام باڑے کے پہلے دالان میں اُن کے والد فرزند حسین ذاکر لکھنوی کی قبر کے پائنتی دفن کر دیا گیا۔

للّن صاحب شاعؔر لکھنوی کی اولاد میں پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، پانچ بیٹوں میں مہدی نظمی جو بہترین شاعر اور مرثیہ گو تھے۔ زیادہ تر دہلی میں قیام رہا شمس الحسن تاجؔ منجھلے فرزند تھے جو مشہور آرٹسٹ تھے۔ تیسرے فرزند سید شریف الحسن ناظرؔ خیامی مزاح نگار شاعر اور خطیب ذاکرِ حسین تھے۔

چوتھے فرزند شہریار حسین جبرئیل اجتہادی اور پانچویں فرزند رشید الحسن ساغر خیامی مزاحیہ نظم نگار شاعر ہیں۔ دو بیٹیاں شمیمہ بیگم اور صفدری بیگم تھیں۔

شریف الحسن ناظر خیامی میرے قریبی دوست تھے اور لکھنؤ کے علمی و ادبی حلقوں میں شفو بھائی کے نام سے مشہور تھے۔ شاعری میں جوش ملیح آبادی کے شاگرد رشید تھے۔ فکر معاش نے اُن کی ادبی صلاحیتوں کو گہنا دیا تھا۔ محرّم میں مجلسیں اور عشروں سے کام چلتا تھا۔ لیکن ''افضل محل'' کا عشرہ اوقاف نے جب اُن سے واپس لیا تو وہ پریشان ہو گئے۔ ہم اور سلطان ان کے لکھنؤ میں دو ہی ہمدرد دوست تھے ہم نے اور سلطان نے اُس وقت سلطان کے گھر عشرے کا اہتمام کیا سلطان کا گھر ''افضل محل'' سے متصل تھا۔ بعد میں یہ عشرہ چند برس پڑھنے پائے تھے کہ مولانا علی نقی صاحب نقن مرحوم جب علی گڑھ سے لکھنؤ آئے تو یہ عشرہ بھی سلطان اور شفو بھائی کے اختلاف کی وجہ سے نقن صاحب کو دے دیا گیا۔ اسی واقعے کے بعد وہ بالکل ٹوٹ گئے تھے۔ کاظم ہوٹل کے پہلو میں ایک لانڈری کھول لی تھی اُسی سے گزارہ ہوتا رہا۔ مشاعروں میں اُن کا انتظار ہوتا تھا۔ جب وہ مزاحیہ رباعیات اور قطعے پڑھتے تو سامعین کھڑے ہو ہو کر داد و تحسین سے نوازتے تھے۔ پورے سال میں ہر شب جمعہ مجلس پڑھنے تال کٹورے کی کربلا جاتے تھے اوقاف سے کچھ رقم انھیں مل جاتی تھی۔ مجلس پڑھ کے کسی قبر پر لیٹ جاتے اور فلسفیانہ باتیں شروع کر دیتے اُن کی شخصیت پر میں نے ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ اکثر للّن صاحب شاعر لکھنوی کے بارے میں بھی گفتگو کرتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ الفاظ تمام ضبطِ تحریر میں نہیں لائے جا سکتے۔ ایک مرتبہ انھوں نے اُن کی اُن مجالس کا ذکر کیا جو بغرض نثاری لکھی گئی تھیں۔ ''جنگ رمل'' منظوم انھوں نے سنائی جس میں حضرت علیؑ کی جنگ نظم کی گئی تھی۔

۱۹۲۶ء میں جب مولانا للّن صاحب رام پور میں قیام پذیر تھے اُسی زمانے میں انھوں نے ''اصلاح'' کجھوا (ضلع سارن، بہار) کے لئے ایک دینی افسانہ ''ملکۂ طرابلس (لیبیا) خانۂ بنی ہاشم میں'' لکھا تھا۔ حضرت عبداللہ ابنِ جعفر طیّار کی شجاعت اور جنگ کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔

شفو بھائی نے بتایا تھا کہ شوکت حسین رضوی کی فلم ''زینت'' کی کہانی بھی مولانا للّن صاحب نے لکھی تھی۔ اور فلم کی مشہور قوالی ''آہیں نہ بھریں شکوے نہ کئے کچھ بھی نہ زباں سے کام لیا'' شاہ نور اسٹوڈیو لاہور کی سالانہ مجلس ۸ محرّم کی میں برسوں پڑھتا رہا ہوں۔ اُسی زمانے میں یہ بات

میں نے شوکت حسین رضوی سے دریافت کی تھی، انھوں نے کہا کہ یہ بات میرے علم میں نہیں ہے ہوسکتا ہے نخشب نے مولانا سے کہانی لکھوائی ہو اور یہ قوالی بھی۔

للّن صاحب کو آخری مرتبہ میں نے ۱۹۵۶ء میں سُنا مقبرۂ عالیہ گولہ گنج کی مجلس جو ۸ ربیع الاول کو شام ۵ بجے منعقد ہوتی تھی۔ کپاسی رنگ (کریم کلر) کی شیروانی اور سیاہ ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ سیدھے ہاتھ کو منبر تھا۔ اس دن وہ ''تاریخ شیعیت'' کے موضوع پر تقریر کر رہے تھے۔ یہ میرے بچپن کی بات ہے۔ ۱۹۵۷ء میں اُن کا انتقال ہوا، چہلم کا رقعہ جو شائع ہوا وہ گتے پر چسپاں تھا ہر جگہ آویزاں نظر آتا تھا۔ رقعہ میں اُن کی تصویر بھی شائع ہوئی تھی۔ برسی کی مجلس میں شمس الحسن تاجؔ ہر سال للّن صاحب کا مرثیہ پڑھتے تھے۔ دل تو چاہتا ہے کہ یہاں شمس الحسن تاج (شمسی بھائی) کے بھی کچھ حالات لکھے جائیں لیکن مضمون طویل ہو جائے گا۔ ۱۹۸۱ء میں جب دوبارہ لکھنؤ گیا تو شمسی بھائی سے میں نے للّن صاحب کے مرثیوں کا تذکرہ کیا۔ فضل نقوی صاحب سے بھی تذکرہ کر چکا تھا۔ بہرحال مولانا کلبِ صادق صاحب کے یہاں میں بیٹھا ہوا تھا اتفاق سے مولانا کلب عابد صاحب بھی موجود تھے۔ للّن صاحب کے تمام مرثیے مولانا کلبِ صادق صاحب نے لاکر میرے پاس رکھ دیئے، متّن بھائی مرحوم میرے ساتھ تھے میں نے اُن سے کہا کہ تمام مرثیوں کے مطلع جات اور چنیدہ بند ایک کاغذ پر نقل کر دیجئے، مرثیوں کا کاغذ بوسیدہ ہو چکا تھا۔ لفظ پڑھنا مشکل تھا۔ پھر متّن بھائی کی تحریر بھی جتاتی تھی۔ کچھ چیزیں محفوظ ہیں۔ ایک مرثیہ اور مطلعے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(پہلا مرثیہ) عنوان:- تاریخ مرثیہ

اس مرثیے میں ۱۷۰ بند ہیں۔ مرثیے کے آخر میں حضرت علی اصغر علیہ السلام کی شہادت نظم کی گئی ہے۔ مطلع ہے:-

حق نے اسلام کو جو دی تھی وہ دولت نہ رہی شکر نعمت نہ کیا ہم نے تو نعمت نہ رہی
تاجِ شاہی نہ رہا شوکت و حشمت نہ رہی اس قدر بگڑے کہ پہلی سی طبیعت نہ رہی
خویش کش نام ہوا غیر کے محتاج ہوئے
جن کے سر رہتے تھے قدموں پہ وہ سرتاج ہوئے

مرشد آباد کی دولت کو مٹایا ہم نے خود سراج رہ بنگال بجھایا ہم نے

شہر میسور کو کانٹوں میں پھنسایا ہم نے　　راستہ قلعے کا غیروں کو بتایا ہم نے

شعلہ در نار حسد ہوگئی غداری سے

اپنا گھر پھونک دیا اپنی ہی چنگاری سے

یہ مرثیہ میں نے شمس الحسن تاج (شمسی بھائی) سے غفران مآب کے امام باڑے میں سنا تھا۔ جب شمسی بھائی نے اس کے مصائب پڑھے اور اُس بند پر پہنچے جس میں حضرت علی اصغرؑ کے تیر لگنے کا ذکر ہے تو پہلے مختلف شعراء کے شعر پڑھے، اس میں ذاخر لکھنوی کا بھی ایک شعر پڑھا تھا جو مجھے اس وقت یاد نہیں پھر پیارے صاحب رشید کا شعر پڑھا۔

باغِ جنت میں دلِ فاطمہؑ بے تیر چھدا　　حلق اصغرؑ کا چھدا بازوئے شبیرؑ چھدا

پھر للّن صاحب کی یہ بیت پڑھی۔

کیا کہوں گردنِ اصغرؑ کے سوا کیا چھیدا

مرنے کے بعد بہتر کا کلیجہ چھیدا

(دوسرا مرثیہ) عنوان:- تاریخ شیعیت

تھا وہ اک عہد کہ معروف تھے مشہور تھے ہم　　گوہرِ منتخبِ دیدۂ جمہور تھے ہم

کہیں سلطاں، کہیں حاکم، کہیں دستور تھے ہم　　اور جہاں کچھ بھی نہ تھے کام کے مزدور تھے ہم

صبح سے دھوپ میں ہنگام شفق آتا تھا

سائے کے نام سے ماتھے پہ عرق آتا تھا

اس مرثیے میں نور جہاں، چاند بی بی، بیرم خاں، ابوالفضل، فیضی، غفران مآب غرض پورے ہندوستان کی شیعیت اور شیعیت کے لئے جنھوں نے خدمات انجام دی ہیں ان سب کا ذکر ہے۔

تیمور لنگ کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:-

کوئی چرواہا کہے کوئی گدا و مزدور　　ہم کہیں فاتحِ چیں ہو شربائے فغفور

ایشیا کے سرِ اقبال کا دیہیم غرور　　ذرّۂ خاکِ درِ حیدرِ صفدر تیمور

جس نے شبیرؑ کا غم ہند میں منوایا تھا

تعزیہ، تاج کی جا سر پہ لئے آیا تھا

یہ مرثیہ بھی شمسی بھائی سے میں نے سُنا اور مندرجہ ذیل بند پڑھت میں بہت عمدہ طریقے سے بتا کے پڑھا تھا:-

ایک تربت بنی پھر خاکِ شفا سے سرِ دست　　زندگی بھر رہا تیمور مئے عشق سے مست
اپنے ہی دعوے سے ہوتی ہے مورّخ کو شکست　　کون اس کو کہے ظالم جو ہو مظلوم پرست
چتر کے سائے تھا، تلواروں کے یا سائے تھے
اس طرح ٹھاٹھ سے دِلّی میں حسینؑ آئے تھے

چاند بی بی کا جو حال نظم کیا ہے وہ بھی لاجواب ہے، میدانِ جنگ میں گھوڑے پہ بیٹھی ہے اور سیاہ نقاب چہرے پر پڑی ہے۔ شمسی بھائی یہ بند لاجواب پڑھت میں ادا کرتے تھے۔

چاند بی بی قمر برجِ شرف مہرِ وقار　　مَلکی دل ، فلکی عزم ، ہلالی تلوار
قلعۂ آگرہ تک آتی تھی جس کی جھنکار　　قلعہ ٹوٹا نہ مگر ٹوٹ سکا دل کا خار
کیوں جُھکے فرق کہ باخطِ جلی لکھا ہے
رہو حد پر کہ سرِ خود علیؑ لکھا ہے

(تیسرا مرثیہ) عنوان:- ''مزدور اور اسلام''

فاقہ کش بھی تھے نبیؐ فاتح و منصور بھی تھے　　عزّتِ خاک بھی تھے مطلعِ والنور بھی تھے
ان کے گھر دولتِ کونین سے معمور بھی تھے　　حق کے محبوب بھی تھے خلق کے مزدور بھی تھے
ہو اشارہ تو قمر شق ہو رسالت ایسی
سنگ خندق سے اٹھائے ہیں مشقت ایسی

اس مرثیے میں ۱۷۰ بند ہیں اور اس میں جنگِ خندق نظم کی ہے اور آخر میں حضرت علیؑ کی شہادت کا بیان ہے۔

زیرِ بحث مرثیۂ انیسؔ کے حوالے سے خطوط

ڈاکٹر نیّر مسعود

ادبستان دین دیال روڈ، لکھنؤ

ضمیر اختر صاحب کا مضمون سب سے زیادہ پسند آیا۔ ان کی معلومات پر حیرت ہوتی ہے۔

قاصد سرسوی...... (کراچی)

رثائی ادب کے شمارہ جنوری۔ مارچ ۱۹۹۸ء میں، جس کا خصوصی موضوع کلیۃً مرثیہ انیسؔ کا نسخہ صمد حسین رضوی ہے، قابلِ غور اور فکر انگیز (Thought-Provoking) نکات اٹھائے گئے ہیں بالخصوص محترم ضمیر اختر نقوی کا مضمون بعنوان ''میر انیسؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ'' بڑا جامع و مانع اور وقیع و بسیط مضمون ہے۔ یہ مضمون انیسؔ شناسی کے سلسلے میں بلا شبہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ضمیر اختر صاحب نے اپنے ۳۲ صفحات پر محیط مضمون میں میر انیسؔ کے الفاظ و تراکیب (Diction) تشبیہات و استعارات اور بحور و قوافی کے انتخاب میں میر انیسؔ کی افتادِ طبع (Poetic Genius) اور ان کے تخلیقی رجحانات و میلانات (Creative Trend) کا نہ صرف بھرپور خاکہ پیش کیا ہے بلکہ متنازعہ مرثیے کا میر انیسؔ کے دیگر مراثی سے تقابلی جائزہ (Comparative Study) تحریر کر کے اول الذکر کو میر انیسؔ ہی کا مرثیہ ثابت کیا ہے۔ اگر چہ ضمیر اختر نقوی صاحب کے مضمون میں کہیں کہیں شدت جذبات کی جھلک آگئی ہے تاہم

ان کے عمیق مطالعے، ژرف نگاہی، تحقیقی جگر کاوی و مغز ریزی اور تجزیاتی انداز بیان کا کم از کم ادبی حلقوں میں اعتراف کیا جانا چاہیے۔

اس مرثیے کی لفظیات کی دیگر مراثی میر انیسؔ سے مطابقت و مشابہت کی وجہ سے بقول ضمیر اختر نقوی مذکورہ مرثیے کو انیسؔ ہی کا مرثیہ سمجھا جائے گا تاوقتیکہ اس نقطہ نظر کے خلاف ٹھوس شواہد و حقائق سامنے نہ آجائیں۔

سیّد شیدا حسن زیدی

(سابق ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ، الائیڈ بینک، کراچی)

بہت دنوں سے میر انیسؔ کے اس مرثیے ''دو شیروں کی نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد'' پر مباحث چھڑے ہوئے تھے۔ ایک جانب سیّد صمد حسین رضوی کا دعویٰ کہ یہ مرثیہ ان کے دادا کے ہاتھ کا لکھا ہوا واحد نسخہ ہے جو غیر مطبوعہ ہے اور دنیا میں کسی کے پاس دستیاب نہیں ہے دوسری جانب جناب نصیر ترابی کا یہ دعویٰ کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ کا نہیں ہے، صمد حسین صاحب نے کوئٹہ میں ایک پریس کانفرنس کے حوالے سے اور اپنی تحریر کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ مرثیہ صرف ان کے ہی پاس ہے چند بند مع مقطع انہوں نے نمونے کے طور پر پیش بھی کیے۔ دوسری طرف نصیر ترابی صاحب نے کافی صفحے کالے کیے اور بڑی محنت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ کا ہو ہی نہیں سکتا اس بات کو ثابت کرنے میں جو علمی اور ادبی دلائل ان کی دسترس میں تھے انہوں نے پیش کیے مگر ڈاکٹر نیر مسعود، علی احمد دانش، ڈاکٹر اکبر حیدری، علامہ ضمیر اختر نقوی اور ڈاکٹر تقی عابدی نے دونوں حضرات کے دعوؤں کی پول کھول دی اور یہ بحث بہت خوبصورت انداز سے اپنے اختتام کو پہنچی جس سے یہ ثابت ہوا کہ صمد صاحب کا ماہر فلکیات ہونا اور بات ہے میر انیسؔ پر قلم اٹھانا اور بات ہے دوسری طرف نصیر ترابی صاحب کی بھی تسلی ہوگئی ہوگی کہ تحقیقی میدان میں کھیلنا بہت مشکل کام ہے کرکٹ میں تو بلے باز چھکے لگاتے بھی ہیں مگر ادب میں تحقیقی فیلڈ میں چھکے نہیں لگتے کرکٹ میں تو چھکوں پر انعام واکرام کی بارش ہوتی ہے۔ مگر ادب

میں سبکی اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

خواجہ رضی حیدر صاحب نے حق دوستی ادا کرنے میں جو ایڑی چوٹی کا زور لگایا انہیں بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ خواجہ صاحب سے عرض کروں گا کہ اذان کے بعد میر انیسؔ کا سنانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ کسی نے انیسؔ کو سمجھ بھی لیا ہے۔ سنانا اور سمجھنے میں زمین آسمان کا فاصلہ ہے میر انیسؔ کے کلام کو سمجھنا اتنا آسان نہیں جتنا آپ سمجھتے ہیں۔

تحقیق اور تنقید کا چولی دامن کا ساتھ ہے مگر دونوں میدان مختلف ہیں جو اس میدان کے کھلاڑی ہیں ان سے پوچھئے کہ چھوٹی سی بات کو جاننے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ پلوں کے نیچے سے کتنا پانی گزارنا پڑتا ہے عمر کے کتنے سال کتنے دن اور کتنی راتیں کالی کرنی پڑتی ہیں تب جا کر کسی بات کی کھوج لگتی ہے۔ بقول محمد حسین آزادؔ، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے لاکھوں اشعار کہے۔ زمانے کے ہاتھوں کتنا کلام برباد ہوا اور ہم تک کتنا کلام پہنچ سکا۔ برصغیر ایک چھوٹی جگہ نہیں ہزاروں گھروں میں میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مراثی محفوظ ہیں مگر بہت سے بستوں کو یا تو دیمک کھا گئی ہے یا مرثیے کے کاغذ پر سیاہی پھیل گئی اس طرح یہ قومی اثاثہ اور ورثہ ضائع ہو گیا۔ مرثیوں کو سنبھال کر رکھنا قومی اور ادبی ذمہ داری ہے بقول مولانا محمد حسین آزادؔ، میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ افقِ مرثیہ پر دو چمکتے ہوئے آفتاب و مہتاب ہیں تقریباً پونے دو سو سال سے دنیائے ادب میں ان کی روشنی پھیلی ہوئی ہے جس سے نہ صرف ادبی توانائی مل رہی ہے بلکہ آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو تقویت بھی پہنچ رہی ہے۔ میر انیسؔ پر اعتراضات اور مرزا دبیرؔ کی مخالفت کرنے والے ماضی میں بہت تھے اور اب بھی ہیں بقول سید تقی عابدی، شبلی نعمانی سے لے کر نصیر ترابی تک بہت آئیں گے اور جائیں گے لیکن نہ میر صاحب اور نہ مرزا صاحب کا قد چھوٹا ہو سکے گا بلکہ اعتراضات کرنے والوں کا قد چھوٹا نظر آئے گا۔ اگر بحث برائے ادب ہو تو اس کا احترام کیا جا سکتا ہے لیکن اعتراضات برائے اعتراضات ہوں تو اس کا انجام ایسے ہی ہوگا جیسے کہ صمد حسین رضوی صاحب اور نصیر ترابی صاحب کے بے بانگ دعووں کا۔

میر انیسؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ

......نسخہ ضمیر اختر نقوی......

”دو شیروں کی ، نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد“

گزشتہ شمارے میں جناب سیّد ضمیر اختر نقوی کی جانب سے یہ تحقیقی اعلان شامل اشاعت تھا کہ ان کے پاس زیرِ بحث مرثیہ انیسؔ کے تین نسخے موجود ہیں جو انہیں اس سال سفر ہندوستان کے دوران دستیاب ہوئے۔ یہ طویل مضمون ان کے اسی اعلان کی تفصیلات اور مرثیہ انیسؔ پر ان کے نقطہ نگاہ کی وضاحتوں سے متعلق ہے۔ (رثائی ادب کراچی)

میر انیسؔ کا یہ غیر مطبوعہ مرثیہ دنیا کا واحد نسخہ ہے جس میں ۹۹ بند ہیں، دیگر نسخہ میں صرف ۹۴ بند ہیں، میرے پاس اس مرثیے کے متعدد مخطوطات ہیں لیکن سب سے اہم مخطوطہ کاتب سید حسین علی کا لکھا ہوا ہے بفرمائش حاجی باقر صاحب سلمہ معرفت میر بادشاہ صاحب سلمہ ۱۲۶۷ھ لکھنؤ یہ مرثیہ نواب اصغر علی خاں کو پیش کیا گیا۔ کسی طرح یہ مرثیہ سید عابد علی مالک مطبع اثناء عشری کے ذخیرہ مراثی میں پہنچ گیا۔ سید عابد علی کے پرنواسے سید مسعود حسین زیدی زاہد لکھنوی سے یہ مرثیہ مجھے ملا، ......“

میر انیسؔ صدی پر تحقیقی کام ۱۹۷۰ء میں شروع ہوا جو ماہر انیسیات حضرات عرصہ دراز سے انیسیات پر تحقیقی کام کرنے میں مصروف تھے ان کے تحقیقی و تنقیدی کاموں میں خاصی تیزی آ گئی،

دہلی میں ''انیس مرکزی کمیٹی'' نے انیسیات پر بڑھ چڑھ کر تحقیقی و تنقیدی کتابیں شائع کیں، سید نائب حسین نقوی مرحوم بھی اپنی زندگی کے تیس برس انیسیات کے بحرِ عمیق میں غواصی کے جوہر دکھا چکے تھے، انہوں نے تیس برس میں تقریباً ستر مرثیے میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ جمع کر لئے تھے، یہ مرثیے ان کو بمبئی، لکھنؤ فیض آباد، بہرائچ، نان پارہ، امروہہ زید پور اور سادات کی دوسری بستیوں سے دستیاب ہوئے تھے، ۱۹۷۴ء میں سید نائب حسین مرحوم نے میر انیسؔ کے اکتیس غیر مطبوعہ مرثیوں کی فہرست مجھے بھیجی، ان کا کہنا تھا کہ یہ میری ذاتی تحقیق ہے اور تحقیق کبھی حرفِ آخر نہیں ہوسکتی'' ان تمام مرثیوں میں زیادہ تر مرثیے مونس، انس، مرزا دبیر، میر نفیس، میر رئیس، اور تعشق کے مطبوعہ مرثیے تھے جنہیں زبردستی میر انیسؔ سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ سید نائب حسین مرحوم کی فہرست مراثی میں صرف ایک مرثیہ...... ''دو شیروں کی نیزوں کے گلستان میں ہے آمد'' --- میر انیسؔ کا ثابت ہوا جس میں ساٹھ بند تھے، ۱۰ اپریل ۱۹۷۶ء کو ڈاکٹر اکبر حیدری نے اپنے دریافت شدہ میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ مرثیوں کی فہرست بھی بھیج دی تھی، ان کی فہرست میں تقریباً چھبیس مرثیے تھے، ان کی فہرست مراثی میں بھی مونسؔ، انسؔ، نفیسؔ، رئیسؔ، سلیسؔ، وحیدؔ کے مطبوعہ مرثیے شامل تھے، میں نے ان مرثیوں کے سلسلے میں اپنی ذاتی تحقیق اور تفصیلات سے سید نائب حسین مرحوم اور ڈاکٹر اکبر حیدری کو آگاہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر اکبر حیدری نے اپنے دریافت شدہ مرثیے ''باقیات انیسؔ'' میں شائع کر دیئے تھے، بعد میں یہی کتاب ''نقوش'' کے انیس نمبر میں شائع ہوئی۔ ان مرثیوں کے سلسلے میں حقائق میری زیرِ طبع کتاب ''میر انیس حیات اور شاعری'' میں موجود ہیں۔

اسی زمانے میں دہلی میں مرکزی انیس صدی کمیٹی کے تعاون سے شہاب سرمدی مرحوم بھی میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ مرثیوں پر تحقیق کر رہے تھے، ان کی فہرست مراثی کا بھی یہی حال تھا، ان کی فہرست مراثی میں بھی صرف ایک مرثیہ قابل توجہ تھا۔

''دو شیروں کی نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد'' ۹۴ بند

یہ مرثیہ نائب حسین مرحوم اور سرمدی مرحوم کی فہرستوں میں مشترکہ تھا، صرف ایک لفظ

''گلستاں'' اور ''نیستاں'' کا فرق تھا لیکن یہ مرثیہ تلاش کے باوجود مونسؔ، انسؔ، نفیسؔ، سلیسؔ، رئیسؔ کے مقطع کے ساتھ مطبوعہ یہ غیر مطبوعہ صورت میں نہیں ملا اور کسی اور مرثیہ نگار کے مقطع کے ساتھ بھی دریافت نہیں ہو سکا تھا، اور اب تک کوئی دوسرا نسخہ، مونسؔ، انسؔ، نفیسؔ، کے نام سے دریافت نہیں ہوا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں صمد حسین رضوی نے بھی ایک فہرست قلمی مرثیوں کی مجھے عنایت کی اور دریافت کیا کہ یہ مرثیے کس مرثیہ نگار کے ہیں۔ میں نے مندرجہ ذیل مرثیوں کی تفصیلات لکھ کر انہیں بھیج دی تھی۔ ان مرثیوں میں سات مرثیے میر انیسؔ کے مطبوعہ تھے، آٹھ مرثیے مرزا دبیر کے مطبوعہ تھے چھ مرثیے میر مونسؔ کے مطبوعہ تھے دو مرثیے میر عشقؔ کے مطبوعہ تھے، چار مرثیوں میں ایک ایک مرثیہ کلیمؔ لکھنوی، طوبیٰؔ لکھنوی، بہارؔ لکھنوی اور فقیر حسین عظیمؔ (شاگرد دبیر) کے مرثیے تھے،۔۔۔''

دسمبر ۱۹۷۶ء میں راقم الحروف ہندوستان گیا، اتفاق سے اسی زمانے میں دیگر مجالس کے علاوہ جعفر علی خاں اثر لکھنوی مرحوم کی برسی کی مجلس تھی، ان کے خویش سید علی ارشاد مرحوم نے مجھ سے مجلس پڑھنے کا وعدہ لیا اور فرمایا کہ میرے پاس کچھ غیر مطبوعہ مرثیے ہیں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں، مجلس کے بعد انہوں نے مرثیے دکھائے مندرجہ ذیل دو مرثیے بہت اہم تھے۔

۱۔ دو شیروں کی نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد ۹۴ بند میر انیسؔ غیر مطبوعہ

۲۔ ہے قصد و صف جعفرؑ طیار کیجئے ۹۲ بند میر عشق غیر مطبوعہ

میں جب کراچی واپس آیا میں نے صمد حسین صاحب کو خط لکھا کہ مجھے اپنے قلمی مرثیے دکھا دیجئے آپ کے ذخیرہ مراثی میں صرف دو مرثیے غیر مطبوعہ ہیں انہیں شائع کرنے کی کوشش کیجئے۔ صمد حسین صاحب نے میرے خط کے جواب میں لکھا۔

اسلام آباد سے...... یکم مئی ۱۹۷۷ء

جناب ضمیر اختر صاحب...... سلام علیکم!

آپ کا ۵ مارچ کا خط مجھے مل گیا تھا۔ اس زمانے میں، میں کراچی ہی میں تھا لیکن چند مصروفیتوں کی وجہ سے جلد جواب نہ دے سکا، آج کل میں

اسلام آباد میں قیام پذیر ہوں، مرثیوں کے قلمی نسخے کراچی میں ہیں، دو تین مہینے کے اندر شاید میں کراچی آؤں، اس وقت آپ کو وہ قلمی مرثیے دکھاؤں گا، جو میر عتیق کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ یہ مرثیہ ...... ''دو شیروں کی نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد''...... میر انیس کا غیر مطبوعہ مرثیہ ہے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ میں ضرور یہ مرثیہ آپ کو دکھاؤں گا اور اسے شائع کرانے کی کوشش کروں گا۔ میر انیس اور میر مونس کے مطبوعہ مرثیوں پر بھی میر عتیق کے قلمی نسخوں کی روشنی میں نظر ثانی کی جا سکتی ہے اور یہ مشغلہ بھی بہت دلچسپ ثابت ہو سکتا ہے ...... یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے ہندوستان کا دورہ کر لیا...... ''سید صمد حسین رضوی۔

میں نے صمد حسین صاحب پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ ان مرثیوں کے دو تین نسخے اور بھی موجود ہیں، نسخہ سید نائب حسین، نسخہ شہاب سرمدی، نسخہ سید علی ارشاد (خویش نواب جعفر علی خاں اثر) صمد حسین صاحب کو میری اطلاع سے پہلے یہ علم نہیں تھا کہ یہ مرثیے غیر مطبوعہ ہیں، بہرحال انہوں نے یہ وعدہ خلافی کی کہ وہ دونوں مرثیے مجھے نہیں دکھائے بلکہ دو سال کے بعد مرثیوں کے مطلعوں کی ایک فہرست سائیکلو اسٹائل مجھے بھیجی جس پر ۲۱ مارچ ۱۹۷۹ء تاریخ پڑی تھی اور فہرست مراثی کی تفصیلات میں میری بتائی ہوئی تحقیقی کاوش کو تحریر کر دیا گیا تھا اور یہ بد دیانتی کی گئی تھی کہ کہیں بھی میرا حوالہ اس میں نہیں دیا گیا تھا گویا انہوں نے اس کو اپنی ذاتی تحقیق ظاہر کیا تھا۔ فہرست کے ساتھ ایک خط بھی تھا، وہ لکھتے ہیں۔۔۔

کوئٹہ سے ...... ۲۱ اپریل ۱۹۷۹ء

جناب ضمیر اختر صاحب ...... سلام علیکم!

آپ کا ایک خط مورخہ ۵ مارچ ۱۹۷۷ء مجھے ملا تھا جس کا جواب میں نے یکم مئی ۱۹۷۷ء کو اسلام آباد سے دیا تھا۔ پھر آپ سے کراچی میں مختصر سی ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد میں کوئٹہ آ گیا۔ آج کل کوئٹہ ہی میں ملازمت کر

رہا ہوں۔ بال بچے کراچی ہی میں ہیں۔ آپ کا پرانا پتا میرے پاس ہے۔
اسی پتے پر یہ خط بھیج رہا ہوں خدا کرے کہ یہ خط آپ تک پہنچ جائے۔

میں ایک فہرست آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں آپ اس کے خالی خانوں کو پر کر کے مجھے بھیج دیجئے۔ میں بہت ممنون ہوں گا۔ مرزا دبیر کی بیس جلدوں میں سے مجھے صرف جلد ۴ اور جلد ۱۰ مل سکیں، باقی مرثیوں کا بھی کھوج لگایئے۔

میر مونس کے ان مرثیوں کے متعلق بھی لکھئے کہ یہ مطبوعہ ہیں یا غیر مطبوعہ ہیں، ۱۵۔ میداں کو جب سواری شاہ امم چلی۔ ۱۶۔ جب حر نے عین راہ میں روکا امام کو۔

یہ بھی لکھئے کہ جناب کلیم، جناب طوبیٰ اور بہار لکھنوی کون تھے اور ان کا مقام مرثیہ گوئی میں کیا تھا۔ جواب جلد دیجئے ...... سید صمد حسین رضوی۔

اسی درمیان ۲۷ مئی ۱۹۷۹ء کو صمد حسین صاحب نے پاکستان آرٹس کونسل کوئٹہ میں ایک پریس کانفرنس منعقد کی اور اس مرثیے کی تفصیلات بیان کیں۔ ''دو شیروں کی نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد''۔

روزنامہ مشرق کوئٹہ ۲۷ مئی ۱۹۷۹ء میں جو خبر شائع ہوئی اس کی سرخی یہ تھی ...... ''شہرۂ آفاق شاعر میر انیس کے غیر مطبوعہ ۱۲۵ سال پرانے مرثیے کی دریافت یہ قلمی اور نادر نسخہ صمد رضوی کے سوا پاک و ہند میں کسی کے پاس نہیں ہے۔'' ...... قلمی مرثیے کے آخری صفحہ کا عکس بھی اخبار میں شائع ہوا، صمد حسین صاحب نے اخبار کا تراشہ، مرثیے کے آخری صفحے کا عکس بھی بھیجا اور ایک خط بھی لکھا، وہ لکھتے ہیں ......

کوئٹہ سے ...... ۳۱ مئی ۷۹ء

جناب ضمیر اختر نقوی صاحب ...... سلام علیکم!

آپ کا نوازش نامہ مورخہ ۵ مئی مجھے مل گیا تھا۔ جواب دینے میں تاخیر

ہوگئی۔ میں نے جو فہرست مراثی آپ کو بھیجی ہے آپ اسے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ مجھے صرف یہ لکھ کر بھیج دیجئے کہ یہ مرثیے کس کس کے ہیں اور اگر مطبوعہ ہیں تو کب طبع ہوئے تھے۔ بہت سے مرثیوں کے متعلق تو آپ پہلے ہی مجھے لکھ چکے ہیں اب صرف چند مرثیوں کے بارے ہی میں لکھنا باقی ہے۔

مرزا دبیر کے مرثیوں کا مکمل اشاریہ اگر آپ خود ہی مجھے مرحمت فرمادیں تو ممنون ہوں گا۔ کلیم، بہار اور طوبیٰ کے متعلق یہ ملحوظ رہے کہ ۱۲۵ سال پہلے ان کا کلام اساتذہ فن کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا ورنہ میر عتیق ان کے مرثیوں کو نقل نہ کرتے، یہ بات ذہن میں رکھ کر مجھے صاف صاف لکھئے کہ یہ حضرات کون ہو سکتے ہیں اور ان کا کلام اب تک چھپ چکا ہے کہ نہیں۔ مرثیوں کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں بھی آپ کو بھجوا سکتا ہوں لیکن پہلے ان شخصیتوں کا تعین ہو جائے۔ میں ایک اخباری تراشے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھجوا رہا ہوں۔ آپ ضرور اسے سراہیں گے......سید صمد حسین رضوی۔

صمد حسین صاحب علمی و ادبی سرگرمیوں سے اتنے بے خبر تھے، انہیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میری کتاب ''اشاریہ مرزا دبیرؔ'' لکھنؤ سے اگست ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

کلیم، طوبیٰ اور بہار لکھنوی کی حیات اور ان کی خدمات و غیر مطبوعہ مرثیوں کے سلسلے میں اپنی کتاب ''تاریخ مرثیہ نگاری'' میں لکھ چکا تھا، میں نے عمداً ''صمد حسین صاحب کو یہ معلومات فراہم نہیں کی، مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ صمد حسین صاحب میرے خطوط اور تحقیقی معلومات سے فائدہ اٹھا کر مسلسل اپنی اور اپنے دادا کی شہرت میں مصروف ہیں۔ اگر مزید تفصیلات میں نے لکھ دیں تو یہ دو چار کانفرنسیں اور منعقد کر کے خبریں اخبارات میں چھپواتے رہیں گے۔ اور اندازہ مجھے ''باقیات عتیق'' سے ہوگیا تھا کہ میر انیس صدی کے موقع پر اس کتاب کی کیا تک تھی، میں سمجھ رہا تھا کہ میر انیسؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ چھپوائیں گے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ مرثیے کو ہوا بنانے پر تلے رہے۔

مجھ سے صرف وعدے کرتے رہے کہ مرثیے آپ کو دکھاؤں گا یا فوٹو اسٹیٹ بھیج دوں گا۔ میرا علمی و ادبی مقصد یہ تھا کہ مرثیہ شائع ہو، تاکہ انیسیات میں ایک اضافہ اور ہو جائے ...... پریس کانفرنس میں صمد حسین صاحب نے فرمایا۔

''میں نے ان تمام افراد، اداروں اور محققین سے رابطہ قائم کیا جو میر انیسؔ پر تحقیق کر رہے ہیں یا کر چکے ہیں۔ اس پوری تحقیق سے اس امر کے تمام ضروری داخلی و خارجی شواہد مل گئے کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ ہی کی تخلیق ہے اور اس کی کوئی دوسری نقل پاکستان یا ہندوستان کے کسی بھی ادارے، فرد یا محقق کے پاس نہیں ہے''۔

دیکھا آپ نے صمد حسین صاحب نے کتنی صفائی سے پریس کانفرنس میں غلط بیانی سے کام لیا ہے، ۱۔ میری اطلاع سے پہلے صمد حسین رضوی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ ہے۔

۲۔ ان کا یہ دعویٰ بھی غلط بیانی پر مبنی ہے کہ اس مرثیے کا کوئی دوسرا نسخہ پاکستان یا ہندوستان کے کسی بھی ادارے، فرد یا محقق کے پاس نہیں ہے''۔ ماہنامہ ''آج کل'' دہلی ...... جون ۱۹۷۵ء کے ''میر انیسؔ نمبر'' میں ص۔ ۶۰ پر نائب حسین مرحوم کا یہ اعلان موجود ہے کہ یہ مرثیہ غیر مطبوعہ ''دو شیروں کی نیزوں کے گلستاں میں ہے آمد'' میرے پاس موجود ہے، اور شہاب سرمدی مرحوم پہلے ہی اعلان کر چکے تھے کہ ۹۴ بند کا یہ مرثیہ میرے پاس موجود ہے''۔

راقم الحروف نے ہندوستان سے واپسی پر ۵ مارچ ۱۹۷۷ء کو صمد حسین صاحب کو بتا دیا تھا کہ یہ مرثیہ نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے ذخیرہ مراثی میں موجود ہے اور میں دیکھ کر آ رہا ہوں''۔

مرغے کی ایک ٹانگ کی گردان صمد حسین صاحب نے اب تک جاری رکھی ہے، اور ہو سکتا ہے تاحیات یہی کہتے رہیں کہ یہ دنیا کا واحد نسخہ ہے۔ ....

....

....

....

....

....

۱۹۸۱ء میں جب میں دوبارہ ہندوستان گیا اور سید عابد علی مالک مطبع اثنا عشری کے پرنواسے سید مسعود حسین زیدی زاہد لکھنوی کے مرثیوں کا ذخیرہ دیکھا، اس میں بھی یہ مرثیہ ''دوشیروں کی نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد''......۹۹ بند......موجود تھا۔ یہی نسخہ اب میرے پاس ہے۔

صمد حسین صاحب نے پریس کانفرنس کے چھ مہینے کے بعد دسمبر ۱۹۷۹ء کے ماہنامہ ''افکار'' کراچی میں ایک مختصر مبتدیانہ مضمون ''میر انیسؔ کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ'' کے عنوان سے لکھا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں---

''جناب سید مسعود حسن رضوی ادیب لکھنوی مرحوم نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ اس غیر مطبوعہ مرثیے کا کوئی اور مخطوطہ لکھنؤ میں بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ میں خود بھی اپنی پوری امکانی کوششیں کر چکا ہوں لیکن اس غیر مطبوعہ مرثیے کو کسی دوسرے نسخے کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ موجودہ مخطوطہ ہی دنیا میں میر انیسؔ کے اس غیر مطبوعہ مرثیے کا واحد نسخہ ہے''۔

صمد حسین صاحب کی غلط بیانی کی رفتار ملاحظہ کیجئے میں نے ۱۹۷۷ء میں ان کو بتایا کہ یہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے اور اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں انہوں نے اعلان کیا ہے کہ یہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے جبکہ سید مسعود حسین ادیب ۳ نومبر ۱۹۷۵ء کو انتقال فرما چکے ہیں، کیا مسعود صاحب مرحوم نے جنت سے تصدیق کی ہے کہ یہ مرثیہ دنیا کا واحد نسخہ ہے۔ انیسیات کے سلسلے میں صمد حسین صاحب کا مطالعہ اس قدر ناقص ہے کہ انہیں یہ بھی علم نہیں کہ مرکزی انیسؔ صدی کمیٹی دہلی نے جب میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ مرثیوں کی اشاعت کا اعلان کیا تھا یہ کام مسعود صاحب مرحوم کے سپرد تھا۔ دونوں حضرات (نائب حسین نقوی اور شہاب سرمدی) نے جو غیر مطبوعہ مرثیے جمع کئے تھے وہ مسعود صاحب مرحوم کو دکھائے، اس وقت دونوں حضرات کے ذخیروں میں یہ مرثیہ موجود تھا، مسعود صاحب خود یہ مرثیہ دو نسخوں کی شکل میں دیکھ چکے تھے، وہ یہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ اس مرثیے کا

کوئی دوسرا نسخہ لکھنؤ میں موجود نہیں ہے جبکہ لکھنؤ ہی میں نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے کتب خانہ میں بھی یہ مرثیہ موجود تھا۔

نسخہ صمد حسین رضوی دنیا کا واحد نسخہ نہیں ہے :-

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اس مرثیے کے مزید نسخے دنیا میں موجود ہیں لیکن صمد حسین صاحب یہ انتظار کرتے رہے کہ جوابی مضمون کہیں سے چھپے گا۔ میں نے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی اور توجہ نہیں دی میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی غلط بیانیوں کی تردید سے بدمزگی پیدا ہو اور صمد صاحب کی سبکی ہو، میرا واحد مقصد یہ تھا کہ وہ کسی طرح مرثیہ شائع کردیں، دیکھتے ہی دیکھتے اس بات کو اٹھارہ برس گزر گئے۔

ایک دن پروفیسر سردار نقوی صاحب کا ٹیلیفون آیا کہ یہ شعر کس کا ہے۔۔۔

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق　　یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ

سردار بھائی سے میں نے پوچھا، یہ سوال کون کر رہا ہے؟ سردار بھائی نے بتایا کہ صمد حسین رضوی صاحب نے دریافت کیا ہے، میں نے پوچھا کہ کیا وہ کراچی میں ہیں، انہوں نے فرمایا...... ہاں...... ۱۸ برس کے بعد میں نے دوبارہ یہ نام سنا، مجھے پھر اس مرثیے کا خیال آیا۔

ایک روز مولانا علی کرار نقوی نے بھی ان کا ذکر کیا، میں نے مولانا سے کہا کہ صمد حسین صاحب کے پاس جو غیر مطبوعہ مرثیہ ہے وہ رثائی ادب میں شائع ہو جائے تو اچھا ہے۔

۱۸ اپریل ۱۹۹۷ء کو جناب ہادی عسکری، ڈاکٹر ہلال نقوی اور مولانا علی کرار نقوی، صمد حسین صاحب کے پاس گئے۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ وہ مرثیہ نہیں دیں گے اور مرثیہ شائع نہیں ہوگا۔......

جولائی ۱۹۹۷ء میں ہندوستان کے سفر پر میں گیا، لکھنؤ سے یہ مرثیہ اپنے ساتھ لیتا آیا۔

اب اس مرثیے کے دنیا میں پانچ نسخے موجود ہیں۔

۱۔ نسخہ نائب حسین　　۲۔ نسخہ شہاب سرمدی　　۳۔ نسخہ سید علی ارشاد

۴۔ نسخہ صمد حسین رضوی اور　　۵۔ نسخہ ضمیر اختر نقوی

''رثائی ادب'' کا نصف صدی نمبر مجھے ہلال نقوی سے ستمبر میں ملا، لکھنؤ سے واپسی پر میں

نے ان سے دریافت کیا، صمد حسین صاحب نے مرثیہ بھیجا یا نہیں؟، جواب میں ہلال نقوی ''رثائی ادب'' لے آئے پڑھا، اب بحث کا رخ یہ تھا، یہ مرثیہ میر انیسؔ کا نہیں ہے۔

یہ مرثیہ میر انیسؔ کا ہے:-

احسن لکھنوی نے ''واقعاتِ انیسؔ'' میں میر انیسؔ اور میر سلامت علی کا واقعہ لکھا ہے کہ......

''میر سلامت علی صاحب لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے جن کو میر انیسؔ کا کلیات جمع کرنے کا شوق تھا اور انہوں نے اپنی تلاش سے میر انیسؔ کا اکثر ایسا کلام بہم پہنچایا تھا جو خود میر انیسؔ کے پاس نہ تھا۔ میرے والد فرماتے تھے کہ ایک روز میں میر انیسؔ کی خدمت میں حسب دستور حاضر تھا کہ میر سلامت علی صاحب آئے اور میر انیسؔ کی تصنیفات کا ذکر چھڑ گیا۔ میر انیسؔ نے مسکرا کر دریافت کیا۔ کیوں صاحب میرا کلیات تو اب آپ نے جمع کر لیا ہوگا۔ میر سلامت علی صاحب نے عرض کیا کہ حتی الامکان تو میں نے کوشش بلیغ کی ہے۔ پھر میر انیسؔ نے فرمایا کہ بھلا ''جناب عونؑ و محمدؑ'' کے حال کے کتنے مرثیے آپ کے پاس ہیں۔ میر سلامت علی صاحب نے مطلع پڑھنا شروع کئے۔ دس پندرہ مطلعوں کے بعد میر انیسؔ نے فرمایا کہ اچھا اب آپ خاموش رہیں، میں مطلع پڑھتا ہوں اور آپ اقرار کرتے جایئے۔ پھر میر انیسؔ نے مطلع شروع کر دیئے۔ میر سلامت علی صاحب حیرت سے میر صاحب کا منہ دیکھ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ یہ مرثیہ میرے پاس نہیں ہے۔ آخر میر انیسؔ نے مسکرا کر فرمایا کہ بس اسی تحقیقات پر تمہیں فخر ہے۔ بھائی کس پھیر میں پڑے ہو، واللہ انیسؔ کو خود معلوم نہیں کہ اس کی تصنیف کی حد کیا ہے۔ پھر میرے والد مرحوم سے مخاطب ہو کر فرمایا میر حسن علی مجھے گمان واثق ہے کہ فیض آباد سے لکھنؤ تک میری تصنیف میں جناب عونؑ و محمدؑ کے حال کے مرثیے دو سو سے زائد ہوں گے کیونکہ مجھے ابتدائے عمر سے اس حال سے دلچسپی رہی ہے اور میرے کلام کا معتد بہ حصہ اس حال میں ہے''۔

(بحوالہ ''واقعات انیس'' ص ۸۷)

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''جنگ و شہادت حضرت عونؑ و محمدؑ'' میر انیسؔ کا پسندیدہ موضوع ہے اور فیض آباد سے لکھنؤ تک یعنی ابتدائے شاعری سے آخر عمر تک میر انیسؔ نے

اس موضوع پر تقریباً دوسو مرثیے تصنیف کیے تھے۔ میر انیسؔ کو یہ موضوع اتنا پسند تھا کہ انہوں نے اپنے شاہکار مرثیے ''جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے'' میں ۱۷ بند حضرت عونؑ و محمدؑ کے حال میں تصنیف کیئے ہیں حالانکہ مرثیہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حال میں ہے۔

میر انیسؔ کے مطبوعہ مرثیوں میں مندرجہ ذیل مرثیے حضرت عونؑ و محمدؑ کے حال کے ہیں۔

	مرثیہ	بند	بحر
۱۔	دوزخ سے جو آزاد کیا حر کو خدا نے	بند ۱۶۰	بحر......ہزج
۲۔	دشت جنگاہ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے	بند ۴۳	بحر......رمل
۳۔	زینبؑ نے سنی جب یہ خبر شاہ امم سے	بند ۱۰۵	بحر......رمل
۴۔	غل ہے اعدا میں کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں	بند ۸۵	بحر......رمل
۵۔	کیا پیش خدا صاحب توقیر ہیں زہراؑ	بند ۹۶	بحر......ہزج
۶۔	رن میں جس دم حر ذیشاں نے شہادت پائی	بند ۱۴۰	بحر......رمل
۷۔	جب حر کو ملا خلعت پر خون شہادت	بند ۱۷۵	بحر......ہزج
۸۔	جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی	بند ۱۷۹	بحر......ہزج
۹۔	جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج	بند ۱۸۴	بحر......مضارع
۱۰۔	جب صبح شب قتل نمایاں ہوئی رن میں	بند ۱۷۷	بحر......ہزج
۱۱۔	جب کربلا میں نور سحر جلوہ گر ہوا	بند ۱۵۸	بحر......مضارع
۱۲۔	جب رفیقان حسینؑ ابن علیؑ کام آئے	بند ۷۴	بحر......رمل
۱۳۔	کیا رتبہ دربار امام مدنی ہے	بند ۱۵۹	بحر......ہزج

دو مرثیے مکرر ہیں، چھ جلدوں میں کل ۱۲ مرثیے حضرت عونؑ و محمدؑ کے حال میں دستیاب ہیں میر انیسؔ نے دوسو مرثیے حضرت عونؑ و محمدؑ کے حال میں تصنیف کئے۔ میر سلامت علی نے اس موضوع پر جو مرثیے جمع کئے وہ بھی نہیں ملتے، یہ تمام مرثیے گئے کہاں؟

جو مرثیے دستیاب ہیں وہ زیادہ تر میر انیسؔ کے آخر عمر کے ہیں، وہ اظہار بھی کر رہے ہیں۔

''گو پیر ہوں پر زور جوانی ہے ابھی تک''

"پیری میں جواں ہے تو فقیری میں غنی ہے"

فیض آباد کے قیام میں جوانی میں جو مرثیے میرانیسؔ نے تصنیف کئے ان میں سے بھی اس حال کا کوئی مرثیہ دستیاب نہیں عرصہ دراز کے بعد اس حال میں ایک ہی مرثیہ سہی اضافہ ہو رہا ہے تو کسی کو اس پر حیرت نہیں ہونا چاہئے۔

غیر مطبوعہ مرثیے کی بحر:

۱۲ مطبوعہ مرثیوں میں زیادہ تعداد ان مرثیوں کی ہے جو "بحر ہزج" میں ہیں، گویا میرانیسؔ کو حضرت عونؑ و محمدؑ کے حال کے مرثیوں کے لئے "بحر ہزج" پسند تھی۔ "دو شیروں کی نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد"...... غیر مطبوعہ یہ مرثیہ بھی بحر ہزج میں ہے۔

میرانیسؔ کی شاعرانہ خوبیوں میں ایک خوبی انتخاب بحر اور بحر کو برتنا بھی ہے۔ انہیں علم عروض پر اتنی کمانڈ (Command) حاصل ہے کہ وہ ایک ہی بحر کو جب چاہتے ہیں ست رفتار بنا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں تیز رفتاری بھر دیتے ہیں، یہ عروضی کمانڈ کسی دوسرے مسدس نگار شاعر مثلاً، حالی، اقبال، چکبست وغیرہ کے پاس نہیں ہے۔ مضارع، ہزج، مجتث اور رمل میں سب سے تیز رفتار بحر رمل ہے، اس بحر میں روانی سے پڑھنے میں لطف آتا ہے، اقبال نے میرانیسؔ کے اسی رمز کو سمجھا اور "نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری" اور "بخدا فارس میدانِ تہور تھا حر" بحر رمل کے مرثیوں کو پڑھ کر اقبال نے "شکوہ جواب شکوہ" لکھ دیا، بلکہ عہد اقبال کی مشہور نظمیں اسی بحر میں لکھی گئی ہیں، بحر رمل کی تیز رفتاری کو اقبال پا گئے لیکن میرانیسؔ کی ذہانت کو نہیں پاسکے، میرانیسؔ نے اسی بحر میں ایک نایاب تجربہ اور کیا ہے۔ انہوں نے اسی بحر کو ست رفتار بھی بنایا ہے، ایک ایسا واقعہ جو غم واندوہ سے لبریز ہو اور آہستہ آہستہ گزر رہا ہو، ایسا واقعہ عصر عاشور ہے، میرانیسؔ نے اسی تھمے ہوئے وقت کو تیز رفتار بحر رمل میں لکھ کر بحر کو آہستہ رو بنایا اور فن کا کمال دکھا دیا۔

"آج شبیرؑ پہ کیا عالم تنہائی ہے"

اسی بحر رمل کو انہوں نے ساکن بنا دیا ہے، یہاں آہستہ روی کی ضرورت تھی، بالکل اسی طرح

بحر ہزج بھی متحرک اور بہت رواں بحر ہے، جب اسی بحر میں میر انیسؔ مصائب کے پیش نظر کوئی غم انگیز مرثیہ لکھتے ہیں، بحر ہزج کو آہستہ رو بنا دیتے ہیں، مثلاً۔

''کیا بحر ہے وہ بحر کنارا نہیں جس کا''

''جس دم شرف اندوز شہادت ہوئے عباس''

اسی بحر ہزج میں میر انیسؔ نے حضرت عونؑ و محمدؑ کے حال میں چھ مرثیے لکھے ہیں، ان مرثیوں میں کسی مقام پر آہستہ روی یا سست رفتاری پیدا نہیں ہوتی، بے پناہ تیز رفتاری اور تحرک خیزی سے یہ مرثیے شروع بھی ہوتے ہیں اور ختم بھی ہو جاتے ہیں،...... ''دوزخ سے جو آزاد کیا حر کو خدا نے''۔ بحر ہزج کے اسی مرثیے کے ساتھ زیر بحث غیر مطبوعہ مرثیہ بھی رکھ دیجئے...... ''دو شیروں کی نیزوں کی نیستاں میں ہے آمد''۔

دونوں مرثیوں کا ردم، کیفیت اور شاعرانہ فضا ایک ہی ہے، میں نے ایک مجلس اپنے مکان پر منعقد کی جس میں یہ غیر مطبوعہ مرثیہ ماجد رضا عابدی (ریسرچ اسکالر کراچی یونیورسٹی) سے پڑھوایا تا کہ میں ایک نشست میں سن کر یہ فیصلہ کر سکوں کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ کا ہے یا نہیں، پہلے میں نے یہ مرثیہ پڑھوایا ''دوزخ سے جب آزاد کیا حر کو خدا نے'' اس کے بعد یہ مرثیہ سنا ''دو شیروں کی، نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد'' میر انیسؔ کے پورے مرثیے میں ایک کیفیت، ایک فضا ہوتی ہے، انیسی کیفیت اور انیسی فضا اپنی تمام تر جمالیاتی لوازمات کے ساتھ اس غیر مطبوعہ مرثیے میں موجود تھی۔ دونوں مرثیے ایک ساتھ سننے کے بعد دوسرا ثبوت یہ مل گیا کہ غیر مطبوعہ مرثیے کے بند نمبر ۵۳ کا چوتھا مصرع...... ''دم سینے سے نکلا اِدھر اس کا اُدھر اُس کا''

اور ''دوزخ سے جو آزاد کیا حر کو خدا نے''...... اس مرثیے کا بند نمبر ۱۱۸ دیکھئے اس میں بھی چوتھا مصرع یہی ہے...... ''دم سینے سے نکلا اِدھر اس کا اُدھر اُس کا''۔

دونوں جگہ یہ مصرع پورے بند کے ماحول میں چسپاں ہے۔ ایسی مثالیں انیسؔ کے مطبوعہ کلام میں بھی موجود ہیں وہ اپنے پسندیدہ مصرعوں کو مختلف مقامات پر استعمال کرتے ہیں۔

غیر مطبوعہ مرثیے کا تجزیہ:-

کلام میر انیسؔ کا مطالعہ عوام اور خواص نے حتیٰ کہ مرثیے کے شائقین نے بھی اس گہری نظر سے نہیں کیا جو اس عظیم کلام کا حق تھا، میر انیسؔ کے مرثیوں میں رثائیت کا عنصر تقریباً ۲۵ فیصد ہے، باقی ۷۵ فیصد کلام حمد، نعت منقبت، مدح قصیدہ، مثنوی، غزل اس کے ماورا عمرانیات، حیوانات، نباتات، جمادات، سیاسیات، جمالیات، فلکیات، جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ، منطق، علم کلام، علم الوان، جنگ اور تمام موضوعات کی تفصیلات و جزئیات بھی موجود ہے۔ میر انیسؔ کے کلام کو سمجھنے کے لیے تمام علوم کا مطالعہ ضروری ہے ناقدین میر انیسؔ کی شاعری پر لکھنے سے اسی لئے گھبراتے ہیں، غزل میں عشقیہ فکر وفن کی باتوں پر لکھنا آسان ہے کہ محدود موضوعات ہوتے ہیں۔ مضمون لکھ دیا، میر انیسؔ کی شاعری میں ''قرآن کا خشک وتر'' موجود ہے، لکھیں تو کیسے لکھیں......! سمجھیں تو کیسے سمجھیں......! جاننے والوں سے پوچھتے ہوئے شرم بھی آتی ہے، ویسے عام ناقدین کو میر انیسؔ کی شاعری پر مضمون لکھنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے، میر انیسؔ خود کہتے ہیں۔

تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف   کب اہل سخن مانتے ہیں عام کی تعریف

میر انیسؔ کے چمن نظم کے ادراک کے لیے عمیق نگاہوں اور خندہ پیشانی کی ضرورت ہے۔ شبلیؔ اور حالیؔ نے کھل کر کہا کہ اردو زبان کو عالمی زبانوں کے سامنے رکھنا ہے تو میر انیسؔ کا کلام پیش کرنا ناگزیر ہوگا۔ اس منزل پر میر، غالب اور اقبال بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ آج عالمی زبانوں کی سطح پر جو اردو پہنچی ہے وہ صرف میر انیسؔ کی وجہ سے، میر انیسؔ پر سطحی باتیں کرنے والے ابھی یہی نہیں جانتے کہ میر انیسؔ پر پوری دنیا میں کتنا کام ہو رہا ہے، کولمبیا یونیورسٹی، ورجینا یونیورسٹی اور لندن یونیورسٹی اس کام میں بہت آگے ہیں، ڈیوڈ میتھیوز David Mathews کی کتاب "The Battle of Karbala a Marsiya of Anis" کتنے لوگوں نے پڑھی ہے، نیوجرسی کے اخبارات نے اس کتاب پر جو تبصرے لکھے ہیں وہ کتنے لوگوں نے پڑھے ہیں؟؟ ''موازنہ انیسؔ و دبیرؔ'' کے بعد نوے برس میں انیسیات کے عظیم ذخیرے سے اردو داں طبقہ کتنا واقف ہے، جوش ملیح آبادی اور جمیل مظہری کے مضامین میر انیسؔ کی شاعری پر جائے حیرت نہیں ہیں یہ

حضرات تو میر انیسؔ کے خوشہ چیں ہیں، حالی، اقبال اور چکبست، کی طرح ڈیوڈ میتھیوز نے لندن یونیورسٹی کے طلبا کو کلام انیس سمجھایا تو یہ عظیم کارنامہ ہے یا آج سے سو برس پہلے پیرس یونیورسٹی میں گارساں دتاسی نے فرنچ زبان میں میر انیسؔ پر دو لیکچر دیئے تھے جو یادگار ہیں۔

میری کتاب ''تاریخ مرثیہ نگاری'' ۱۴ جلدوں میں ہے اور ہر جلد ایک ہزار صفحے سے زیادہ ہے، گویا ۱۴ ہزار صفحات آج کل کتابت کے مراحل میں ہیں، یہ کتاب اردو اصناف پر لکھی گئی کتابوں میں سب سے بڑی کتاب ہوگی، اس کتاب کی ایک جلد عربی مرثیہ نگاروں پر مشتمل ہے، اس جلد میں لبنان سے شائع ہونے والی کتاب ''ادب الطف شعرائے الحسینؑ'' کا میں نے ذکر کیا ہے جس میں دو سو مرثیہ نگاروں کے عربی مرثیے موجود ہیں، یہ کتاب دس جلدوں میں ہے، اس کتاب میں میر انیسؔ کے مرثیہ کا عربی ترجمہ بھی موجود ہے، گویا عرب ممالک میں بھی میر انیسؔ جانے پہچانے شاعر ہیں، فارسی اور ترکی اس کے علاوہ جرمن زبان میں عرصہ ہوا کلام انیسؔ کا ترجمہ ہو چکا ہے، ہمارے علمائے ادب ابھی اسی بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ میر انیسؔ بڑے شاعر ہیں یا اقبال، حالانکہ سامنے کی بات ہے کہ اقبال کی شاعری کا موضوع محدود ہے، صرف مسلمان ان کا موضوع ہے۔ اقبال ایک محدود دائرے سے آگے نہیں بڑھتے جبکہ میر انیسؔ کی شاعری کا موضوع انسان ہے، میر انیسؔ کا موضوع آفاقی ہے، اقبال کی صرف آواز عرش تک پہنچتی ہے، میر انیسؔ خود عرش تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کا موضوع بھی انسان ہے۔

میر انیسؔ کے استعاراتی نظام کو سمجھنے کے لئے ذہانت درکار ہے، برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے تنقید نگار جناب شمس الرحمٰن فاروقی، میر انیسؔ کے استعاراتی نظام پر خاصا کام کر چکے ہیں اور بہت کچھ لکھ رہے ہیں۔ ان کی شخصیت اور فن میں اتنی کشش ہے کہ ان سے ملنے کے لیے میں صرف ایک دن کے لئے الہ آباد گیا اور ان کے ساتھ ایک ادبی دن گزار کر لکھنؤ واپس آگیا، انہوں نے میر انیسؔ کے استعارے کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ بار بار پڑھنے کے باوجود سیری نہیں ہوتی، میر انیسؔ کے استعارات کو سمجھ لینے کے بعد ہر پڑھنے والا دبیرؔ، مونسؔ، انسؔ، عشقؔ، تعشقؔ، وحیدؔ کے کلام میں میر انیسؔ کے کلام میں آسانی سے فرق محسوس کر سکتا ہے۔

میں نے میر انیس کے استعاراتی نظام کو دائرہ کار بناتے ہوئے، ان کی تلمیحات، محاورات، اصطلاحات روزمرہ اور بول چال کی روشنی میں غیر مطبوعہ مرثیے کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔

غیر مطبوعہ مرثیے کا خاکہ کچھ یوں ہے۔

''حضرت عونؑ و محمدؑ کی میدان میں آمد، دونوں شہزادوں کا سراپا، دونوں کی جلالت، لشکر یزید پر دونوں شیروں کی ہیبت، حضرت زینبؑ کو حضرت مسلم کے بچوں کی شہادت کا صدمہ، دودھ بخشنے کا ذکر، منصب جعفر یعنی علمداری کی گفتگو، دونوں فوج یزید کا علم چھین لیں گے، چاند سے چہرے، بوٹا سے قد، سینۂ پرنور، نور کی پوشاک، جرات و ہمت، فہم وادراک، دولھا بنے ہوئے ہیں، چھوٹی سی عمریں، رخسار دوگل ہیں، آنکھیں ہیں کہ کوٹے ہوئے موتی بھرے ہیں، دو نیمچے، دو تلواریں، چھوٹے چھوٹے مغفر، چھوٹے سے عمامے، جوش، کمسنی ہے اور کھیل کے دن ہیں۔

بچوں کے گھوڑے، طاؤس خراماں، چکارے اور جست میں ہرن ہیں، عمر سعد اور شمر آپس میں گفتگو کرتے ہیں کہ بچوں کو علمداری کا لالچ دے کر اپنی طرف ملالیا جائے، شمر کہتا ہے یہ ہاشمی بچے ہیں ہماری باتوں اور لالچ میں نہیں آسکتے، شمر جاتا ہے گفتگو کرتا ہے اسے منہ توڑ جواب ملتا ہے، بھاگ آتا ہے، عمر سعد دونوں بچوں کو گرفتار بھی کرنا چاہتا ہے لیکن یہ شیر بازئی روباہ میں نہیں آسکتے، عونؑ و محمدؑ کا جواب، غیظ میں آنا، جناب فضہ کی تشویش، فوج یزید پر بچوں کا زبردست حملہ لشکر کی ابتری، حضرت زینبؑ کا اطمینان، بچوں نے باپ دادا کی شجاعت دکھائی ہے، تلواریں اور نیمچے چل رہے ہیں، گھوڑوں کی رواروا اور ہل چل ہے، دو پہلوان مقابل آتے ہیں، حضرت عباسؑ آواز دے کر بچوں کی ہمت بڑھاتے ہیں، امام حسینؑ فکر مند ہیں، بھانجے پیاسے ہیں، دونوں شہزادے جوشِ شجاعت میں رجز پڑھ رہے ہیں، رجز میں حضرت رسول خداؐ، حضرت علیؑ، جعفر طیار، حضرت فاطمہ زہراؑ اور امام حسینؑ کی مظلومی کا تذکرہ ہے، دونوں پہلوانوں سے مقابلہ شروع ہوتا ہے، دونوں بھائی ایک دوسرے کی مدد اور کمک کرتے ہیں، بچے فتح یاب ہوجاتے ہیں، حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ دونوں شہزادوں کی تعریف فرماتے ہیں، حضرت امام حسینؑ خوش ہوجاتے ہیں، دونوں بچے ماموں کو تسلیم بجالاتے ہیں، شمر نیزہ بازوں سے کہتا ہے کہ دونوں کو گھیر لو، دونوں

پر یلغار ہوتی ہے۔ چھوٹا بھائی پہلے گھوڑے سے گرتا ہے، بڑا بھائی بھی زخمی ہے، دونوں پر نیزے کے وار پڑتے ہیں، کہیں لاشے پامال نہ ہو جائیں، امام حسینؑ رن کی طرف جا رہے ہیں، عباسؑ اور علی اکبرؑ بھی ساتھ ہیں، دونوں بچے ماموں کو مدد کے لیے پکار رہے ہیں، امام حسینؑ لاشوں پر پہنچ جاتے ہیں، دونوں بچوں سے گفتگو، بچوں کو ماں کی وصیت یاد ہے، حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ لاشوں کو اٹھاتے ہیں، در خیمہ سے فضہ بتاتی ہیں کہ لاشے آ رہے ہیں، شہادت کی خبر سن کر جناب زینبؑ کے تاثرات، لاشوں کا استقبال، ماتم، کہرام، کیا دولھا آ رہے ہیں؟ برات آ رہی ہے، ساتھ میں براتی بھی ہیں، بہنیں آ کر سر پر آنچل ڈالیں، دونوں شہزادے دولھا بن کر شرمائے ہوئے ہیں، لاشے خیمے میں آ گئے، خیمے میں ماتم ہے، کہرام ہے، حضرت زینبؑ فرزندوں کی لاشوں پر گریہ کناں ہیں۔ بچو! ماں کو ساتھ کیوں نہ لے گئے، تمہارے تو کلیجوں میں گھاؤ ہیں، اٹھو ماموں کی مدد کرو، جنگ کرنے نہیں جاؤ گے؟ کیا ماں سے روٹھے ہوئے ہو؟، یہ نیند کیسی ہے؟، چہرے پر تو ہنسی ہے لیکن تن میں جنبش نہیں ہے، بچوں میں سمجھتی تھی آرام کر رہے ہو سو تم تو مر چکے ہو، انیسؔ بزم میں کہرام ہے، یہ وقت دعا ہے، مالک میرا انجام نیک ہو، میری خاک کربلا پہنچ جائے، میرا انجام خاکِ کربلا ہو''۔

میر انیسؔ نے اپنی شاعری کو سمجھانے کے لئے مرثیوں میں تنقیدی اشارے بھی کئے ہیں، بہت سی باتیں کہی ہیں، ایک جگہ کہتے ہیں۔

کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل ذی ہوش　　　　اللہ نے بخشی ہے جنہیں چشم خطا پوش

نقص تلاش کرنا تو بہت آسان ہے لیکن نقص کو اور عیب کو ہنر بنا دینا کوئی میر انیسؔ سے سیکھے اور میں بھی اسی نظریے کا قائل ہوں کہ جہاں میر انیسؔ کے کلام میں عام لوگوں کو عیب نظر آ رہا ہو اسی کو آپ ہنر بنا کر پیش کریں تو گویا یہ ایک بڑا کام آپ نے میر انیسؔ پر کیا ہے، خود انیسؔ نے بھی یہ بات کہی ہے......

''کئے ہیں عیب بھی ہم نے تو وہ ہنر کی طرح''

اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ اگر میر انیسؔ کوئی عیب دار مصرع بھی لکھتے ہیں اس میں بھی کوئی

نہ کوئی ہنر ضرور ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کسی کو اس غیر مطبوعہ مرثیے کے مطلع پر یہ اعتراض ہو کہ اس میں تعقید ہے، اور اس بناء پر یہ مصرع میر انیسؔ کا نہیں ہوسکتا، اگر میر انیسؔ کا یہ مطلع کسی کے سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو پھر اس کے ایک ایک لفظ کا تجزیہ کیا جانا چاہیئے، یوں تو پڑھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ میر انیس کا ہی مطلع ہے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ صیقل شدہ مصرع نہیں ہے یا یہ کہہ لیجیے کہ اس مرثیے پر نظر ثانی نہیں ہوئی، لیکن یہ مرثیہ ہے میر انیسؔ کا اور مطلع بذاتِ خود اس بات کی دلیل بن رہا ہے کہ یہ کلام انیسؔ ہے۔

دو شیروں کی، نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد — دو غازیوں کی جنگ کے میداں میں ہے آمد
دو موتیوں کی دشت کے داماں میں ہے آمد — دو چاند کے ٹکڑوں کی بیاباں میں ہے آمد

گیسوئے سیہ دوش پہ بل کھائے ہوئے ہیں
دو سرو رواں جنگ پہ لہرائے ہوئے ہیں

میر انیسؔ نے اس مرثیے میں جتنی بھی تراکیب، تشبیہات اور استعارے استعمال کئے ہیں وہ ان کے دوسرے مرثیوں میں بھی موجود ہیں مصرعہ اولیٰ میں یہ لفظ اہم ہیں، ''دو شیروں'' اور ''نیزوں کے نیستاں''

نیزوں کا نیستاں:

نیستاں بانس کے جنگل کو کہتے ہیں اور قدیم زمانے سے ہندوستان اور عرب میں بانس کے نیزوں کی تجارت ہوتی تھی، نیزہ خطی ہندوستان سے ہی بن کر عرب جایا کرتے تھے، بانس صرف ہندوستان میں زیادہ پیدا ہوتا تھا، قبل بعثت بھی یہ تجارت جاری تھی اور بعثت کے بعد بھی باقی رہی، میر انیسؔ کی معلومات کا کوئی اندازہ ہی نہیں کرسکتا، بانس اگتا ہی وہاں ہے جہاں پانی زیادہ ہو، شیر کو وہ جگہ زیادہ پسند ہے جہاں ترائی ہو، زمین ٹھنڈی ہو، سبز پتیاں ہوں، اس لئے زیادہ تر شیر بانس کے جنگل میں رہتا ہے، بقول انیسؔ ؎

''مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے''

کربلا کے میدان میں فوج یزید میں ہر طرف نیزے نظر آرہے ہیں، میر انیسؔ اس منظر کو

بانس کے جنگل سے تشبیہ دیتے ہوئے حضرت عونؑ ومحمدؑ کی آمد کو نیستاں میں شیر کی آمد سے تشبیہ دیتے ہیں، شیر، نیستاں اور نیزے کہنے کو چھوٹے لفظ ہیں لیکن یہ الفاظ بذاتِ خود ایک تاریخ ہیں۔

مطلع کا مصرعہ اولیٰ:

مطلع کا مصرعہ اولیٰ میر انیسؔ کس طرح بناتے ہیں یہ جاننا بھی قاری کلام انیسؔ کے لیے ضروری ہے اکثر وہ ایسا کرتے ہیں کہ اپنے کسی مرثیے کے کسی مصرع میں کوئی بہت ہی خوبصورت، اچھوتی ترکیب یا تشبیہ یا استعارہ نظم کرتے ہیں جو انہیں بہت زیادہ پسند آگئی ہو تو جب وہ کوئی نیا مرثیہ کہتے ہیں اپنے کسی پرانے مرثیے میں سے وہی خوبصورت ٹکڑا لے کر مصرعہ اولیٰ بناتے تھے، اس کی مثال ہم ایسے دیں گے کہ ایک مشہور مطلع کا مصرعہ اولیٰ ہے جو نہایت زوردار، نادر اور خوبصورت ہے..... ''نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری''

اب میر انیسؔ کا یہ مرثیہ دیکھئے ''شیریں سخنی ختم تھی ہم شکل نبیؐ پر'' اس مرثیے میں میر انیسؔ نے ایک جگہ حضرت علی اکبرؑ کے تبسم کا ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں......

دیکھا نہیں غنچے میں یہ انداز تبسم ہے ان کا تبسم ''نمک خوان تکلم''

''نمک خوان تکلم'' کا ٹکڑا میر انیسؔ نے یہاں سے اٹھایا اور یوں نیا مطلع بنایا......

''نمک خوان تکلم'' ہے فصاحت میری

بالکل اسی طرح غیر مطبوعہ مرثیے میں بھی اپنے چار مرثیوں سے ایک ٹکڑا لے کر مطلع بنایا ہے۔

''نیزوں کا نیستاں'' تھا کہ جنگل امنڈ آیا.......... (دوزخ سے جو آزاد..........)

''نیزوں کے نیستاں'' میں در آئے وہ غضنفر.......... (جب زلف کو..............)

کبھی ''نیزوں کے نیستاں'' میں کبھی تیروں میں.......... (بخدا فارس میدان..........)

''نیزوں کے نیستاں'' میں کبھی جا پڑے جوں شیر.......... (جب جنگ کو میداں..........)

''دو شیروں'' کا تذکرہ بھی ان کے مرثیوں میں بار بار آتا ہے۔ مثلاً

ثابت ہوا کہ فوج پہ ''دو شیر'' آپڑے.......... (جاتی ہے کس شکوہ..........)

دیکھو یہ کہ بپھرے ہوئے ''دوشیر'' کھڑے ہیں.......... (جب حر کو ملا..................)

ہاں خبردار کہ لڑکے نہیں ''دوشیر'' ہیں یہ.................. (دشت جنگاہ..................)

''دوشیر'' ہو مل کر عمر و شمر کو گھیرو.......................... (جب حر کو ملا..................)

آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ اپنے ہی دو مصرعوں کے لفظوں کو دو جگہ سے لے کر میر انیسؔ نے زیرِ نظر مرثیے کا مطلع بنایا ہے، رہ گیا تعقید کا سوال تو میر انیسؔ قواعد سے زیادہ زبان کے فطری نمو اور ارتقاء کا لحاظ رکھتے تھے اسی لئے انہوں نے زبان میں اتنی وسعت پیدا کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مصرع نہایت خوبصورت اور لاجواب ہے، پڑھت اور خوانندگی کے اصول و ضوابط کو سامنے رکھ کر جب اس مصرع کو پڑھا جائے گا تو لطف آئے گا، مصرع کو ایک سانس میں نہیں وقفے کے ساتھ پڑھا جائے گا،...... دوشیروں کی...... نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد۔

اور اگر اس مصرع کو ''ضرب ضربوا'' کی گردان کی طرح پڑھیں گے تو ظاہر ہے یہ طریقہ مصرع پڑھنے کا نہیں اور مصرع بھی مرثیے جیسی حساس صنفِ سخن کا، بہت سے مصرع ایسے ہیں کہ دو مرتبہ میں سانس لے کر پڑھنا ہوتے ہیں اور وہ اچھا ہے، مثلاً...... جب قطع کی...... مسافت شب...... آفتاب نے، ڈاکٹر نیر مسعود لکھتے ہیں۔

''یہ سمجھنے کی بات ہے کہ کیا اس میں بھید ہے، اگر عاقل ہے اور صاحب فہم ہے تو جہاں دیکھے ایسے الفاظ کو اس طرح پر پڑھے تو چند دنوں میں خود طبیعت آپ سے آپ مناسب ہو جائے گی''...... (مرثیہ خوانی کا فن ص۔ ۱۲۳)

پڑھت کے اعتبار سے مصرع اپنی جگہ بالکل مناسب ہے اور اس میں کوئی خامی نہیں ہے، اور اب دوبارہ چاروں مصرعوں کو پڑھئے لطف دوبالا ہو جائے گا۔

اور اگر آپ میر انیسؔ کے مصرع میں رد و بدل کریں اور آپ کہیں کہ میر انیسؔ اس مصرع کو یوں کہہ سکتے تھے۔

''نیزوں کے نیستاں میں ہے دو شیروں کی آمد''

اس طرح مصرع کہنے میں میر انیسؔ جیسے عظیم شاعر کے لیے بہت بڑی قباحت تھی کہ اگر

شیروں کو قافیہ قرار دے کر بعد کے تین مصرعے لکھے جائیں تو دوسرے مصرع میں ''دلیروں کی آمد'' کہہ دیتے لیکن تیسرے اور چوتھے مصرعوں کے لیے میر انیسؔ کے پاس اچھے قافیے نہیں تھے، ان کے پاس شیر، کے قافیے تو ہیں مثلاً دلیر، پھیر، دیر لیکن ''شیروں'' کا قافیہ ''پھیروں'' ''دیروں'' میر انیسؔ کے قوافی نہیں ہیں اور یہ میر انیسؔ کی لغت کے لفظ نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ''شیروں'' کا قافیہ زیادہ تر بیت میں لاتے ہیں تاکہ آسانی سے ''دلیروں کا قافیہ قرار دیا جا سکے۔

دوسری صورت میر انیسؔ کے لیے یہ تھی کہ ''نیستاں'' کو قافیہ قرار دیں اور ''دو شیروں کی آمد'' ردیف قرار دیں، عام طور سے میر انیسؔ مطلعوں میں اتنی طویل ردیف استعمال نہیں کرتے، طویل ردیفوں میں معنی و مفاہیم ادا نہیں ہو پاتے، اس طویل ردیف کے ساتھ میر انیسؔ مطلع اس طرح کہتے، بیت بھی نئی ہوتی،

نیزوں کے نیستاں میں ہے دو شیروں کی آمد	بے آب بیاباں میں ہے دو شیروں کی آمد
اب جنگ کے میداں میں ہے دو شیروں کی آمد	لو دشت کے داماں میں ہے دو شیروں کی آمد

ایک ایک عدو تیغ کے پانی میں بہے گا
چتون یہ بتاتی ہے کہ لشکر نہ رہے گا

آپ نے دیکھا، پہلے مصرع سے چھٹے مصرع تک میر انیسؔ کے رنگ کو سامنے رکھ کر میں نے پورا بند کہا ہے، کوئی ذی فہم اس کو میر انیسؔ کا بند مانے گا، کیا زیرِ نظر مرثیے کا مطلع یہ ہو سکتا ہے؟

اب آیئے تیسری صورت اختیار کرتے ہیں، میر انیسؔ کے اس غیر مطبوعہ مرثیے کے مطلع کی تشبیہات اور استعاروں کو برقرار رکھتے ہوئے قافیے اور ردیف بدل کر رنگ انیسؔ میں ایک بند اور کہتے ہیں ہو سکتا ہے میر انیسؔ اس طرح کہتے......

دو شیر نیستاں میں بپھرتے ہوئے آئے	دو غازی صف جنگ کو تکتے ہوئے آئے
دو موتی تھے، بے آب، دمکتے ہوئے آئے	دو چاند تھے بدلی میں چمکتے ہوئے آئے

گیسوئے سیہ دوش پہ بل کھائے ہوئے ہیں
دو سرو رواں جنگ پہ لہرائے ہوئے ہیں

مصرعہ اولیٰ دیکھئے، دو شیر کس نیستاں میں آ رہے ہیں؟ ''کربلا کا نیستاں'' یا ''نیزوں کا نیستاں'' ہونا چاہئے، اتنے سے مفہوم کو ہمارا مصرع ادا نہیں کر پا رہا، اس لئے میر انیسؔ کا ہی مصرع مناسب اور لاجواب ہے۔ میر انیسؔ نے ایک ہی مصرع میں کتنے بہت سے معنی و مفاہیم ادا کر دیئے ہیں۔

''دو شیروں کی، نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد''

اب آیئے چوتھی صورت اختیار کرتے ہیں، کیوں نہ مرثیے کا پورا مطلع یکسر بدل دیا جائے اور صرف آمد دکھا دی جائے، ہوسکتا ہے اپنے رنگ میں میر انیسؔ مطلع یوں کہتے۔ (میر انیسؔ کے ایک مشہور مرثیے سے استفادہ)

زینبؑ کے پسر آتے ہیں اب فوج ستم میں — روباہوں کو دھڑکا ہے کہ شیر آتے ہیں ہم میں
سردار جھکائے ہوئے سر بیٹھے ہیں غم میں — سب کہتے ہیں نازل ہوئی آفت کوئی دم میں
کون ان سے لڑے گا یہ شجاع ازلی ہیں
شوکت میں ہیں جعفرؑ تو شجاعت میں علیؑ ہیں

لیکن پورے مرثیے کے دائرہ کار میں اس مطلع کو بھی رکھ کر دیکھ لیجئے، اس مطلع کا مزاج اور پورے مرثیے کا مزاج مختلف ہے، بہرحال یہ بچکانہ باتیں ہیں کہ میر انیسؔ یوں کہہ سکتے تھے اور یوں کہہ لیتے، جس طرح میر انیسؔ نے مطلع کہا ہے وہ بالکل صحیح ہے، پورا مطلع مرثیے کے دائرہ کار میں اپنے شکوہ اور جاہ و جلال کے ساتھ نظر آ رہا ہے کسی مصرع کو بدلنے اور اس میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے پہلے پورا مرثیہ پڑھ کر تو دیکھئے''۔

مرثیہ کا کلیدی لفظ:

غیر مطبوعہ مرثیے کے مطلع کے چاروں مصرعوں اور چھٹے مصرعے میں لفظ ''دو'' کی مناسبت غور طلب ہے۔ میر انیسؔ کے مرثیوں میں عام طور سے ایک کلیدی لفظ یا کلیدی نکتہ ہوتا ہے جو پورے مرثیے میں اپنے تلازمات کے ساتھ استعمال ہوتا رہتا ہے اور بظاہر پڑھنے میں احساس نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اس کلیدی لفظ کو آخر مرثیے تک استعارات و تشبیہات کے ساتھ استعمال کرتے چلے

جارہے ہیں، زیرِ نظر مرثیے کا کلیدی لفظ ''دو'' کا عدد ہے۔ اس پورے مرثیے کا تانا بانا اس لفظ ''دو'' سے بنا گیا ہے، لفظ اور عدد ''دو'' کا انتخاب میر انیسؔ نے اس وجہ سے کیا ہے کہ ''عونؑ محمدؑ'' کا عدد بھی ''دو'' ہے اور مرثیہ دو شہزادوں کے حال میں ہے۔ عون کے عدد ۹ ہیں اور محمد کے عدد ۲ ہیں، نو اور دو گیارہ، ایک اور ایک دو ہوتے ہیں۔ یہ مبارک عدد حضور اکرمؐ کے نام محمدؐ کا بھی ہے اور حضرت علیؑ کے نام علی کا بھی عدد دو ہے۔ امام حسینؑ کے نام کا عدد بھی دو ہے۔ حضرت عون و محمدؑ کے دادا جعفرؑ کا عدد بھی دو ہے۔ یہ دو کا عدد حضرت جعفر طیار کی فضیلت کو واضح کرتا ہے۔ حضرت جعفر طیار نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی سوئے بیت المقدس اور خانہ کعبہ، آپ نے دو مرتبہ ہجرت فرمائی ایک مرتبہ مکہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری مرتبہ حبشہ سے مدینہ کی طرف، آپ دو ہاشمیوں کی یادگار ہیں ایک ابو طالب علیہ السلام اور دوسری فاطمہ بنت اسدؑ آپ نے دو تلواریں اور دو نیزوں سے جنگ کی، بعد شہادت آپ کو اللہ نے دو شہپر زمرد کے عطا کئے۔

غیر مطبوعہ مرثیے کا پہلا لفظ ''دو'' ہے۔ میر انیسؔ کے اس پورے مرثیے میں یہ لفظ علامت کے طور پر استعمال ہوا ہے......

دو شیر، دو غازی، دو دلیر، دو موتی، دو پھول، دو سرو رواں، دو دلاور، دو کمسن، دو لعل، دو جری، دو ماہ، دو گوہر نایاب، دو مہر جہانتاب، دو سینۂ پرنور، دو نیمچے، دو چاند کے ٹکڑے، فخر دو عالم، دو دن کے پیاسے، دو ٹکڑے، دو روز کے جاگے، دو پھولوں سے رخ، دو دولھا، دو یگانے، یہ دونوں، وہ دونوں، دو بلبلیں وغیرہ...... اسی طرح گھوڑوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے دو گھوڑے، دو رہوار، دو چکارے، دو بجلیاں، حضرت عون و محمد کے مقابلے میں فوج یزید سے بھی دو پہلوان آئے ان کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے، دو دشمن، دو پہلوان، دو یلِ خود سر، دو ستم گر، دو لعیں، مرحب و عنتر،

میر انیسؔ نے اس مرثیے میں یہ بھی التزام کیا ہے کہ زیادہ تر ایسے محاورے اور روز مرہ، بول چال کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس میں ایک لفظ دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہو یا دو مترادفات کا استعمال ہو مثلاً......

اب آتے ہیں اب آتے ہیں، حملہ پہ حملہ، تگاور پہ تگاور، قیامت ہے قیامت، کچھ نہ کچھ، رسالے کے رسالے، بڑھ بڑھ کے، دو چار پرے، سوسو کے سر، چمک اور دمک، مہ ومہر، شمشیر دو دم، دوبارہ، ہمت وجرات، شہ یثرب وبطحا، دولاکھ کا لشکر، بلبل وچمن، چھپ چھپ کے، ادھر تھا نہ ادھر تھا، ادھر آئے ادھر آئے، ادھر آفت ادھر آفت، نہ دیکھا تو نہ دیکھا، صنعت تضاد میں بھی میرانیسؔ نے اپنے اس مرثیے میں دو کے التزام کو برقرار رکھا، کعبہ اور دیر، بہشت اور دوزخ، خیر اور شر، شمع اور پروانہ، یگانہ اور بیگانہ، سحر وشام، مرنا جینا...... تہ و بالا، تنہا اور ہزاروں، راست اور خم، شیر اور روباہ، مشکل اور آسان، خفا اور خورسند، شادی وغمی، زرد اور سیاہ، رات اور دن، سرخ اور ہرا، اس مرثیے کے علاوہ بھی یہ لفظ ''دو'' میرانیسؔ کے مرثیوں میں اہمیت رکھتا ہے مثلاً......

دو لاکھ ستم گاروں سے لڑ کر نکل آیا (دوزخ سے جو آزاد ....)

ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حرؑ (بخدا فارس میداں..........)

میرانیسؔ لشکر یزید کی تعداد کے لیے دولاکھ کا یہ ہندسہ ہمیشہ استعمال کرتے ہیں۔ غیر مطبوعہ مرثیے میں بھی یہ تعداد موجود ہے...... دولاکھ کے لشکر کو تہ تیغ کیا تھا...... اب مختلف مرثیوں سے مثالیں دیکھئے......

دو لاکھ سواروں کی جگہ چاہئے ہم کو

لاکھ آئیں کہ دو لاکھ کبھی ہم نہیں ڈرتے

دو آئینے ظلمت سے ہم آغوش ہوئے ہیں

دو روز کی پیاس ان کے لئے آب بقاء تھی

دو طفل وہ جو تین شب و روز کے پیاسے

دو بھانجے ماموں سے جدا ہوتے ہیں لوگو

آئے صفت مہر لرزتے ہوئے دو ماہ

دو بدر، شبیں چار، شش و پنج کی جا ہے

دیکھو یہ کہ بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں

دو بچوں پہ دو لاکھ شریر آئے ادھر سے

رخسار تھے کھلے ہوئے دو ارغواں کے پھول

غل تھا کہ ایک صبح میں دو آفتاب ہیں

دو چاند ہیں یہ خانہ شیراللہ میں

طالب ہیں ایک جان کے دو لاکھ تیغ زن

غل پڑگیا جہاد پہ دو مہ جبیں چڑھے

دو بجلیاں چمک کے نگاہوں سے چھپ گئیں

دو نام گو ہیں ایک ہے پر کعبہ و حرم

اک جا پہ ہیں دو نیمچے یا ذوالفقار ہے

پریاں تھیں دو کہ پھر رہی تھیں جھوم جھوم کے

آنکھیں ملائے کون کہ دو آفتاب ہیں

وہ کیا بڑھے کہ دو اسد خشمگیں بڑھے

ثابت ہوا کہ فوج پہ دو شیر آپڑے

گویا چڑھے تھے دو نئے دولھا جہاد پر

دو تیر آ گے تیر نظر سے نکل گئے

دو ہاتھ کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی

دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر

دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے

دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو

تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے

غیر مطبوعہ مرثیے میں میر انیسؔ کا پسندیدہ ہندسہ یا لفظ دو۲ بار بار استعمال ہوا جس کو علامت قرار دے کر انہوں نے پورا مرثیہ تصنیف کیا ہے۔

دو چاند:

مطلع کا چوتھا مصرع ...... ''دو چاند کے ٹکڑوں کی بیاباں میں ہے آمد'' بہت خوبصورت مصرع ہے، میر انیسؔ نے یہاں ''دو چاند کے ٹکڑوں'' کہہ کر صنعت تلمیح پیدا کی ہے، قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اقتربت الساعة وانشق القمر۔ ''معجزہ شق القمر مکہ کے بیاباں میں دکھایا گیا تھا، اس مصرع میں لفظ بیاباں موجود ہے، جب مکہ کے بیاباں میں چاند کے دو ٹکڑے زمین کی طرف ساتھ ساتھ اترتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میر انیسؔ اس منظر کو اپنے سامع اور قاری کو دکھانا چاہتے ہیں کہ اس منظر کو دیکھو کہ جب آسمان سے چاند کے دو ٹکڑے اترتے نظر آ رہے تھے، اب یہ مصرع پڑھئے، منظر سامنے آئے گا کہ صحرا میں روشنی پھیلتی جا رہی ہے اور چاند کے دو ٹکڑے زمین کی طرف اترتے چلے آ رہے ہیں، قیامت قریب آ گئی ہے۔

دو چاند کے ٹکڑوں کی بیاباں میں ہے آمد

یہ 'دو چاند' میر انیسؔ کے دوسرے مرثیوں میں بھی موجود ہیں مثلاً

دو چاند ہیں یہ خانہ شیر الہ میں (جاتی ہے کس شکوہ..............)

افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے (جب زلف کو کھولے............)

میر انیسؔ کے موتی:

مطلع کا تیسرا مصرع بھی بہت عمدہ ہے اس مصرع میں بھی صنعت تلمیح ہے، قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

(سورہ رحمان آیت ۲۲) ترجمہ..... دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں پس اے جن وانس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''

اس کے علاوہ قرآن کی تین آیتیں اور موتی کے سلسلے میں موجود ہیں۔

ترجمہ:..... وہ لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے ایسے خوبصورت جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی'' (سورۃ طور آیت ۲۴)

ترجمہ:.....اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوریں، جیسے کہ چھپا کر رکھے ہوئے موتی'' (سورۃ واقعہ آیت ۲۳)

ترجمہ:..... جب تم انہیں دیکھو گے وہ موتی جیسے معلوم ہوں گے'' (سورۃ دہر آیت ۱۹)

موتی وہ شے ہے جسے چھپا کر رکھا جاتا ہے لیکن اگر موتی ظاہر ہو جائے تو ان کی طلعت وتنویر آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے، عونؑ ومحمدؑ جناب زینبؑ اور عبداللہ ابن جعفر کے دو ایسے ہی موتی تھے جیسے حضرت رسول خدا، حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے لیے امام حسنؑ اور امام حسینؑ تھے۔ موتیوں کی جگہ خزانہ ہے، ماں کی گود ہے، سمندر کی گہرائی ہے یا جنت ہے۔ یہ لفظ ''موتی'' میر انیس کی لغت کا لفظ ہے۔ اگر یہ مرثیہ کسی اور شاعر کا ہوتا تو تیسرے مصرعے میں موتی کا لفظ اتنی آب و تاب کے ساتھ نظر نہیں آتا۔ موتی سیپ (صدف) سے نکلتا ہے، سیپ کے شکم میں موتی کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ جب اس کے شکم میں کوئی کیڑا یا سنگریزہ چلا جاتا ہے تو وہ اس کے کلیجے میں چبھنے لگتا ہے، سیپ اپنے منہ سے اس وقت ایک لعاب نکالتی ہے جو اس کیڑے یا سنگریزہ کے گرد

لپٹنا شروع ہو جاتا ہے اور جیسے جیسے وہ لپٹتا جاتا ہے وہ موتی بنتا جاتا ہے، چونکہ کیڑے اور سنگریزے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں اس لئے موتی بھی مختلف حجم کے آڑے ترچھے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن تمام موتیوں کے اوپر جو سب سے بڑا موتی ہوتا ہے اسے شاہ موتی یعنی درشہوار یا گوہر شہوار کہتے ہیں، موتی ۱۴ سے لے کر ڈیڑھ سو تک ہوتے ہیں لیکن درشہوار ایک ہی ہوتا ہے یہ سب سے قیمتی موتی سمجھا جاتا ہے، یہی سچے موتی ہوتے ہیں، میر انیسؔ کے پاس ہر طرح کے موتی ہیں لیکن وہ زیادہ تر ایسے موتی اپنی شاعری میں استعمال کرتے ہیں۔

غواص طبیعت کو عطا کر وہ لالی — ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی — عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی
سب ہوں در یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر ان کی یہ ہوں گے جنہیں رشتہ ہے نبیؐ سے

بھر دے در مقصود سے اس درج وہاں کو — دریائے معانی سے بڑھا طبع رواں کو

ان کے لفظ زیادہ تر درشہوار ہوتے ہیں اور اس لئے انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔

نظم ہے یا گوہر شہوار کی لڑیاں انیس — جوہری بھی اس طرح موتی پرو سکتا نہیں

اب اس موتی کو جہاں کہیں بھی وہ تشبیہ میں، استعارے میں، علامت کے طور پر یا بول چال میں یا محاورے میں استعمال کرتے ہیں تو یہ انہیں کے لیے مخصوص ہو کر رہ جاتا ہے، دیکھئے ان کے مرثیوں میں یہ موتی کہاں کہاں بکھرے ہوئے ہیں۔

تلوار کے لئے کہتے ہیں:-

جوہر شناس ہے تو اسے موتیوں سے تول

حضرت علی اکبرؑ کے دندان مبارک:-

ان موتیوں سے عشق ہے زہراؑ کے لال کو

اس غم سے موتیوں کے کلیجوں میں چھید ہیں

حضرت علی اکبرؑ کی گفتگو:-

تقریر مسلسل ہے کہ موتی کی لڑی ہے

امام حسینؑ کے دندان مبارک:-

گویا کہ موتیوں کا خزانہ ہے یہ دہاں

خالق نے موتیوں سے بھرا ہے دہان حسن

ذوالفقار کے جوہر کے لیے:-

جوہر نہ کہو موتیوں سے مانگ بھری تھی

چہرے کے پسینے کے لیے:-

چہروں کا عرق موتیوں کی آب سے بہتر

موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

شبنم کے قطروں کے لیے:-

تھا موتیوں سے دامن صحرا بھرا ہوا

حضرت علی اکبرؑ کے لیے:-

موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

سلام میں ایک شعر حضرت علی اکبرؑ کے لیے ہے، امام حسینؑ فرماتے ہیں۔

کبھی نہر سے یوں مخاطب ہوئے کہ تجھ میں تو موتی ہمارا نہیں

غیر مطبوعہ مرثیے کے مطلع کا تیسرا مصرع اب پڑھئے......

دو موتیوں کی دشت کے داماں میں ہے آمد

حضرت عون ومحمد بھی خزانہ امامت کے دو قیمتی موتی تھے۔ ''دشت کے داماں'' کہہ کر مصائب کا گوشہ بھی نکالا ہے۔ موتی تو خزانے میں ہوتا ہے، ماں کی آغوش میں پسر موتی ہے، لیکن دشت میں آرہے ہیں۔ یہ موتی کی تشبیہ غیر مطبوعہ مرثیے میں بند نمبر ۵ کے چھٹے مصرعے میں بھی ہے۔

اک بحر کے یہ گوہر نایاب ہیں دونو

اور بند نمبر ۹ کے تیسرے مصرعے میں بھی ہے آنکھوں کی تعریف کے لیے۔

کوٹے ہوئے موتی ہیں کہ آنکھوں میں بھرے ہیں

پورے مرثیے میں ایک نادر تشبیہ ہے، یہ مصرع انیسیات میں اور خصوصاً انیسؔ کے درشہوار کی لڑی میں ایک اضافہ ہے۔

میر انیسؔ نے کوٹے ہوئے موتی کہاں دیکھے؟ میر انیسؔ کے مشاہدے کا قائل کون نہیں، سچے موتیوں کے طبی فوائد بھی ہیں، عطار یا حکیم کی دکان پر دواؤں کے لئے سچے موتی کوٹے جاتے ہیں، آنکھ کے درد کی دوا یا پلکوں کے گرنے کی دوا بنائی جاتی ہے۔ میر انیسؔ نے خود کوٹے ہوئے موتی دیکھے ہیں ورنہ اتنی خوبصورت تشبیہ جو کہ اردو شاعری میں اضافہ ہے اس طرح ادب میں شامل نہیں ہوسکتی تھی۔ موتی کوٹ کر بھرنا، اردو محاورہ ہے بمعنی خوبصورت اور چمکدار آنکھیں، یہ محاورہ فصیح رائج ہے لیکن سند میں رند لکھنوی کا شعر دیا جاتا ہے۔

آب و تاب چشم جاناں دیکھ کر ثابت ہوا بھر دیئے ہیں صانع قدرت نے موتی کوٹ کر

میر انیسؔ نے ایک مصرع میں اپنے مفہوم کو ادا کیا ہے۔ آنکھ اور اس کی تشبیہ دونوں ایک ہی مصرع میں موجود ہے یہ میر انیسؔ کا کمال فن ہے۔

کوٹے ہوئے موتی ہیں کہ آنکھوں میں بھرے ہیں

میر انیسؔ خود کہتے ہیں...... ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہر شہسوار

آپ نے موتیوں کا خزانہ میر انیسؔ کے کلام میں دیکھ لیا، آپ کو کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ کا ہے یا نہیں۔ اب آیئے مطلع کی بیت کو دیکھتے ہیں۔

گیسوئے سیہ دوش پہ بل کھائے ہوئے ہیں دو سرو رواں جنگ پہ لہرائے ہوئے ہیں

کیا خوبصورت بیت کہی ہے، یہاں پر میر انیسؔ نے گیسو کے لئے بل کھانے کا محاورہ استعمال کیا ہے یہ محاورہ آپ کو جگہ جگہ میر انیسؔ کے کلام میں ملے گا......

بل کھائے ہوئے دوش پہ گیسو تو پڑے ہیں (جب منزل مقصد پہ......)

میر انیسؔ جب گیسو کے لیے بل کھانے کا محاورہ استعمال کرتے ہیں تو اس کے معنی جوش غضب کے ہوتے ہیں۔

ہے خاطر سرورؑ جو پریشاں کئی شب سے
کاکل بھی ہیں بل کھائے ہوئے جوش غضب سے

(جب منزل مقصد پہ......)

لپٹا کے گلے کہنے لگی زینبؑ خوش خو
اللہ یہ غصہ ہے کہ بل کھاتے ہیں گیسو

(جب حر کو ملا......)

دونوں جگہ میر انیسؔ نے گیسو کے بل کھانے کے معنی بتا دیئے ہیں۔ یہ کام بھی کسی عام شاعر کے بس میں نہیں کہ اپنے لفظ اور محاورے کے محل صرف کو نظر میں رکھ کے دوسری جگہ انہی معنوں میں اس محاورے کو نئے انداز سے نظم کر دے، دو شیر غیظ و غضب میں جنگ کرنے آ رہے ہیں، غزل میں رزمیہ لکھنا یہ میر انیسؔ ہی کا طرہ امتیاز ہے۔

دودھ بخش دینا:

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۳

جس وقت سے مسلم کے دل و جاں ہوئے بے سر — ہیں غیظ میں اس وقت سے دونوں یہ دلاور
فضہ جو بلانے گئی تھی خیمے کے اندر — سمجھایا تھا مادر نے خفا ہو کے مکرر
کیا روح حسنؑ سے مجھے شرمندہ کرو گے
میں دودھ نہ بخشوں گی جو بے وقت مرو گے

اس بند کا چھٹا مصرع، ابتدائی ٹکڑا دیکھئے ''میں دودھ نہ بخشوں گی'' یہ مصرع پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں میر انیسؔ کا ہوں، یہ مثالیں میر انیسؔ کے عونؑ و محمدؑ کے حال کے مرثیوں میں موجود

ہیں۔

میں دودھ نہ بخشوں گی جو لڑنے میں کمی کی	(دوزخ سے جو آزاد......)
پیاسے مرجاؤ گے تب دودھ میں بخشوں گی تمہیں	(غل ہے اعدا میں.........)
گر قدم پیچھے ہٹا دودھ نہ بخشوں گی میں	(دشت جنگاہ میں..........)
میں دودھ نہ بخشوں گی جو پیاسے نہ مرو گے	(جب حر کو ملا..............)
جیتے جو رہے دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار	(جب زلف کو.............)

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند۳ کی بیت کا دوسرا ٹکڑا ہے ''جو بے وقت مرو گے'' اس ٹکڑے کی وضاحت میر انیسؔ نے اپنے دوسرے مرثیوں میں پیش کر دی ہے۔

جب وقت نکل جائے گا پھر ہاتھ ملیں گے	(دوزخ سے جو آزاد......)

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر۴:

اس بند میں تیسرا مصرع اور چھٹا مصرع توجہ طلب ہے...... جرار ہیں، پایا جو نہیں ''منصب جعفرؑ''

منصبِ جعفرؑ:

اس مصرع میں میر انیسؔ نے ''قضیہ علمداری'' کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس واقعہ کو میر انیسؔ اپنے دو مرثیوں میں تفصیل سے نظم کر چکے ہیں، ''جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے'' اور ''جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج''۔ دونوں مرثیوں کا آہنگ اور لحن جدا جدا ہے، ایک میں منصب علمداری المیہ ہے اور ایک میں طربیہ، یہ فرق اس لئے ہے کہ (جاتی ہے کس شکوہ......) یہ مرثیہ غدر ۱۸۵۷ء کے پہلے تصنیف ہوا ہے اور (جب قطع کی......) غدر کے بعد اس لئے یہاں یہی واقعہ طربیہ سے المیہ بن گیا ہے۔

غیر مطبوعہ مرثیے سے پہلے میر انیسؔ دو مرثیوں میں ''منصبِ جعفرؑ'' کا ذکر کر چکے ہیں، طے کر چکا جو منزل شب کاروان صبح'' اس مرثیے میں وہ کہتے ہیں......

منہ ماں کا دیکھنے لگے زینبؑ کے گلعذار	یعنی کہ ہم ہیں جعفرؑ و حیدرؑ کے ورثہ دار

حضرت زینبؑ بچوں کو جواب دیتی ہیں......

جعفرؑ کے ورثہ داروں میں تم لا کلام ہو　　　پر کیا شرف یہ کم ہے کہ شہؑ کے غلام ہو

(جب زلف کو کھولے......) اس مرثیے میں بھی، جناب زینبؑ کا یہی جواب ہے اور یہاں یہ ترکیب مکمل صورت میں ''منصب جعفرؑ'' کی موجود ہے......

مانا کہ پہنچتا ہے تمہیں ''منصبِ جعفرؑ''　　　آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھ کر

(جاتی ہے کس شکوہ سے......) اس مرثیے میں بھی بچوں کا یہ شکوہ موجود ہے......

کیا ورثہ دار جعفر طیار ہم نہ تھے　　　اس عہدہ جلیل کے حق دار ہم نہ تھے

ماں نے جواب دیا ہے......

انگشت رکھ کے دانتوں میں ماں نے کہا کہ ہا　　　اب اس کا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا ہو چکا

(جب قطع کی......) اس مرثیے میں بچوں نے منصبِ جعفرؑ کا ذکر اس طرح کیا ہے......

بے مثل تھے رسولؑ کے لشکر کے سب جواں　　　لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں

اور یہاں صورت حال المیہ ہے، ماں نے جواب دیا...... میں لٹ رہی ہوں اور تمہیں ''منصب کا ہے خیال۔

عونؑ و محمدؑ جب رن کو روانہ ہوتے ہیں تو ''منصب جعفرؑ'' کا خیال ان کے ذہن سے محو ہو چکا ہے ماں کی نصیحتوں اور وصیتوں کے بعد ان کو علمداری سے کوئی غرض نہیں رہی لیکن انیسؔ نے یہ گوشہ پیدا کیا کہ لشکر یزید نے یہ خبر سنی ہے کہ بچے شاید علمداری کے خواہش مند تھے، اگر اس منصب کا لالچ دیا جائے تو انہیں اپنے لشکر میں شامل کیا جا سکتا ہے، عمر سعد اور شمر اپنی جگہ پر یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ بچے ہمارے علم چھین لیں گے چھٹے مصرع میں کہتے ہیں......

اس فوج کا آتے ہی علم لیں گے وہ دونو

دشمن کا علم چھین لیں گے:

عونؑ و محمدؑ لشکر یزید سے علم چھین لیں گے، اس مضمون کو میر انیسؔ نے اپنے مرثیوں میں متعدد مرتبہ نظم کیا ہے، (دوزخ سے جو......) اس مرثیے میں

جد ان کا اٹھاتا تھا پیمبر کے علم کو یہ چھین کے لے جائیں گے لشکر کے علم کو

اس مرثیے میں دوبارہ یہ مضمون آیا ہے۔

پہنچے بھی یہ کاٹیں گے مروڑیں گے علم کو پنجہ جو بڑھایا تو نہ چھوڑیں گے علم کو

(جب زلف کو......) اس مرثیے میں یہ مصرع موجود ہے...... بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لئے ہیں۔

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۶ دیکھئے، اس بند کی بیت لاجواب ہے، میر انیسؔ کے عونؑ و محمدؑ کے حال کے مرثیوں میں اس معیار کی ایک بھی بیت نہیں ہے۔

اس طرح سے تولے ہوئے شمشیر کھڑے ہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ دو شیر کھڑے ہیں

(جاتی ہے کس شکوہ......) اس مرثیے کی ایک بیت انہیں قوافی کے ساتھ موجود ہے مگر یہ بلند آہنگی اس بیت میں نہیں ہے۔

جس غول پر وہ صاحب شمشیر آ پڑے ثابت ہوا کہ فوج پہ دو شیر آ پڑے

(جب حر کو ملا......) اس مرثیے میں ''دو شیر کھڑے ہیں'' کا ٹکڑا موجود ہے، لیکن یہ آہنگ یہاں بھی موجود نہیں ہے۔

چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ جرار بڑے ہیں دیکھو یہ کہ بپھرے ہوئے دو شیر کھڑے ہیں

اس مرثیے میں ایک اور بیت بھی ہے۔

حیدرؑ کی طرح صاحب شمشیر ہیں دونوں لڑکا انہیں سمجھے نہ کوئی، شیر ہیں دونوں

(دشت جنگاہ میں ......) اس مرثیے کی بیت بھی دیکھئے......

ان کا نانا ہے علیؑ صاحب شمشیر ہیں یہ ہاں خبردار کہ لڑکے نہیں دو شیر ہیں یہ

مندرجہ بالا بیتیں اگر فصیح ہیں تو غیر مطبوعہ مرثیے کی یہ بیت فصیح تر ہے، اس لئے یہ مرثیہ میر انیسؔ ہی کا ہے......

اس طرح سے تولے ہوئے شمشیر کھڑے ہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ دو شیر کھڑے ہیں

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۷ دیکھئے

مرثیے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسی بند کی بیت ہلکی یا کمزور نہیں ہے، ہر بند کی بیت بلند آہنگ، موسیقیت اور لحن سے بھرپور نہایت شاندار ہے، آپ میر انیسؔ کے دیگر مرثیوں میں انہیں مضامین، انہی مفاہیم، انہی لفظیات اور اُستعاروں کے محل صرف کے ساتھ موجود پائیں گے۔ اس بند کی بیت بھی لاجواب ہے......

بوٹا سے ہیں قد، چاند سے رخ، چھوٹے سے سن ہیں　　　راتیں ابھی آرام کی ہیں کھیل کے دن ہیں

اس بیت کا ایک ایک ٹکڑا الگ کر لیجئے، پھر انہی ٹکڑوں کو آسانی سے میر انیسؔ کے مرثیوں میں تلاش کر کے موازنہ کر لیجئے کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ کا ہے یا نہیں؟

بوٹا سے قد:

ایسا قد جو دیکھنے میں خوشنما معلوم ہو، میر انیسؔ ہمیشہ حضرت عونؑ و محمدؑ کے قد کے لئے یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں بوٹا چھوٹے قد کے سرو، شمشاد اور صنوبر کو بھی کہتے ہیں۔ میر انیسؔ کے مرثیوں سے یہ مثالیں دیکھئے......

بوٹا سا تو قد پھول سے منہ چاند سے رخسار　　　(کیا پیش خدا..............)

بوٹا سے ہیں قد بھی نہیں کچھ ایسے بڑے ہیں　　　(جب حرؑ کو ملا..............)

بوٹا سے اِن کے قد، پہ نمودار و نامدار　　　(جب قطع کی..............)

جیسے دونوں کے ہیں قد بوٹا سے چھوٹے چھوٹے

اسلحے بھی ہیں اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے

(غل ہے اعدا.........)

کھیل کے دن:

کیا خوبصورت مصرع ہے ''راتیں ابھی آرام کی ہیں کھیل کے دن ہیں'' اس مصرع میں صنعت طباق نے حسن پیدا کر دیا ہے، اس مضمون کے مصرع دوسرے مرثیوں میں بھی موجود ہیں۔

نو دس برس کے ہیں ابھی بچوں کے کیا ہیں سن — راتیں یہ غفلتوں کی ہیں اور کھیلنے کے دن

(جاتی ہے کس شکوہ......)

کھیل کے دن ہیں مگر جان پہ کھیلے ہیں یہ لال — (دشت جنگاہ......)

میں اس لئے کہتی ہوں کہ چھوٹے ابھی سن ہیں — یہ فصل لڑائی کی نہیں کھیل کے دن ہیں

(جب حر کو ملا......)

بند نمبر ۸

مصرع نمبر ۱ دیکھئے ''چھوٹے سے عماموں کی سروں پر ہے عجب شان'' میر انیسؔ نے اکثر مرثیوں میں حضرت عونؑ و محمدؑ کی کمسنی کو ظاہر کرنے کے لئے، چھوٹی سی تلواریں، چھوٹے سے نیمچے، چھوٹے سے خود، چھوٹے سے مغفر، چھوٹے سے سن، چھوٹے سے عمامے کے لفظ استعمال کئے ہیں دیکھئے یہ میر انیسؔ کی زبان ہے......

زینبؑ کے جگر بندوں کے وہ برق سے گھوڑے — چھوٹے سے عماموں کے سرے دوش پہ چھوڑے

تحت الحنک:

آٹھویں بند کا دوسرا مصرع ہے...... تحت الحنکیں باندھے ہیں مرنے کا ہے ساماں''

یہ عربی لفظ ہے، عمامے کے سروں کو تحت الحنک کہتے ہیں، اسی کو شملہ بھی کہتے ہیں، شملہ بھی عربی ہے جس کے معنی ہیں گلے میں لپٹنا، ''حنک'' عربی میں تھوڑی یا ٹھڈی کو کہتے ہیں۔ عمامے کے سرے کو تھوڑی کے نیچے سے گھما کر دوسرے شانے پر چھوڑ دیتے ہیں، اردو فارسی میں تحت الحنک کی جگہ زیادہ تر ''شملہ'' بولتے ہیں۔ عمامے کے شملے کبھی دونوں طرف لٹکتے ہیں، رسول اللہؐ کے لئے مشہور ہے کہ آپ عمامہ اسی طرح باندھتے تھے کہ اس کے دونوں سرے دونوں شانوں پر چھوڑ دیتے تھے۔ عاشور کے دن امام حسینؑ نے حضرت قاسمؑ کے سر پر عمامہ اسی طرح باندھا تھا جس طرح رسولؐ خدا عمامہ باندھتے تھے۔ عرب میں کبھی عمامہ اس طرح بھی باندھا جاتا تھا کہ صرف ایک سرا سیدھے ہاتھ کی طرف بطور شملہ لٹکا دیتے تھے۔ حضرت علیؑ زیادہ تر اسی طرح عمامہ

باندھتے تھے، آپ کی تصاویر میں بھی یہ بات نمایاں ہے، عاشور کے دن حضرت عون ومحمد اسی طرح عمامہ باندھے ہوئے تھے کہ عمامہ کا ایک سرا شملہ کی صورت دوسرے کاندھے پر پڑا تھا اسی کو عربی میں تحت الحنک کہتے ہیں، میرانیسؔ نے اسی بات کو یوں بھی کہا ہے......

''تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے'' (جب قطع کی......)

غیر مطبوعہ مرثیے میں میرانیسؔ نے شملہ کو تحت الحنک کہا ہے، بات ایک ہی ہے چاہے آپ شملہ کہیں یا تحت الحنک کہیں، میر عشق نے اپنے مشہور مرثیے میں جو زعفر جن کے حال کا ہے لفظ ''تحت الحنک'' کا استعمال کیا ہے......

بندھی تھی شاہ کے تحت الحنک گلے میں کفن دبا رہے تھے کھڑے بازوئے حسینؑ حسنؑ

تحت الحنک دراصل عرب میں جہاد کا سمبل بھی تھا۔ حضرت علیؑ میدان جنگ میں تحت الحنک باندھے رہتے تھے، اس سے مراد یہ بھی ہے گویا سر سے کفن باندھ کے نکلے ہیں، تحت الحنک کے معنی سر سے کفن باندھنا بھی ہے، میر عشق نے کیا خوب کہا ہے......

''بندھی تھی شاہ کے تحت الحنک گلے میں کفن''

میرانیسؔ کہتے ہیں......''تحت الحنکیں باندھے ہیں مرنے کا ہے ساماں''

تحت الحنک کے ساتھ کفن کا اور مرنے کا ذکر یہ بتلا رہا ہے کہ تحت الحنک باندھنا یہاں پر سر سے کفن باندھنے سے مراد ہے۔ اب اگر میرانیسؔ یہی لفظ لشکر یزید کے کسی سپاہی کے لیے استعمال کر دیں تو وہاں معنی کچھ اور ہوں گے، میرانیسؔ کو اپنے لفظوں کا محل استعمال بخوبی معلوم ہے، یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ تلوار اگر دشمن لئے ہوئے ہیں تو امام حسینؑ کے لشکر میں کوئی تلوار ہی نہ اٹھائے یا نیزہ اگر دشمن لے کے آیا ہے تو اب حضرت عباسؑ کے ہاتھ میں نیزہ ہی نظر نہ آئے، مشک وہاں بھی تھی، مشک یہاں بھی تھی، علم وہاں بھی تھا، علم یہاں بھی تھا، فوج یزید کے علموں کو بھی میرانیسؔ نے علم ہی کہا ہے اور حضرت عباسؑ کے علم کو بھی علم کہا ہے، لفظ کے محل صرف میں حق و باطل کے علموں میں میرانیسؔ نے فرق بتا دیا ہے۔ ''تحت الحنک'' کا لفظ جب دشمن کے لئے استعمال کیا تو وہ دہشت گردی اور ظلم کا سمبل بن گیا، اور جب اسی لفظ کو وقار عطا کر کے حضرت

عونؑ و محمدؑ کے سر سے کفن باندھنے کا استعارہ کر دیا تو معنی بدل گئے، بس یوں ہے جیسے قرآن میں ولی کا لفظ اللہ کے لیے، نبیؐ کے لیے اور علیؑ کے لیے ہے، لیکن اسی قرآن میں لفظ ولی شیطان کے لئے بھی آیا ہے۔

''تحت الحنک'' میر انیس اور میر عشق سے ہوتا ہوا جدید شاعری تک آیا ہے، نجم آفندی کہتے ہیں

وہ سامنے حسینؑ کے میدان کربلا — بر میں قبا تو سر پہ عمامہ رسولؐ کا
دل میں وہ کربلائے محبت بسی ہوئی — تحت الحنک بندھی ہوئی زلفیں کھلی ہوئی
انصار ادھر سلام کو باندھے ہوئے صفیں — در پر بلائیں لینے کو فضہ کھڑی ہوئی

پورا بند پڑھ کر دیکھئے، یہ میر انیس کا ہی بند ہے، بیت کی گونج کلام انیس کی صفائی و پاکیزگی کی دلیل ہے۔

چھوٹے سے عماموں کی سروں پر ہے عجب شاں — تحت الحنکیں باندھے ہیں مرنے کا ہے ساماں
ہیں گل سی قبائیں تو مہ نو سے گریباں — رخ زلفوں میں یا چاند ہیں بدلی میں نمایاں

دولھا سے بنے مرنے پہ آمادہ کھڑے ہیں
گو چھوٹی ہیں عمریں پہ ارادے تو بڑے ہیں

بیت میں میر انیس نے جو کچھ کہا ہے یہ بات وہ مختلف مرثیوں میں کہہ چکے ہیں، مثلاً......

ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل — (جب رن میں سربلند..)
چھوٹے چھوٹے تو ہیں قد اور ارادے ہیں بڑے — (دشت جنگاہ..........)
سن تو کم ہیں پہ شجاعت کے دھنی ہیں دونوں — (دشت جنگاہ..........)

ان مصرعوں سے بیت کا موازنہ کیجئے، بیت کا آہنگ، جلال اور تحرک خیزی کہتی ہے مجھے بار بار پڑھو.....

''دولھا سے بنے'' کی کیا تعریف ہو سکتی ہے، اسی بات کو میر انیس اس طرح بھی کہہ چکے ہیں

''آپ دولھا سا بنا کر انہیں بھجوایا ہے''

(دشت جنگاہ..........)

رنگوں کا استعمال:

غیر مطبوعہ مرثیے کا نواں بند دیکھیے......

قربان اسی حسن پہ حوروں کے پرے ہیں — ہے پیاس کی شدت جو لب سرخ ہرے ہیں
کوٹے ہوئے موتی ہیں کہ آنکھوں میں بھرے ہیں — رخ ہیں سبد نور پہ دو پھول دھرے ہیں
ڈھالیں تو ہیں کاندھوں پہ، زرہ جامہ ہیں بر میں
دو نیمچے چھوٹے سے لگائے ہیں کمر میں

دوسرے مصرع میں ''سرخ اور ہرے رنگ'' کی رعایت سے (Contrast) کیا ہے۔ ''سبز اور سرخ'' قریب آنے سے نمایاں ہوتے ہیں۔ میر انیسؔ کے علاوہ اردو کا کوئی دوسرا شاعر رنگوں کی مناسبت سے ناواقف ہے یہ میر انیسؔ کی رنگینی کلام ہے جو ایک ہی مصرع میں ''سرخ اور سبز'' دونوں ایک ساتھ نظم ہوتے ہیں مثلاً

ہوگا زمردی ترے اس لال کا بدن

چہرہ کسی کا غیرت گل کوئی سبز رنگ

عمامہ سر پہ سبز قبا سرخ زیب تن

لب سرخ دہن صاف بدن گول ہرا رنگ

چہرہ تھا سرخ سبز پھریرا کھلا ہوا

بے وجہ منہ نہ سرخ تھا اس جاں فروش کا — لخت جگر تھا وہ حسنؑ سبز پوش کا

''لب سرخ ہرے ہیں'' سرخ پر سبز رنگ چڑھنے سے رنگ اودا ہو جاتا ہے، گویا بچوں کے لب اودے ہو گئے تھے۔ میر انیسؔ نے اودے رنگ کا استعمال مختلف مقامات پر کیا ہے......

بے آبی سے اودے تھے لب لعل گہر بار

اودے ہیں لب لعل یہ ہے تشنہ دہانی

لب ان کے اودے اودے ہیں منہ گورے گورے ہیں

تیسرے مصرع پر تبصرہ گزشتہ صفحات پر ہو چکا، چوتھا مصرع دیکھئے "سبد نور پہ دو پھول دھرے ہیں" اس طرح کی تشبیہ میر انیسؔ کی خصوصیات شاعری میں بہت نمایاں ہے، یہ میر انیسؔ کے مصرع ہیں

دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے کچھ فرق نہیں ہے (جب زلف کو..........)

رخسار چار پھول کھلے ہیں گلاب کے (جاتی ہے کس شکوہ......)

رخسار تھے کھلے ہوئے دو ارغواں کے پھول

چھٹا مصرع دیکھئے......

دو نیمچے چھوٹے سے لگائے ہیں کمر میں

اور اب یہ مصرع دیکھئے......

چھوٹے سے نیمچوں کی صفائی غضب کی ہے (جاتی ہے کس شکوہ...)

رام بابو سکینہ نے "تاریخ ادب اردو" میں تحریر کیا ہے...... "میر انیسؔ کی معلومات بہت وسیع تھیں، الفاظ کی زیب و زینت اور محل استعمال میں ان کو خاص درک حاصل تھا، قدیم محاوروں کے صحیح استعمال کے علاوہ انہوں نے نئے نئے محاورے بھی ایجاد کئے"۔

غیر مطبوعہ مرثیے کے بند نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ دیکھئے......

حضرت عون و محمد جب میدان جنگ میں پہنچے ان کے رخ کے جلال و جمال کو دیکھ کر شام کا لشکر ان کی تعریف میں مصروف ہو جاتا ہے......

تعریف میں مصروف تھا سب شام کا لشکر

عمر ابن سعد جو سالارِ لشکرِ یزید ہے وہ فوج سے باہر نکل آتا ہے اور دونوں شہزادوں کی تعریف کرتا ہے......

یہ حسن خداداد بھی ہوتا ہے بہت کم

ہے چاند سے چہروں پہ عجب نور کا عالم

حیدر کے نواسے ہیں یہ ضیغم

چھوٹے قد موزوں ہیں بہت، سن ابھی کیا ہے

میر انیسؔ نے اس مضمون کا اشارہ ایک دوسرے مرثیے میں اس طرح کیا ہے، حضرت زینبؑ بچوں سے فرماتی ہیں......

تعریف کریں ڈر کے تو خور سند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات میں تم بند نہ ہونا

(زینبؑ نے سنی......)

حضرت زینبؑ کو پہلے سے علم ہے کہ شام اور کوفے کے لوگ لونڈیوں کی طرح چاپلوس اور خوشامدی ہیں، حضرت زینبؑ ان کی سازشوں سے واقف ہیں کہ اپنے باپ اور بھائی امام حسنؑ کا عہد دیکھ چکی ہیں، ...... "بند نمبر ۱۳ دیکھئے، مصرع نمبر ۴، عمر سعد کہتا ہے......

"جیتے ہی مناسب ہے جو ہو جائیں گرفتار"

گرفتاری کی باتیں:

غیر مطبوعہ مرثیے میں اچانک اس صورتحال سے الجھن پیدا نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ میر انیسؔ کا پڑھنے اور سننے والا میر انیسؔ کی جزئیات کو بھی ذہن میں رکھتا ہے، میر انیسؔ اکثر کسی روایت کو یا واقعہ کو کسی مرثیے میں تفصیل سے نظم کرتے ہیں اور کبھی اسی روایت یا واقعہ کو دوسرے مرثیے میں مختصر بیان کر دیتے ہیں، اور کبھی کبھی مختلف مرثیوں میں طویل واقعات کو سمیٹ کر صرف ایک مصرع میں کہہ دیتے ہیں، ایسی مثالیں آپ کو میر انیسؔ کے یہاں بہت زیادہ مل جائیں گی، اس موضوع پر بھی الگ سے ایک تحقیقی و تنقیدی مقالہ لکھا جا سکتا ہے، بات یہ بھی اہم ہے کہ میر انیسؔ کو یہ بھی اطمینان ہے کہ ہمارے سننے والے اپنے ذہن میں ہمارے جزئیات کو بھی محفوظ رکھتے ہیں، یعنی جو بات ہم دوسرے مرثیوں میں کہہ چکے ہیں وہ ان کو معلوم ہے، اسی تفصیل کو ہم ایک مصرع میں

کہیں گے تو سامعین اس بات کو سمجھ جائیں گے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے میر انیسؔ کا یہ مرثیہ دیکھئے

''دشت جنگاہ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے''

حضرت زینبؑ خیمے میں یہ فرما رہی ہیں......

کہاں دو طفل صغیر اور کہاں فوج کثیر

یہی دھڑکا ہے کہ ہوجائیں نہ اعدا میں اسیر

حضرت عون و محمد کے حال کا ایک مرثیہ ''غل ہے اعدا میں کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں''۔ اس مرثیے میں بھی حضرت زینبؑ اپنی تشویش کا اظہار فرماتی ہیں۔

فوج میں قید نہ حیدرؑ کے نواسے ہوجائیں

اب غیر مطبوعہ مرثیے کے بند نمبر ۱۳ کا مصرع نمبر ۴ دوبارہ پڑھئے......

جیتے ہی مناسب ہے جو ہوجائیں گرفتار

عمر سعد، شمر سے کہہ رہا ہے کہ ہم ان دونوں بچوں کو گرفتار کرلیں، عمر سعد کی اس سازش کا تذکرہ میر انیسؔ تفصیل سے اس مرثیے میں کر چکے ہیں ''دشت جنگاہ میں زینبؑ کے جو پیارے آئے''۔

عمر سعد کہتا ہے:-

ماورا جنگ کی سوجھی ہے مجھے یہ تدبیر — کرلو شیروں کی طرح ان کو کمندوں میں اسیر

ہاتھ آئیں تو پہنا کر انہیں طوق و زنجیر — یاں سے لے جائیں گے یوسفؑ کی طرح پیش امیر

خلعت و زر تمہیں سردار سے ہاتھ آئے گا

اور تڑپ کر پسر فاطمہؑ مر جائے گا

ہنس کے یہ فوج نے تب سعد کے بیٹے سے کہا — کس طرف دھیان ہے دونوں کو تو سمجھا ہے کیا

کہیں روباہوں نے شیروں کو بھی ہے قید کیا — کسی لشکر میں علیؑ قید ہوئے ہیں تو بتا

یہ بنی فاطمہؑ ہیں لڑتے ہیں مر جاتے ہیں

پسر شیر الٰہی کہیں ہاتھ آتے ہیں

عمر سعد بچوں کو گرفتار کرنا چاہتا ہے، لشکرِ یزید جواب دیتا ہے یہ بنی فاطمہؑ ہیں مر جاتے ہیں،

فرزندان علیؑ میدان جنگ میں گرفتار نہیں کئے جاسکتے، تو نے سنا کبھی علیؑ بھی کسی جنگ میں گرفتار کئے گئے تھے؟؟ ہاں یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت امام حسنؑ جب مدائن میں جنگ کرنے آئے تھے، حاکم شام نے سازش تیار کی تھی کہ امام حسنؑ کو میدان جنگ میں گرفتار کرلیا جائے، حاکم شام نے امام حسنؑ کے لشکر کے سرداروں کو رشوتیں دی تھیں کہ امام حسنؑ کو گرفتار کر کے دمشق پہنچا دیا جائے لیکن امام حسنؑ کی بصیرت وعلم امامت نے اس سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا، دشمن اس طرح کی سازشوں کا عادی تھا۔ میر انیسؔ جانتے ہیں کہ لشکر یزید انہیں سازشوں کے زیر سایہ پرورش پا چکا ہے، اسی طرح کی سازشیں یہاں بھی ہو رہی تھیں، یزید نے ابن زیاد کو لکھا تھا کہ حسینؑ کو گرفتار کر کے دمشق بھیج دو حرؑ کا رسالہ اسی لئے تعاقب میں تھا۔ حضرت مسلمؑ کے بچے کوفے میں گرفتار ہو چکے ہیں، حضرت عون ومحمد بھی معصوم بچے ہیں، عمر سعد انہیں گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ شمر جواب دیتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ ان دونوں کی عمریں ہیں ابھی کم، بچے اسد حق کے ہیں یہ فخر دو عالم، آتے ہیں کہیں بازی روباہ میں ضیغم،

اک دم میں صفیں فوج کی توڑیں گے یہ دونو — مرنے پہ بھی تیغوں کو نہ چھوڑیں گے یہ دونو

چودھویں بند کی بیت کا چھٹا مصرع میر انیسؔ کے مزاج کو واضح کرتا ہے، اس بات کو میر انیسؔ کئی مرثیوں میں مختلف اسلوب سے نظم کر چکے ہیں......

ہاتھوں سے نیمچوں کو چھڑایا حسینؑ نے — (جاتی ہے کس شکوہ......)

نیمچے چھوٹے سے ہاتھوں سے نہیں چھوٹے ہیں — (غل ہے اعدا میں......)

"مرنے پہ بھی تیغوں کو نہ چھوڑیں گے یہ دونو" یہ مصرع گواہی دے رہا ہے کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ ہی کا ہے شمر کو یقین ہے کہ یہ لڑتے لڑتے مرجائیں گے لیکن ہماری سازشوں کے تحت گرفتار نہیں ہوسکتے،

بند نمبر ۱۵ مصرع نمبر ۲

شمر کہتا ہے، "دو دن کے گرسنہ ہیں مگر شیر ژیاں ہیں" میر انیسؔ یہ مضمون پہلے بھی نظم کر چکے

ہیں، حضرت زینبؑ فرماتی ہیں ''بچے مرے کم زور ہیں فاقوں کے محن سے'' (جب حر کو ملا......)
شمر کہتا ہے ''اولادِ علیؑ ہیں یہ نہ چھوڑیں گے وفا کو'' یہ مضمون پہلے بھی کہہ چکے ہیں...... ''وہ چاند سے بیٹے کہ وفا کا ہے گھر ان میں'' (جب حر کو ملا)

ایک عام شاعر اپنی کہی ہوئی باتوں کو اتنی آسانی سے اور اہتمام کے ساتھ نہیں دہرا سکتا، میر انیسؔ کو یہ یاد رہتا ہے کہ ہم اس سے پہلے اسی مضمون کو کس طرح کہہ چکے ہیں، وہ کسی جگہ تضاد فکر پیدا نہیں ہونے دیتے۔

بند نمبر ۱۶ غیر مطبوعہ مرثیے کا اہم ترین بند ہے، شمر عمر سعد سے کہتا ہے تیرے کہنے سے میں بچوں کے پاس جاتا ہوں تا کہ انہیں علمداری کی لالچ دے کر حسینؑ کے خلاف کر دوں، لیکن اسے کامیابی کا یقین نہیں ہے......

جاتا تو ہوں کہنے سے ترے آپ میں لیکن		کہنے سے چلے آئیں یہاں وہ نہیں ممکن
گو پیاس کی تکلیف میں گزرے ہیں کئی دن		لیکن نہ جواں ایسے کہیں اور نہ کم سن
ماموں سے یقیں ہے کہ نہ مُنہ موڑیں گے دونو
شبیر کا دامن نہ کبھی چھوڑیں گے دونو

میر انیسؔ نے اسی خدشے کے پیش نظر اپنے سامعین کے ذہنوں میں یہ بات پہلے سے جاگزیں کر دی ہے کہ ایسا ہونے والا ہے، روایت کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ کی ضرورت نہیں ہے، مرثیہ ہے ''زینبؑ نے سنی جب یہ خبر شاہ امم سے''۔ اسی مرثیہ میں یہ بات حضرت زینبؑ بچوں سے وقت رخصت فرماتی ہیں

پیاسے ہو بہت تم کو جو سمجھائیں ستمگر		پانی تمہیں دیں شمر سے مل جاؤ جو آکر
دیجو یہ جواب ان کو کہ اے قوم بداختر		اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر
سر کٹ کے تنوں سے قدم شہ پہ گریں گے
پانی کے لئے قبلۂ عالم سے پھریں گے

پانی کا لالچ ہو یا علمداری کا لالچ، عمر سعد اور شمر کا مقصد یہ ہے کہ امام حسینؑ کے چند

جانثاروں کو اپنی طرف ملا لیا جائے،

میر انیس نے مشکل سے تین یا چار بندوں میں اس روایت کو نظم کر دیا ہے، مرثیہ اپنی روانی میں بڑھتا جا رہا ہے پڑھنے والے کو اس روایت پر حیرت نہیں ہوتی کہ یہ روایت کہاں سے آگئی یہ روایت میر انیس کئی مقامات پر حضرت عباسؑ کے لیے نظم کر چکے ہیں مرثیہ دیکھئے،...... (عباس علیؑ قبلہ ارباب وفا ہے)۔ شمر نے حضرت عباسؑ کو یہ پیشکش کی ہے کہ آپ ہمارے لشکر کی علمداری قبول کیجئے، حضرت عباسؑ شمر کو منہ توڑ جواب دیتے ہیں......

میں عاشق شبیرؑ ہوں میں اہل وفا ہوں

سر تن سے جدا ہو پہ نہ بھائی سے جدا ہوں

یہ خبر خیموں تک پہنچ جاتی ہے، زوجہ عباسؑ کو تشویش ہے کہ میرے شوہر کو شمر نے جاگیر و علمداری کا لالچ دیا ہے، انہیں یہ بھی تشویش ہے......

ہے دیر سے اک شور بپا لشکر کیں میں

وارث مرا کیا قید ہوا لشکر کیں میں

جب حضرت عباسؑ لشکر یزید پر حملہ کر دیتے ہیں، زوجہ عباسؑ کی پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔

اب مٹ گئے دھڑکے کہ وغا کرتے ہیں عباسؑ

جو حق ہے غلامی کا ادا کرتے ہیں عباسؑ

مرثیہ نگاروں نے اس روایت کو نظم کیا ہے، مرزا دبیر نے بہت تفصیل سے لیکن میر انیس نے بہت مختصر بندوں میں نظم کر دیا ہے، اسی روایت سے فائدہ اٹھا کر میر انیس نے حضرت عونؑ و محمدؑ کے لیے بھی یہ روایت نظم کی ہے، حضرت عباسؑ اور شمر کی تکرار کو بالکل نئے انداز سے میر انیس نے ایک دوسرے مرثیے میں بھی نظم کیا ہے، مرثیہ دیکھئے......

''جس دم شرف اندوز شہادت ہوئے عباسؑ''

حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد حضرت علی اکبرؑ کو رخصت کرتے وقت امام حسینؑ حضرت عباسؑ کی تعریف فرماتے ہیں......

کس غصے سے کہتے تھے کہ او ظالم بے پیر کیا کیا نہ مرے امر میں کی شمر سے تقریر
کیا مال ہے سالاری و سرداری و جاگیر سو بیٹے نثار قدم حضرت شبیرؑ
سالک نے بھی چھوڑا ہے کہیں راہ خدا کو
قبلے سے پھراتا ہے رخ قبلہ نما کو

میر انیسؔ نے حضرت علی اکبرؑ کے لیے بھی اس روایت کو نظم کیا ہے، یہی مرثیہ ہے، دیکھئے۔

مشہور ہے تم لوگوں کی اعجاز بیانی سن کر یہ سخن کہنے لگے ظلم کے بانی
تم پی لو، پہ ہم دیں گے نہ شبیرؑ کو پانی بابا کے لئے کھوتے ہو کیوں اپنی جوانی
پانی نہ تمہیں دیں تو بڑی بے ادبی ہے
آتا ہے ہمیں رحم کہ ہم شکل نبیؐ ہو

فوجِ یزید کے چند سرداروں نے حضرت علی اکبرؑ سے بھی یہ پیشکش کی ہے کہ تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے تم پانی پی لو اور ہمارے ساتھ آکر مل جاؤ......،

میر انیسؔ نے ان روایتوں کو کیوں نظم کیا؟ یہ ایک تفصیلی مقالے کا موضوع ہے، مختصر یہ کہ حاکم شام امام حسنؑ کے لشکر کے بڑے سرداروں کو رشوتیں دے کر بغاوت پر آمادہ کر دیتا ہے، امام حسنؑ کا لشکر ٹوٹ جاتا ہے، بڑے قبیلوں کے سردار امام حسنؑ کو چھوڑ کر دشمن کے پاس جاگیروں کی لالچ میں چلے گئے، اس تاریخی حقیقت کو اگر آپ ذہن میں رکھئے تو دس برس کے بعد واقعہ کربلا ہوا ہے، لشکر یزید وہی لشکر ہے جو حاکم شام کی سازشوں کا تعلیم یافتہ ہے، رشوتیں دینا، لوگوں کو توڑنا، یہ جنگی سیاستیں بدلی نہیں ہیں، ان کے عادات واطوار کوفی و شامی ہیں، عمر سعد اور شمر ایسی سازشیں تیار کئے بیٹھے تھے کہ امام حسینؑ کے بہادروں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا جائے تا کہ امام حسینؑ کے لشکر کی قوت گھٹ جائے، لیکن یہاں تو دنیا ہی بدلی ہوئی تھی امام حسینؑ کو ایسے جانباز ملے تھے جو کسی نبی اور ولی کو نہیں ملے، امام حسینؑ نے یہ بھی بتا دیا کہ ہمارا کوئی سپاہی لشکر یزید کی طرف نہیں جائے گا، ہاں لشکر یزید سے حر جیسا بہادر ہی ہماری طرف آجائے گا۔ یہی تاریخ کربلا کی عظمت ہے، میر انیسؔ نے ایسی روایتوں کو نظم کر کے امام حسینؑ کے لشکر کی وفاداریوں کو نمایاں کر دیا ہے، اس

پس منظر میں غیر مطبوعہ مرثیے کے بند نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳
پڑھتے چلے جایئے بند نمبر ۲۰ کی بیت میں حضرت عونؑ و محمدؑ نے جو جواب شمر کو دیا ہے......

دشمن ہے یہ سب مکر ترے جانتے ہیں ہم
او ثانی شیطاں تجھے پہچانتے ہیں ہم

بچوں کے اس جواب سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ میر انیسؔ نے پچھلے تمام بند اس جواب کے لیے ہی تصنیف کئے تھے۔ رہی بند نمبر ۲۱ کے قافیوں کی بات تو میر انیسؔ نے اس طرح کے قافیوں پر پابندی نہیں لگائی، والا، بطحا، کیا، عہدا، اس طرح کے قافیے میر انیسؔ کے مرثیوں میں موجود ہیں ''شبیرؑ کے بازو'' یہ ٹکڑا بھی میر انیسؔ کے مرثیوں میں موجود ہے، وہ حضرت عباسؑ کو ''شبیرؑ کا بازو'' ہی کہتے ہیں۔

بند نمبر ۲۴ دیکھئے، غیر مطبوعہ مرثیے کا یہ بند بہت ہی خوب ہے، اس بند کا ایک ایک لفظ پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ میں میر انیسؔ کی تخلیق و تصنیف ہوں......

حاجی کبھی کعبے سے گئے ہیں طرف دیر — کرتے ہیں بہشتی کبھی دوزخ کی بھلا سیر
جو شاہ کے فرزند ہیں سمجھا ہے انہیں غیر — ترغیب ہمیں دیتا ہے تو شر کی طرف، خیر
بلبل سے چمن، شمع سے پروانہ جدا ہو
اپنا جو ہو وہ صورت بیگانہ جدا ہو

لفظ ''حاجی'' میر انیسؔ کا پسندیدہ لفظ ہے:

اس بند کا پہلا مصرع ''حاجی کبھی کعبے سے گئے ہیں طرف دیر'' اس مضمون کو میر انیسؔ نے اپنے ایک مطبوعہ مرثیے میں اس طرح نظم کیا ہے......

''کعبے کو کوئی چھوڑ کے جاتا ہے سوئے دیر'' ...... (جس دم شرف اندوز......) یہ جواب حضرت عباسؑ کی زبان سے ادا ہوا ہے، غیر مطبوعہ مرثیے میں یہی مضمون حضرت عونؑ و محمدؑ کی زبان سے ادا ہوا ہے، اب بند کا دوسرا مصرع دیکھئے...... ''کرتے ہیں بہشتی کبھی دوزخ کی بھلا سیر'' یہ مضمون بھی میر انیسؔ نے اسی مرثیے میں اس طرح کہا۔ ''دوزخ میں جلے کوئی کہ جنت کی

کرے سیر" (جس دم شرف اندوز) بند کا پانچواں مصرع

بلبل سے چمن شمع سے پروانہ جدا ہو

"بلبل اور چمن" میر انیسؔ کا پسندیدہ موضوع ہے، اس موضوع کو میر انیسؔ نے اسی مرثیے میں اس طرح ادا کیا ہے......

بلبل کو کبھی گل کی جدائی ہے گوارا (جس دم شرف اندوز...)

اس محبت کو جو خاندان ختمی مرتبتؐ کو حضرت امام حسینؑ سے ہے اس کو میر انیسؔ بلبل اور چمن سے تشبیہ دیتے ہیں، اور کبھی کبھی "شمع اور پروانہ" سے بھی استعارہ کرتے ہیں "شمع سے پروانہ جدا ہو" اس مضمون کو میر انیسؔ نے اسی مرثیے میں اس طرح ادا کیا ہے......

"اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو" (جدم شرف اندوز.......)

یہی مضمون میر انیسؔ کے ایک اور مشہور مرثیے میں بھی موجود ہے......

پروانے ہیں شمع حرم لم یزلی پر (جب حر کو ملا............)

غیر مطبوعہ مرثیے کی یہ بیت میر انیسؔ کی تو ہے پڑھ کر دیکھئے......

بلبل سے چمن شمع سے پروانہ جدا ہو اپنا جو ہو وہ صورت بیگانہ جدا ہو

علی احمد دانشؔ کے نسخے میں اس بیت کی جگہ مندرجہ ذیل بیت ہے......

پتوں نے جو دل پھول کا توڑا ہو تو کہہ دے رضواں نے کبھی خلد کو چھوڑا ہو تو کہہ دے

چاروں مصرعوں کے بعد یہ بیت کم وزن ہوگئی ہے، میر انیسؔ نے بیت تبدیل کی ہے اور وہ بیت ہمارے نسخے میں موجود ہے جو بند کے لیے مناسب بھی ہے...... تیسرے مصرع میں لفظ "خیر" توجہ طلب ہے...... "ترغیب ہمیں دیتا ہے تو شر کی طرف، خیر"

خیر، امتحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور جانے دو، جاہلوں سے یہ تکرار کیا ضرور

(جب کربلا میں داخلہ...)

میر انیسؔ نے خیر کو متعدد معنوں میں صرف کیا ہے، کئی مقامات پر انہوں نے لفظ خیر کو دھمکی اور ظالم کو اس کا انجام بتانے کے لیے بھی اس لفظ کو استعمال کیا ہے، اور اس معنی میں یہ لفظ فصیح اور

رائج ہے، ایک اور مثال، حضرت زینبؑ یزید کو اس کا انجام بتا رہی ہیں......

مار کر سبط پیمبرؐ کو ، یہ نخوت یہ غرور　　　خیر ، ہم دور ، نہ تو دور ، نہ محشر ہے دور

غیر مطبوعہ مرثیے میں بھی یہ لفظ ظالم کے انجام کی خبر دے رہا ہے۔

اس بند میں لفظ ''حاجی'' بھی بحث طلب ہے۔ اس بند میں یہ لفظ بہت نمایاں ہے، یہ لفظ میر انیسؔ کی لغت کا خاص لفظ ہے اور اردو ہے، فصیح رائج ہے، اور ایک جگہ نہیں بلکہ میر انیسؔ کے مطبوعہ مرثیوں میں آٹھ یا نو جگہ یہ لفظ خوبصورتی کے ساتھ موجود ہے۔ ....

....

....

....

میر انیسؔ کا مرثیہ دیکھئے ''کعبے سے کیا جبکہ سفر قبلہ دیں نے'' اس مرثیے میں امام حسینؑ حج کو عمرہ سے تبدیلی کر کے خانہ کعبہ سے رخصت ہوتے وقت اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ میں حج ادا نہیں کر سکا، جواب میں ندائے غیب آتی ہے کہ حج سے افضل شہادت ہے، تم میرے مجاہد ہو جاؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

حاجی سے مجاہد کا کہیں رتبہ ہے بہتر

ظاہر ہے حج کرنے والے کو ''حاجی'' اور جہاد کرنے والے کو ''مجاہد'' کہا جائے گا، یہاں میر انیسؔ ''حاجی'' لفظ کی جگہ دوسرا کون سا لفظ اختیار کرتے۔ دیگر مثالیں بھی دیکھ لیجئے......

سب حج کے مراتب ہیں زیارت میں ہماری　　　حاجی ہیں جو ہیں محو محبت میں ہماری

(جب شاہ کو مہلت......)

حاجی کو بے وطن کو مسافر کو چھوڑ دے　　　مجھ کو تو ذبح کر مرے سرورؑ کو چھوڑ دے

(دشت وغا میں..........)

روضے کا محمدؐ کے مجاور مجھے سمجھو　　　حاجی ہوں میں کعبے کا مسافر مجھے سمجھو

(جب آمد سردار دو عالم..)

حاجی ہے مسافر ہے گرفتار بلا ہے یہ ظلم محمدؐ کے نواسے پہ روا ہے ؟

(جب جنگ کومیداں میں)

حاجی مرے ہونے میں تامل ہے تمہیں گر شبیرؑ مسلماں تو ہے اے قوم ستم گر

(جب قطع ہوئے تحل...)

حضرت امام حسینؑ نے ۲۵ حج پا پیادہ کئے تھے، آپ سے بڑھ کر حاجی کون ہوسکتا تھا میر انیسؔ نے اس لفظ سے خانہ کعبہ کی عظمت کو ظاہر کیا ہے۔

"حاجی کبھی کعبے سے گئے ہیں طرف دیر"

میر انیسؔ کے اشعار وہ شفاف شیشے ہیں جن سے ان کے پاکیزہ خیالات کی شراب طہور جھلکتی ہے۔

لفظوں میں یوں ہے معنی روشن کی آب وتاب جس طرح عکس آئینہ میں جام میں گلاب

مضمون میں تناسب الفاظ لاجواب تصریح بھی فصیح کنایہ بھی انتخاب

ابلاغ کا حق جس طرح میر انیسؔ کے کلام نے ادا کیا ہے اردو کے کسی دوسرے شاعر کے کلام نے نہیں کیا۔ دقیق سے دقیق نکتہ میر انیسؔ اس سہولت سے نظم کر جاتے ہیں کہ سننے والوں کو اس کے دقیق ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا۔

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۲۵ دیکھئے چوتھا مصرع ہے......

"بھاگے کا تعاقب یہ شجاعوں کا نہیں کام"

بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرنا:

اس مصرع میں کہا گیا ہے، بھاگنے والے کا تعاقب نہیں کرنا چاہئے، میدان جنگ سے جو فرار اختیار کرتے ہیں ان کا پیچھا بہادر لوگ نہیں کرتے۔

حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں اعلان کیا تھا۔

"آج بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے"

اس عربی مقولے کو میر انیسؔ نے اردو محاورہ بنا دیا "بھاگے کا تعاقب نہ کرنا" یہ محاورہ اردو زبان کے کسی لغت یا فرہنگ میں موجود نہیں ہے بھاگتا، بھاگتے اور بھاگے یا بھاگ کے بہت کم

محاورے لغات میں ملتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ میر انیسؔ نے جو ہزاروں محاورے استعمال کئے ہیں وہ کسی اردو لغت میں نہیں ملتے ہیں، جتنے بھی لغت نویس اور فرہنگ نگار قدیم و جدید ہیں انہوں نے میر انیسؔ کے مرثیے نہیں پڑھے، اس کی تازہ مثال اردو بورڈ کراچی کا لغت ہے جس میں ڈائجسٹوں کی سندیں محاوروں اور لفظیات پر ملتی ہیں لیکن میر انیسؔ کے محاورے اس لغت میں نہیں ہیں، میں نے اردو بورڈ کراچی کا یہ لغت خرید لیا تھا جب اس میں میر انیسؔ کے محاورے لفظ، تراکیب، روز مرہ نہیں ملے میں نے تمام جلدیں واپس کر کے اپنی رقم وصول کر لی، مجھے یہ لغت بالکل پسند نہیں آیا، ''مہذب اللغات'' سے اچھا لغت اب تک تالیف نہیں ہوا۔

مجھے حیرت ہوئی جب میں نے فرمان فتحپوری صاحب کا یہ بیان رثائی ادب کے میر انیسؔ نمبر میں پڑھا۔ وہ لکھتے ہیں......

> ''کلام انیسؔ کی ایک فرہنگ ''لغات الانیس'' یا ''فرہنگ انیسؔ'' کے عنوان سے مرتب کی جائے۔ نائب نقوی صاحب نے اس کام کو کیا ہے۔ لیکن یہ قابل اعتبار نہیں۔ اس اہم کام کو احتیاط کے ساتھ کیا جائے اس میں انیسؔ کے مصدقہ کلام جملہ مفرد و مرکب الفاظ بشمول محاورات و ضرب الامثال جگہ دی جائے اور حسبِ ضرورت کلامِ انیسؔ سے اشعار بھی درج کئے جائیں۔ اس کے بعد ہی صحیح اندازہ ہو سکے گا کہ انیسؔ نے اردو زبان اور اردو شاعری کو کیا کچھ دیا ہے اور وہ فی الحقیقت کس درجے کے شاعر ہیں''۔

فرمان فتحپوری صاحب جب اردو بورڈ میں کام کر رہے تھے اس وقت لفظوں اور محاوروں کی سند کے لیے انہیں میر انیسؔ کیوں یاد نہیں آئے اور انہوں نے میر انیسؔ کے محاوروں، مفرد، مرکب الفاظ، ضرب الامثال کو اردو بورڈ کے لغت میں کیوں جگہ نہیں دی، یہ ضخیم لغت بغیر میر انیسؔ کے کیسے کامل کہا جا سکتا ہے۔ اس ناقص لغت کا فائدہ کیا ہوا۔ اس کی چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کا یہ جملہ خطبہ جمل میں موجود ہے کہ ''آج میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے''، دیکھئے میر انیسؔ کی نظر کہاں تک ہے، حضرت علیؑ کے اس قول کو

میر انیس نے اردو محاورہ بنا دیا، اب یہ مصرع پڑھئے آپ کو لطف آئے گا......

''بھاگے کا تعاقب یہ شجاعوں کا نہیں کام''

میر انیس کی بیشتر ترکیبوں کی ندرت، علامات کی جدت، ان کے لطیف استعارے، متنوع تشبیہات، روزمرہ کی پاکیزگی، محاوروں کی دل آویزی اور ان کے طنزیات رمزیات ان کے مرثیوں کی امتیازی خصوصیات ہیں، ان کے بغیر اردو زبان کا ہر لغت ناقص ہے۔

یہی گو ہے یہی میدان:

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۲۷ دیکھئے...... حضرت زینبؑ فرماتی ہیں......

خود بہکا ہے بہکاتا ہے بچوں کو جو نادان — رہبر کے غلاموں کا بہکنا نہیں آسان

کھل جائے گا دم میں یہی گو ہے یہی میدان — کمسن ہیں ابھی دونوں یہ ہوئیگا اسے دھیان

گو کہنے کو بچے ہیں پہ ہمت میں جواں ہیں

وہ نام خدا عقل میں یکتائے جہاں ہیں

(جاتی ہے کس شکوہ سے......) اس مرثیے کا ایک بند حضرت زینبؑ کی زبانی سنئے اور دونوں بندوں کا آہنگ ملاحظہ کیجئے......

نو دس برس کے ہیں ابھی دونوں کا کیا ہے سن — راتیں یہ غفلتوں کی ہیں یہ کھیلنے کے دن

یہ تو وہ معرکہ ہے کہ ہیں مضطرب مسن — لیکن کنیز ان کی طرف سے ہے مطمئن

گھوڑا اڑا اڑا کے جو فوجوں پہ جائیں گے

اتنا میں جانتی ہوں کہ جیتے نہ آئیں گے

اسی مرثیے کی یہ بیت بھی اسی آہنگ واسلوب کو واضح کرتی ہے۔

کیجئے نظر سنوں پہ تو بے شک صغیر ہیں

ہمت میں نوجواں ہیں متانت میں پیر ہیں

''بے شک صغیر ہیں'' کا موازنہ ''کہنے کو بچے ہیں'' اور ''ہمت میں نوجواں ہیں'' کا موازنہ ''ہمت میں جواں ہیں'' سے کیجئے، دونوں مرثیے ایک ہی شاعر کے اور ایک ہی عہد کے معلوم ہوتے ہیں۔

اس بند کا یہ مصرع بھی توجہ طلب ہے

''کھل جائے گا دم میں یہی گو ہے یہی میدان''

''یہی گو ہے یہی میدان'' کے معنی ہیں اس وقت امتحان ہو جائے گا، ابھی سہی، یہ فقرہ سب سے زیادہ میر انیسؔ نے استعمال کیا ہے۔ یہ ایک اور ثبوت ہے کہ یہ مرثیہ میر انیسؔ کا ہے۔ مختلف مرثیوں سے مثالیں دیکھیے۔

نام کا دن ہے ''یہی گو ہے یہی میداں'' (رن میں جس دم حر.....)

دعویٰ ہے تو آئیں ''یہی میداں یہی گو ہے'' (جب حر کو ملا............)

قاسمؑ نے کہا آ ''یہی گو ہے یہی میداں'' (جب حضرت زینبؑ...)

مطلب بر آنا:

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۲۸ دیکھیے، چوتھے مصرع کی شان یہ بتاتی ہے کہ یہ میر انیسؔ کی زبان ہے..... ''بر آتا ہے اب فضل خدا سے مرا مطلب''

''مطلب بر آنا'' فصیح محاورہ ہے جسے میر انیسؔ نے متعدد مرثیوں میں استعمال کیا ہے مثلاً

طالب تھی میں جس کی وہ بر آیا مرا مطلب (دوزخ سے جو آزاد.....)

فرمایا کہ صد شکر بر آیا مرا مطلب (جب حر کو ملا..........)

اب کچھ نہیں وسواس بر آیا مرا مطلب (جب حر کو ملا............)

امید بر آئی ، مرا حاصل ہوا مطلب (اس مصرع میں میر انیسؔ نے ''مطلب بر آنا'' کے معنی بتائے ہیں ''امید بر آنا'')۔

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۲۹ نسخہ صمد حسین میں یہ ہے.....

ماموں کی محبت کو بھلا دیں گے وہ سچ ہے
یوں گو ہر عزت کو گنوا دیں گے وہ سچ ہے
دکھتا ہوا دل ماں کا دکھا دیں گے وہ سچ ہے
اک عمر کی دولت کو مٹا دیں گے وہ سچ ہے

ہمارے نسخہ غیر مطبوعہ میں بند نمبر ۲۹ یہ ہے.....

میری تو خوشی ہے کہ گلے دونوں کٹائیں
مر جائیں سلامت نہ مرے گھر میں اب آئیں

اکبرؑ کے اور اصغرؑ کے عوض خوں میں نہائیں　　سب بھائی بھتیجوں کی مرے رد ہوں بلائیں
اس عالم فانی میں کوئی مر کے جیا ہے
کیا کہتی ہو، دونوں نے مرا دودھ پیا ہے

لاجواب بند ہے، عیب نکالنا چاہیں تو عیب تو نکل آئے گا، بند کی خوبصورتی پر حرف نہیں آسکتا، تنقید نگاروں نے میر انیسؔ کے محاسن کے ساتھ ان کی شاعری کے معائب کا ذکر بھی کیا ہے، مگر ان خامیوں کے اظہار سے ان کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا، ان کے محاسن کی زیادتی ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرتی ہے، ان کے کلام میں جو حسن واثر ہے اس سے صرف دل لطف اندوز ہوسکتا ہے، زبان اس کے بیان سے قاصر ہے، حالیؔ کی رائے بالکل صحیح ہے......

"میر انیسؔ اردو شعرا میں سب سے برتر ہیں"

گھوڑوں کی تعریف:

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۳۲ گھوڑوں کی تعریف میں ہے، یہ بند اپنی بہترین بندش میں میر انیسؔ کے علاوہ کس کا ہوسکتا ہے؟

آہو کی طرح برچھوں ہی پھراتے تھے گھوڑے　　سرعت میں رواروی میں جو گرماتے تھے گھوڑے
اسواروں کی شان اپنی جو دکھلاتے تھے گھوڑے　　ان سب کے الف ہو کے الٹ جاتے تھے گھوڑے
جنگل میں غزالوں کے طرارے نظر آئے
دو کوہ کے دامن میں چکارے نظر آئے

میر انیسؔ کے تین بند مختلف مطبوعہ مرثیوں سے اسی آہنگ کے دیکھیے، پھر فیصلہ کیجیے یہ غیر مطبوعہ مرثیہ کس شاعر کا ہے......؟

بے آب تھے دو دن سے پہ جاں دار تھے گھوڑے　　ہر مرتبہ اڑ جانے پہ تیار تھے گھوڑے
اس پار کبھی تھے کبھی اس پار تھے گھوڑے　　نقطہ تھے وہ سب فوج کے پرکار تھے گھوڑے
دس بیس جو مرجاتے تھے ٹاپوں سے کچل کے
بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی احاطے سے اجل کے

(جب زلف کو کھولے........)

پھر کمانداروں پہ شیروں نے اٹھائے گھوڑے   قدر اندازوں میں جوں تیر در آئے گھوڑے
سب نے رخ پھیر کے میداں سے بڑھائے گھوڑے   پیچھے بدکیشوں کے دونوں نے اٹھائے گھوڑے

سہم کر چھپ گئے تھے گوشوں میں سرکش کتنے
گر گئے رن میں خطا کاروں کے ترکش کتنے

(غل ہے اعدا میں..............)

کہہ کے یہ دونوں دلیروں نے دبائے گھوڑے   بن گئے اڑ کے پری زادوں کے سائے گھوڑے
منہ سے ہاں کہنے کی بھی تاب نہ لائے گھوڑے   قلب لشکر میں صفیں پھاند کے آئے گھوڑے

گر گئے خود ہی جفا کار یہ جھجکے ڈر سے
مل گئے نعل کی کیلوں کے ستارے سر سے

(رن میں جس دم حر.............)

غیر مطبوعہ مرثیے میں ایک محاورہ ''پھر آنا'' آیا ہے، یہ میر انیسؔ کا محاورہ ہے یعنی جست کرنا،
''پھر آ گیا برچھوں ہی وہ گھوڑا دو رکابا''

الف ہونا (چراغ پا ہونا)

گھوڑوں نے الف ہو کے سواروں کو گرایا   (شیریں سخنی ختم تھی......)

سرعت (پھرتی و تیزی......)

سرعت میں اس سے طیر کو نسبت نہ تیر کو   (یارب جہاں میں بھائی)

روارو (تیز دوڑنا......)

''وہ ان کے اشہبوں کی روارو ادھر اُدھر''

طرارے (فراٹے بھرنا......)

''جاتا ہے کیوں فلک پہ طرارے کئے ہوئے''

چکارے (ہرن کی طرح تیز رو گھوڑے)

جب اڑ کے گیا بھر کے طرارا نکل آیا
تلواروں کے جنگل سے چکارا نکل آیا

دیکھا آپ نے یہ سارے محاورے میر انیسؔ کے ہیں، طرارے اور چکارے کی بیت پھر پڑھیے۔

جنگل میں غزالوں کے طرارے نظر آئے
دو کوہ کے دامن میں چکارے نظر آئے

اور اب یہ بیت پڑھیے......

ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے
آنکھوں کو چراتے تھے خجالت سے چکارے

(جب قطع ہوئے نخل..........)

یہ تمام اشعار ایک ہی تخلیق کار کے ہیں۔ کسی اور مرثیہ نگار کے بس کی بات کہاں۔

بند نمبر ۳۲ کا یہ مصرع پڑھیے۔

''کٹتے تھے نشاں یا ورق اڑتے تھے علم کے''

اور اب ایک ہی مرثیے کے دو مصرعے دیکھیے۔

جھنجھلائے تو لشکر کے نشاں چھین کے توڑے (دوزخ سے جو آزاد....)
کیا دھجیاں علموں کے پھریروں کی اڑائیں (دوزخ سے جو آزاد....)

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۳۴ دیکھیے۔

گھوڑوں کی وہ چھل بل وہ تڑپ، برق ہوئی گرد تیغوں کے وہ دم خم کہ رخ مہر ہوا زرد
وہ آب کہ تن ناریوں کا جس سے ہوا سرد وہ منہ کہ جنہیں دیکھ کہ تھراتے تھے نامرد
تھمنے کا نہ یارا تھا کسی اہل جفا کو
تاب ان کی دکھا دیتی تھی دریائے فنا کو

اور اب میر انیسؔ کا یہ مطبوعہ بند پڑھیے......

آ کے ان شیروں سے ہوتے تھے جو سرگرم نبرد برق شمشیر سے جل جل کے وہ ہو جاتے تھے سرد

گھوڑوں کی ٹاپوں سے اڑتی تھی بیابان میں گرد   ہر طرف خاک پہ بسمل تھے ہزاروں نامرد
قتل کر ڈالا سواروں کا رسالا دم میں
کردیا پیاسوں نے لشکر تہ و بالا دم میں
(غُل ہے اعدامیں ....)

یہ دونوں بند ایک ہی شاعر کے ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۳۵ دیکھئے، پہلا مصرع ہے......

دو بجلیاں تڑپیں تو قیامت نظر آئی

اور مطبوعہ مرثیے سے یہ مصرع دیکھئے......

دو بجلیاں چمکتی ہیں بھاگے کوئی کہاں

(طے کر چکے حسینؑ ....)

دونوں مصرعے میر انیسؔ کے ہیں، شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

غیر مطبوعہ مرثیے کے بند نمبر ۳۶، ۳۷، ۳۸ پڑھیئے اور حضرت عونؑ و محمدؑ کی لڑائی کے چار بند (جب زلف کو کھولے......) سے بند نمبر ۱۲۸، تا ۱۳۵ پڑھیئے دونوں مرثیوں کی لڑائی ایک ہی شاعر نے نظم کی ہے۔

فوج یزید کی ابتری

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند ۳۸ دیکھئے......

تھے خود کہیں ، جسم کہیں اور کہیں سر   سپریں تھیں کسی جا ، کہیں تیغیں ، کہیں خنجر
چلہ کہیں ، پیکاں کہیں سریاں کہیں بکتر   گھوڑے تھے کہیں زین کہیں اور کہیں پاکھر
نے برچھیاں لشکر میں نہ بھالے نظر آئے
بے جان رسالے کے رسالے نظر آئے

اب مطبوعہ مرثیے کا یہ بند دیکھئے......

زخمی ہوئے جب شیر تو لشکر میں در آئے   آفت ہوئی برپا غضب آیا جدھر آئے

دو نیمچے جب سن سے کسی غول پر آئے　　ہاتھ اڑ کے گئے واں تو ادھر کٹ کے سر آئے

دونوں کے فرس ابر کہیں برق کہیں تھے

دستانے کہیں خود کہیں فرق کہیں تھے

(دوزخ سے جو آزاد.........)

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند ۳۹ دیکھئے......

پھل برچھیوں کے تیغوں سے ہر بار گرائے　　دو چار پرے کاٹے تو دو چار گرائے

غل پڑ گیا لو فوج کے سردار گرائے　　سو سو کے سر ان دونوں نے اک بار گرائے

جب بھاگتی تھیں ڈر کے صفیں اہل ستم کی

تلواریں بتاتی تھیں انہیں راہ عدم کی

مطبوعہ مرثیے کا یہ بند دیکھئے......

وہ نیمچے خالی نہ کبھی جا کے پھر آئے　　اعدا کا لہو خاک پہ برسا کے پھر آئے

گہہ سن سے گئے اور کبھی لہرا کے پھر آئے　　دم لے کے لہو پی کے صفیں کھا کے پھر آئے

مخدوش جو راہیں تھیں وہ شفاف ہوئی ہیں

کیا ہاتھ منجھے ہیں صفیں صاف ہوئی ہیں

(دوزخ سے جو آزاد..........)

''راہ اور صفیں'' دونوں بندوں کے کلیدی لفظ ہیں۔ رنگ و آہنگ میں مطلق فرق نہیں ہے۔

حضرت عونؑ و محمدؑ کے مقابل دو پہلوان آتے ہیں:

میر انیس نے حضرت عون و محمد کے حال میں جتنے مرثیے تصنیف کئے ہیں بیشتر وہ ہیں جن میں ''دو پہلوان'' حضرت عون و محمد کے مقابل آتے ہیں یہ التزام غیر مطبوعہ مرثیے میں بھی ہے

''نکلے پئے شمشیر زنی دو یل خود سر''

یہی صورتحال مطبوعہ مرثیے (رن میں جس دم......) کی ہے اس مرثیے میں بھی ہے......

''پہلوان سامنے دو آ گئے باندھے ہتھیار''

اس دلیل سے بھی یہ مرثیہ میر انیسؔ کا ثابت ہو جاتا ہے۔

حضرت عونؑ و محمدؑ کی جنگ:

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۵۲ دیکھئے

جب تول کے تلوار سے کوئی آتا — چھوٹا اسے شمشیر سے بڑھ بڑھ کے ہٹاتا
چھوٹے کو اگر تان کے نیزہ وہ دکھاتا — تلوار سے اظلم کو بڑا بڑھ کے ڈراتا
اس طرح سے بڑھ بڑھ کے جری لڑتے تھے رن میں
دو بلبلیں گتھ جاتی ہیں جس طرح چمن میں

(زینبؑ نے سنی......) اس مطبوعہ مرثیے کا یہ بند دیکھئے......

نیزے کو جو دونوں پہ کوئی تول کے آتا — گھبرا کے تب اک بھائی کو اک بھائی بچاتا
پاس آ کے جو چھوٹے پہ کوئی تیغ لگاتا — چھاتی کے تلے اس کو بڑا بھائی چھپاتا
لیتے تھے سپر منہ پہ نہ ہٹ جاتے تھے دونوں
تلواروں سے اٹھ اٹھ کے لپٹ جاتے تھے دونوں

غیر مطبوعہ مرثیے کا مصرع......دو بلبلیں گتھ جاتی ہیں جس طرح چمن میں

اور مطبوعہ مرثیے کا مصرع......تلواروں سے اٹھ اٹھ کے لپٹ جاتے تھے دونوں

دونوں مصرعوں میں خصوصی مماثلت ہے، ''دو بلبلیں گتھ جاتی ہیں'' چمن میں یعنی چمن سے، دونوں شہزادے آپس میں نہیں گتھے تھے، بلکہ دونوں تلواروں سے گتھ جاتے تھے، تلواروں سے اٹھ اٹھ کے لپٹ جاتے تھے یعنی گتھ جاتے تھے، عون و محمد تلواروں سے گتھ جاتے تھے اس کی مثال یا تشبیہ بلبل سے کیوں دی گئی ہے، اس بات کو سمجھنے کے لئے بلبل کے متعلق چند کتابیں پڑھنا ضروری ہیں، خصوصاً ''حیات الحیوان''۔ ''حیوانات قرآنی کی افادیت'' اور ''پرندوں کی زندگی'' میر انیسؔ کا مطالعہ کرنے والے یہ کتابیں اپنے مطالعے میں ضرور رکھا کریں۔ ایرانی بلبل اور ہندوستانی بلبل کی عادات واطوار میں فرق ہے، ایرانی بلبل جسے ہزار داستان کہتے ہیں وہ گلاب کے پھول کی عاشق ہوتی ہے لیکن ہندوستانی بلبل کو پھول سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، ہندوستانی

بلبل زیادہ تر جوڑے کی شکل میں باغ میں اڑتے ہوئے آتے ہیں اور لٹکتی ہوئی شاخوں پر پنجوں کے بل گتھ جاتے ہیں اور شاخوں کو نوچ نوچ کر پھینکتے رہتے ہیں، یہ بلبلیں آپ میں نہیں گتھی ہوتی ہیں بلکہ اڑتی ہوئی چمن میں آتی ہیں اور پھولوں کی بیلوں، خوشوں اور شاخوں میں گتھ جاتی ہیں، جب بلبلیں ایسا کرتی ہیں تو ان کے سر کے پر غصے میں کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ ہے میر انیسؔ کے مشاہدے کا عالم اور یہ بات اس مرثیے میں میر انیسؔ نے پہلی مرتبہ نہیں کہی ہے، مطبوعہ مرثیہ دیکھئے......

یوں جاتے تھے میدانِ شہادت میں وہ جرار　　جس طرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار

(جب حر کو ملا.....)

تلواروں کو چمن سے تشبیہ ہے...... "میدانِ شہادت" ......انیسؔ کی نظر میں چمن ہے، گلزار ہے،

؎ بچپن میں جو کھیلے بھی تو تلواروں سے کھیلے

بلبل مونث اور مذکر دونوں ہے:

ید اللہ حیدر صاحب فرماتے ہیں (رثائی ادب)، "بلبل کو میر انیسؔ نے مرثیوں میں مذکر باندھا ہے" "لغت نویسوں کی نظر میں یہ لفظ مونث اور مذکر دونوں طرح باندھا جا سکتا ہے، ناسخؔ اور آتشؔ نے مونث اور مذکر دونوں طرح نظم کیا ہے۔ میر انیسؔ، مرزا دبیرؔ، مونسؔ، انسؔ، نفیسؔ سب نے تذکیر و تانیث دونوں طرح نظم کیا ہے، جہاں حضرت علی اکبرؑ کا ذکر ہے وہاں بلبل تذکیر ہے۔

بلبل چہک رہا تھا ریاض رسولؐ میں

میر انیسؔ کے مرثیوں میں بلبل تانیث کی مثالیں......

تھی بلبلِ خوش نغمہ گلوں کو یہ سناتی　　گلزار محمدؐ پہ خزاں آج ہے آتی

(پھاڑا جو گریباں........)

بلبلیں کرتی ہیں گلشن میں جو ہر دم فریاد　　نکہتِ جسمِ علمدار انہیں آتی ہے یاد

(شور ہے رن میں........)

کہتی ہے یہ بلبل کسے دیکھے گی کہاں ہے　　وہ سرو رواں خاک کے پردے میں نہاں ہے

(جب باغ حسینی..........)

بلبل واحد کسی نہ کسی طرح مذکر باندھا جاسکتا ہے لیکن جمع ''بلبلیں'' ہمیشہ مونث ہی رہے گا مذکر نہیں ہوسکتا......

بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں (انیسؔ)

بلبلیں پھول گرا دیتی تھیں منقاروں سے (مونسؔ)

غیر مطبوعہ مرثیے کا بند نمبر ۷۵ دیکھئے

یہ ذکر تھا آواز جو فضہ کی یہ آئی مر جائے گی رو رو کے یداللہ کی جائی

سرچوب سے ٹکراتی ہیں دیتی ہیں دہائی ''مردوں'' کے اٹھانے کو وہاں کیوں گئے بھائی

لگ جائے کوئی زخم نہ ان کو کہیں لوگو

کیوں لاتے ہیں لاشے مری مرضی نہیں لوگو

پہلے مصرع میں میر انیسؔ نے لفظ ''یہ'' دو مرتبہ استعمال کیا ہے، اس کی مثال مطبوعہ مرثیے میں بھی موجود ہے......

یہ ذکر تھا فضہ جو خبر لے کے یہ آئی (دوزخ سے جو آزاد.....)

اتنے میں خبر آکے جو فضہ نے سنائی (کیا پیش خدا............)

فضہ یہ پکاری کہ دہائی ہے دہائی (جب زلف کو کھولے..)

مزاج الگ الگ ہوتے ہیں، میر انیسؔ نے ہر رنگ کا مصرع کہہ دیا ہے چاروں مصرع بحر ہزج میں ہیں جس کو اپنے مزاج کے مطابق جو مصرع پسند آئے یہاں چسپاں کرسکتا ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا ایک ہی شاعر کا کلام ہے، پڑھتے میں سہولت کا خیال پڑھت والے رکھتے ہیں، اسی لئے تو میر انیسؔ کے مرثیے باعتبار ترتیب الٹ پلٹ ہوگئے ہیں۔

حضرت زینبؑ یہ نہیں چاہتی ہیں کہ امام حسینؑ لاشے اٹھانے کو جائیں، بیت کا یہ مضمون میر انیسؔ کے مطبوعہ مرثیے میں بھی موجود ہے۔

ہنگامہ ہے واں برچھیاں کھانے کو نہ جائیں رن سے بھی وہ لاشوں کے اٹھانے کو نہ جائیں

(زینبؑ نے سنی..........)

میر انیسؔ کے کلام میں لاکھوں الفاظ، محاورات، اصطلاحات، مرکبات، روزمرہ اور بول چال کے ایسے مل جاتے ہیں جو اہل زبان کی گفتگو اور لکھنے پڑھنے میں معاون ہوتے ہیں، میر انیسؔ کی بندشیں، اور الفاظ کے متعدد معنی و مطالب ایسے ہیں جو آج بھی ہماری تحریر اور تقریروں میں غیر ارادی طور پر آجاتے ہیں، میر انیس نے الفاظ کا ایسا سرمایہ دیا ہے جو آج تک ہماری صبح و شام کی زندگی میں استعمال ہوتا ہے۔ میر انیسؔ نے عربی، فارسی، ہندی، پوربی، سنسکرت اور ترکی زبانوں کے الفاظ سے بھی جا بجا کام لیا ہے، تمام محاورات، روزمرہ اور بول چال کے الفاظ ان کے کلام میں اس طرح آجاتے ہیں جیسے یہی لفظ اس موقع و محل کے لئے ضروری تھے میر انیسؔ کے شفاف چشمے کا پانی پینے والا پھر ادھر اُدھر نہیں بھٹکتا، مسئلہ ہے میر انیسؔ کو سمجھنے اور سمجھانے کا......

سچ ہے کہ اس زباں کو کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

میر انیسؔ کے کمال فن کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ وہ کم رتبہ لفظوں کو بھی فصیح اور فصیح تر بنا دیتے ہیں، مُردہ، مُردے، مُردوں معنی کے اعتبار سے بہت بلند لفظ نہیں ہیں لیکن میر انیسؔ نے ان لفظوں کو بھی فصیح رائج بنا دیا اور اب لغت نگار لفظ ''مُردوں'' کو فصیح رائج لکھتا ہے۔

مُردوں کو بھانجوں کے اٹھا لائے گھر میں شاہ (پھولا شفق سے.........)
شانے مُردوں کے ہلا کر یہ سنایا شہہ نے (غل ہے اعدا میں......)
مُردہ ہوئے حیات کا نقشہ بدل گیا
مُردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن (جب نوجواں پسر......)

بولی زینبؑ مجھے وسواس ہے اے بھائی جاں
ہاتھ مُردوں پہ لگاؤ نہ میں تم پر قرباں

(دشت جنگاہ میں........)

لفظ مُردوں میر تقی میرؔ غالبؔ اور اقبالؔ نے تو استعمال کیا ہی ہے جوشؔ ملیح آبادی نے لغت

میرانیسؔ سے یہ لفظ پسند کیا اور اپنے مزاج کے مطابق ایک طویل نظم ''مُردوں کی دھوم'' لکھ ڈالی۔ غیر مطبوعہ مرثیے میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

مُردوں کے اٹھانے کو وہاں کیوں گئے بھائی

سو تم تو یہاں خاک پہ مُردے سے پڑے ہو

اس لفظ کا استعمال بھی بتا رہا ہے کہ یہ مرثیہ میرانیسؔ کا ہے۔ میرانیسؔ کے عہد میں یہ لفظ بہت شدت سے رائج تھا، بالکل لفظ رانڈ کی طرح، لفظ مُردوں رائج ہے رانڈ متروک ہوگیا،

مرثیے کے مصائب:

میرانیسؔ نے حضرت عونؑ و محمدؑ کے مرثیوں میں رقت آمیز مصائب نظم کئے ہیں، اس مرثیے میں بھی انہوں نے بہت ہی قیامت خیز دلگداز مصائب نظم کئے ہیں۔

غیر مطبوعہ مرثیے کا مصرع:

میداں سے برات آئی ہے اے بی بیو جاؤ

مطبوعہ مرثیوں سے مثالیں دیکھئے:۔

کیسے لاشے مرے بچوں کی برات آتی ہے (رن میں جس دم.......)

مہندی بھی لہو کی ہیں لگائے ہوئے آئے رن میں جس دم.........)

مہندی کی یہی شب ہے یہی بیاہ کا دن ہے (زینبؑ نے سنی.........)

حسن و جمالیات سے بیزار انسان ساون کی گھٹاؤں کی جنوں خیزی میں بھی افادی پہلو کو تلاش کرتا رہے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ آدمی کے زمینی رشتوں کی اہمیت کو نہیں سمجھتا بلکہ آدمی کو خلا میں چھوڑ کر اس کی جمالیاتی حس کو دریافت کرنے کی کوشش میں مصروف ہے، کسی شاعر کو اس کے تہذیبی پس منظر سے نکال کر اس کے شہ پارے کو سمجھنا آسان نہیں:۔ میرانیسؔ کے زمین سے بہت گہرے رشتے ہیں۔ انہوں نے دعا مانگی تھی۔

اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر

ہر شاعر اپنے تہذیبی دائرہ کار میں اپنی شاعری کے لئے اپنا لغت خود ترتیب دیتا ہے لیکن اس کی اپنے گھر کی بھی ایک زبان ہوتی ہے اور جب وہ لغت بولتے بولتے اکتا جاتا ہے پھر روز مرہ بولنے لگتا ہے اور اس وقت اگر غیب سے مضامین خیال میں آنا شروع ہوتے ہیں تو اسے پروا نہیں ہوتی کہ کلام میں تعقید اور تنافر پیدا ہو رہا ہے، وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ جو کچھ مجھ پر اترا تھا اس کا ابلاغ ہو گیا یا نہیں، حسن نظر رکھنے والا، جمالیاتی حس رکھنے والا شاعری میں سقم نہیں حسن و جمالیات کو تلاش کرتا ہے۔

بے حسن نظر بزم تماشہ نہ رہے گی
منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی

(فانی بدایونی)

میر انیسؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ ''رثائی ادب'' میں شائع کیا جا رہا ہے۔ مطالعہ کیجئے، میں مرثیہ پڑھنا چاہتا تھا، صدحسین مرثیہ دکھانے کو تیار نہیں تھے ہمیشہ گھپلے کے بیانات دیتے رہے قدرت کی طرف سے ایک انتظام ہوا۔ مرثیہ مجھے مل گیا میں نے پڑھ لیا اور لکھ بھی دیا۔

دل کی لگتی کہوں تو مجھے غیر مطبوعہ مرثیوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے، میر انیسؔ کی چھ جلدیں کیا کم ہیں کہ ان کے غیر مطبوعہ مرثیے کا شور مچایا جائے۔ اس مرثیے کے علاوہ ابھی میرے پاس دس پندرہ مرثیے اور بھی ہیں جو میر انیسؔ کے غیر مطبوعہ مرثیے ثابت ہو رہے ہیں۔ میر انیسؔ کا کوئی شاہکار مرثیہ غیر مطبوعہ رہ گیا ہو یہ ناممکن ہے۔ درجہ دوم کے مرثیے چھاپنے سے کیا فائدہ، میر انیسؔ کی چھ جلدیں دوبارہ تصحیح شدہ چھپ جائیں یہی اب میر انیسؔ پر بڑا کام ہوگا، میں نے چھ جلدوں کی تصحیح قلمی نسخوں سے کی ہے اور جلدوں کو از سر نو ترتیب دے چکا ہوں انشاء اللہ مع فرہنگ کے یہ کام بھی ہو جائے گا...... ہندوستان یا پاکستان میں اس مرثیے کا ایک نسخہ بھی مونسؔ، انسؔ، سلیسؔ، جلیسؔ کے مقطع کے ساتھ مل گیا تو میں اس مرثیے کو میر انیسؔ کے دفتر سے خارج سمجھوں گا۔ ابھی تو یہ میر انیسؔ کا مرثیہ ہے۔

میر انیسؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ

نسخۂ ضمیر اختر نقوی جس میں ۹۹ بند ہیں

دو غازیوں کی جنگ کے میداں میں ہے آمد (۱) دوشیروں کی نیزوں کے نیستاں میں ہے آمد
دو موتیوں کی دشت کے داماں میں ہے آمد دو چاند کے ٹکڑوں کی بیاباں میں ہے آمد
گیسوئے سیہ دوش پہ بل کھائے ہوئے ہیں
دو سروِ رواں جنگ پہ لہرائے ہوئے ہیں

ہے جلوۂ نورِ احدی دشت میں پیدا (۲) کس شان سے آتے ہیں وہ شبیرؑ کے شیدا
زردی ہے سیہ کاروں کے چہرہ پہ ہویدا ظاہر ہے دمِ صبح کا میداں میں سپیدا
غُل اُٹھتا ہے رہ رہ کے یہی فوجِ عدو سے
ہو جائے گی اب دشتِ وغا سُرخ ، لہو سے

ہیں غیظ میں اس وقت سے دونوں یہ دلاور (۳) جس وقت سے مسلم کے دل وجاں ہوئے بے سر
سمجھایا تھا مادر نے خفا ہو کے مکرّر فضہ جو بلانے گئی تھی خیمے کے اندر
کیا روحِ حسنؑ سے مجھے شرمندہ کرو گے
میں دودھ نہ بخشوں گی جو بے وقت مرو گے

ڈیوڑھی پہ انھیں کے لیے یہ روتے ہیں سرور (۴) اب آتے ہیں اب آتے ہیں وہ دونوں دلاور
سنتے ہیں کہ بگڑے ہوئے ہیں دونوں کے تیور جرّار ہیں ، پایا جو نہیں منصبِ جعفر
بے خوں کیے ہم سب کا نہ دم لیں گے وہ دونوں
اس فوج کا آتے ہی علم لیں گے وہ دونوں

یہ غل تھا کہ وارد ہوئے میداں میں وہ ذیجاہ (۵) چہروں میں تجلی تھی کہ پُرنور ہوئی راہ
سب کہتے تھے دونوں ہیں ہژبر صف جنگاہ اسوار ہیں گھوڑوں پہ کہ ہیں چرخ پہ دو ماہ

اک برج کے یہ مہرِ جہانتاب ہیں دونوں
اک بحر کے یہ گوہرِ نایاب ہیں دونوں

کیا ہمت و جرأت ہے، زہے عزم وزہے شاں (۶) سب حیدر کرّار کی آمد کے ہیں ساماں
پیاسے ہیں پہ ان شیروں سے لڑنا نہیں آساں بھر جائے گا لاشوں سے دمِ جنگ یہ میداں

اس طرح سے تولے ہوئے شمشیر کھڑے ہیں
معلوم یہ ہوتا ہے کہ دو شیر کھڑے ہیں

دو سینۂ پرنور ہیں قرآں کی طرح پاک (۷) خود نور ہیں اور جسم میں ہے نور کی پوشاک
اس عمر میں کیا فہم ہے کیا ہمت و ادراک دنیا کو یہ سمجھے ہوئے ہیں ایک کفِ خاک

بوٹا سے ہیں قد، چاند سے رخ، چھوٹے سے سن ہیں
راتیں ابھی آرام کی ہیں کھیل کے دن ہیں

چھوٹے سے عماموں کی سروں پر ہے عجب شاں (۸) تحتُ الحُنکیں باندھے ہیں مرنے کا ہے ساماں
ہیں گل سی قبائیں تو مہِ نو سے گریباں رُخ زلفوں میں، یا چاند ہیں بدلی میں نمایاں

دولھا سے بنے مرنے پہ آمادہ کھڑے ہیں
گو چھوٹی ہیں عمریں پہ ارادے تو بڑے ہیں

قربان اسی حُسن پہ حوروں کے پرے ہیں (۹) ہے پیاس کی شدت جولبِ سرخ ہرے ہیں
کوٹے ہوئے موتی ہیں کہ آنکھوں میں بھرے ہیں رخ ہیں، سبدِ نور پہ یا پھول دھرے ہیں

ڈھالیں تو ہیں کاندھوں پہ زرہ جامہ ہیں بر میں
دو نیمچے چھوٹے سے لگائے ہیں کمر میں

زیبندہ ہے اس عمر میں کیا جنگ کا اسباب (۱۰) چھوٹے سے یہ مغفر ہیں کہ خورشید جہاں تاب
جوشن جو ہیں بے مثل تو ڈھالیں بھی ہیں نایاب ان نیمچوں کو دیکھ کے ہوتا ہے جگر آب

سرعت نہ چکاروں میں نہ یہ جست ہرن میں
گھوڑے ہیں کہ طاؤس خراماں ہیں چمن میں

تعریف میں مصروف تھا سب شام کا لشکر (۱۱) جو فوج سے نکلا عمرِ سعد ستم گر
پہنے ہوئے تھا جسم میں اک خلعتِ پُر زر تھا چتر کے سایہ میں وہ کج بازِ بد اختر

تلواریں لیے فوج اِدھر اور اُدھر تھی
فرزندوں پہ زینب کے ستمگر کی نظر تھی

کہتا تھا یہ مُڑ مُڑ کے لعیں شمر سے ہر دم (۱۲) یہ حُسن خداداد بھی ہوتا ہے بہت کم
ہے چاند سے چہروں پہ عجب نور کا عالم سنتا ہوں کہ حیدر کے نواسے ہیں یہ ضیغم

چھوٹے قد موزوں ہیں بہت سن ابھی کیا ہے
یہ خاک میں مل جائیں تو افسوس کی جا ہے

ہر چند نہیں رحم مرے قلب میں زنہار (۱۳) درد اُٹھتا ہے پر دل میں انہیں دیکھ کے ہر بار
ان سے تو ابھی اٹھ بھی نہیں سکنے کی تلوار جیتے ہی مناسب ہے جو ہو جائیں گرفتار

خود آئیں تو یہ رنج بدل جائے فرح سے
آنکھوں پہ رکھوں میں انہیں ابرو کی طرح سے

بولا عمرِ سعد سے اُس وقت وہ اَظلم (۱۴) یہ سچ ہے کہ ان دونوں کی عمریں ہیں ابھی کم
بچے اسدِ حق کے ہیں یہ فخرِ دو عالم آتے ہیں کہیں بازیِ روباہ میں ضیغم

اک دم میں صفیں فوج کی توڑیں گے یہ دونوں
مرنے پہ بھی تیغوں کو نہ چھوڑیں گے یہ دونوں

کہنے لگے وہ دونوں جری تول کے شمشیر (۲۰) ہم خوب سمجھتے ہیں یہ سب حیلہ و تزویر
کیا بکتا ہے، کیا کہتا ہے، او دشمنِ شبیرؑ والله نہیں سننے کے قابل تری تقریر
دشمن ہے یہ سب مکر ترے جانتے ہیں ہم
او ثانیِ شیطاں تجھے پہچانتے ہیں ہم

پھر کیا، نہ ملا گر علمِ سیّدِ والا (۲۱) مختار ہیں مالک ہیں شہِ یثرب و بطحا
تو کون ہے اے تفرقہ پرداز تجھے کیا! تھا قابلِ عباس ہی واللہ یہ عہدا
صفدر ہیں، بہادر ہیں، نثارِ شہِ دیں ہیں
شبیرؑ کے بازو ہیں، کوئی اور نہیں ہیں

کیا جانے اُسے تُو کہ جو شوکت ہے ہماری (۲۲) ہم خادمِ سرور ہیں یہ حشمت ہے ہماری
عزت انھیں قدموں کی بدولت ہے ہماری نعلین اُٹھاتے ہیں یہ خدمت ہے ہماری
قنبر کی طرح شاہ کے سب گھر پہ فدا ہیں
صدقے ہیں جو اکبر کے تو اصغر پہ فدا ہیں

یہ عالمِ فانی ہے جہانِ گذراں ہے (۲۳) عقبا کی درستی ہے یہی نام و نشاں ہے
عاجز جسے سمجھا ہے، وہ مختارِ جہاں ہے کوثر ہے ترے پاس کہاں، خلد کہاں ہے
سلطاں ہے وہی صاحبِ دیں جس کی طرف ہیں
بتلا تو ہی ظالم کہ نبیؐ کس کی طرف ہیں

حاجی کبھی کعبے سے گئے ہیں طرفِ دیر (۲۴) کرتے ہیں بہشتی کبھی دوزخ کی بھلا سیر
جو شاہ کے فرزند ہیں سمجھا ہے انہیں غیر ترغیب ہمیں دیتا ہے تو شر کی طرف خیر
بلبل سے چمن، شمع سے پروانہ جُدا ہو
اپنا جو ہو وہ صورتِ بیگانہ جُدا ہو

کہہ کر یہ سخن غیظ میں آئے جو وہ گلفام (۲۵) تھرانے لگا خوف سے بے پیر کا اندام
بھاگا جو وہ روباہ تو چلاّئے وہ ضرغام بھاگے کا تعاقب یہ شجاعوں کا نہیں کام

جب لاشوں سے میدان وغا پاٹیں گے ظالم
ہم ڈھونڈ کے پہلے ترا سر کاٹیں گے ظالم

فضہ جو کھڑی دیکھتی تھی پردہ سے باہر (۲۶) جا کر کہا زینب سے کہ اے شاہ کی خواہر
بہکاتا تھا بچوں کو ابھی شمرِ ستم گر فرمانے لگی بنتِ یدُاللہ یہ ہنس کر

اب لاشوں پہ لاشے کوئی ساعت میں گریں گے
لو ! میرے پسر سبطِ پیمبر سے پھریں گے

خود بہکا ہے بہکاتا ہے بچوں کو جو نادان (۲۷) رہبر کے غلاموں کا بہکنا نہیں آسان
کھل جائے گا دم میں یہی گو ہے یہی میدان کمسن ہیں ابھی دونو یہ ہوئے گا اسے دھیان

گو کہنے کو بچے ہیں پہ ہمت میں جواں ہیں
وہ نامِ خدا عقل میں یکتائے جہاں ہیں

گر کوئی کہے لاکھ پہ میں مانتی ہوں کب (۲۸) سُن لیجیو ہوگا وہی جو کہتی تھی زینبؑ
لاتے ہیں کوئی آن میں لاشے شہِ دیں اب بر آتا ہے اب فضلِ خدا سے مرا مطلب

تاثیر مرے دودھ کی دکھلاتے ہیں دونوں
اک دم میں سوئے خلدِ بریں جاتے ہیں دونوں

میری تو خوشی ہے کہ گلے دونو کٹائیں (۲۹) مر جائیں سلامت نہ مرے گھر میں اب آئیں
اکبرؑ کے اور اصغرؑ کے عوض خوں میں نہائیں سب بھائی بھتیجوں کی مرے رد ہوں بلائیں

اس عالمِ فانی میں کوئی مر کے جیا ہے
کیا کہتی ہو، دونوں نے مرا دودھ پیا ہے

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ اُدھر غل ہوا اک بار (۳۰) لو کر دیا ان غازیوں نے فوج کو مسمار
تلواروں میں تھمتے تھے، نہ رُکتے تھے وہ جرّار لشکر پہ چلے جاتے تھے چھیڑے ہوئے رہوار

گو فوج نے اُن دونوں کو حلقہ میں لیا تھا
دو لاکھ کے لشکر کو تہِ تیغ کیا تھا

وہ برق سی تیغیں وہ تڑپتے ہوئے تازی (۳۱) رولے ہوئے لشکر کو بڑھے جاتے تھے غازی
رُوباہوں کی چل سکتی نہ تھی شعبدہ بازی بازو تھے جُدا، کرتا تھا جو دست درازی

جس صف کے قریں نیمچے آ جاتے تھے دونوں
پتھر ہو کہ فولاد ہو، کھا جاتے تھے دونوں

آہو کی طرح برچھوں ہی پھرّاتے تھے گھوڑے (۳۲) سُرعت میں روا روی میں جو گرماتے تھے گھوڑے
اسواروں کو شان اپنی جو دکھلاتے تھے گھوڑے ان سب کے الف ہو کے الٹ جاتے تھے گھوڑے

جنگل میں غزالوں کے طرارے نظر آئے
دو کوہ کے دامن میں چکارے نظر آئے

جب وار چلے، ہل گئے دِل فوج ستم کے (۳۳) دو نیمچے میداں میں غضب برق کے چمکے
قربان میں اِن غازیوں کے جاہ وحشم کے کٹتے تھے نشاں یا ورق اُڑتے تھے علم کے

تلواروں سے بچ کر جو نکل جاتے تھے ناری
رہواروں کی ٹاپوں سے کچل جاتے تھے ناری

گھوڑوں کی وہ چھل بل کہ تڑپ برق ہوئی گرد (۳۴) تیغوں کے وہ دم خم کہ رخِ مہر ہوا زرد
وہ آب کہ تن ناریوں کا جس سے ہوا سرد وہ مُنھ کہ جنھیں دیکھ کے تھرّاتے تھے نامرد

تھمنے کا نہ یارا تھا کسی اہلِ جفا کو
تاب ان کی دکھا دیتی تھی دریائے فنا کو

دو بجلیاں تڑپیں تو قیامت نظر آئی (۳۵) غُل چار طرف تھا عجب آفت نظر آئی
دوزخ کی لعینوں کو مسافت نظر آئی سب کو ملک الموت کی صورت نظر آئی

چمکیں تو مہ و مہر پہ بالا نظر آیا
دو لاکھ کا لشکر تہ و بالا نظر آیا

وہ صرصرِ وحشت یہ جُنوں خیز ہوا تھی (۳۶) وہ بحرِ ظفر تھی تو یہ اک سیلِ فنا تھی
وہ تیغِ خزاں تھی تو یہ شمشیر قضا تھی وہ آفتِ جاں تھی تو یہ اک تازہ بلا تھی

دکھلاتی تھی جیوں تیکھے چلن عشوہ گری کے
غُل تھا کہ ٹپکتا ہے لہو، مُنھ سے پری کے

جل جاتے تھے اعدا یہ غضب تھی لپک اُن کی (۳۷) آئینۂ گردوں سے فزوں تھی چمک اُن کی
نظروں میں جو تیزی تھی چمک اور دمک اُن کی بھولی نہیں بجلی کو بھی یاد آج تک اُن کی

چھپ چھپ کے چمکنے کے کھلے راز انہیں سے
سیکھے ہیں تڑپنے کے سب انداز انھیں سے

تھے خود کہیں، جسم کہیں، اور کہیں سر (۳۸) سپریں تھیں کسی جا، کہیں تیغیں، کہیں خنجر
چلّہ کہیں، پیکاں کہیں، سریاں کہیں بکتر گھوڑے تھے کہیں، زین کہیں، اور کہیں پاکھر

نے برچھیاں لشکر میں نہ بھالے نظر آئے
بے جان رسالے کے رسالے نظر آئے

پھل برچھیوں کے تیغوں نے ہر بار گرائے (۳۹) دو چار پرے کاٹے تو دو چار گرائے
غُل پڑ گیا لو فوج کے سردار گرائے سو سو کے سران دونوں نے اک بار گرائے

جب بھاگتی تھیں ڈر کے صفیں اہل ستم کی
تلواریں بتاتی تھیں انھیں راہ عدم کی

باگیں جو اٹھاتے تھے وہ جرّار برابر (۴۰) چالاکیاں دکھلاتے تھے رہوار برابر
دو بجلیاں گر پڑتی تھیں ہر بار برابر   لاشوں کے چپ و راست تھے انبار برابر
رستہ میں دو رستہ کہیں تن تھا کہیں سر تھا
گِننے میں کوئی فرق ادہر تھا نہ اُدھر تھا

گھوڑے کو دبا کر اِدھر آئے اُدھر آئے (۴۱) نیزے کو ہلا کر اِدھر آئے اُدھر آئے
ہر صف کو بچھا کر اِدھر آئے اُدھر آئے   فوجوں کو بھگا کر اِدھر آئے اُدھر آئے
پھرتی تھی نظر چار طرف آپ کہیں تھے
تلوار جدھر فوج میں چمکی یہ وہیں تھے

خاک اُڑنے لگی بیچ میں جس غول کے آئے (۴۲) اس صف کو بھگایا تو اُسے رول کے آئے
ان چھوٹی سی تیغوں کو جدھر رول کے آئے   نیزے کی ہر اک سخت گرہ کھول کے آئے
غُل تھا کہ یہ حملے یہ لڑائی نہیں دیکھی
اس طرح کسی صف کی صفائی نہیں دیکھی

اُن شیروں کے نعرے تھے قیامت نظر آفت (۴۳) ہنگامہ پس پشت تھا بالائے سر آفت
پیدل پہ تباہی تو کمانداروں پر آفت   گوشہ نہیں ملتا اِدھر آفت اودھر آفت
شہبازِ اجل صید پہ پر تولے ہوئے ہے
تلوار پہ کیا موت بھی منہ کھولے ہوئے ہے

دیکھی جو یہ حالت تو پریشاں ہوا لشکر (۴۴) نکلے پئے شمشیر زنی دو ویل خود سر
دونو تھے جفا پیشہ و شہ زور، دلاور   مرحبؔ سے وہ پر زور یہ عنترؔ سے جری تر
اک غُل تھا کہ دونوں سے بڑے کھیت پڑے ہیں
ہر جنگ میں تنہا یہ ہزاروں سے لڑے ہیں

یہ غل تھا کہ بڑھ بڑھ کے وہ سرکش یہ پکارے (۴۵) ہم وہ ہیں کہ رستم سے نہیں جنگ میں ہارے
کمسن ہو تم اور شہروں میں شہرے ہیں ہمارے گھوڑوں سے اُترتے نہیں بے سر کو اُتارے

ہٹ جاؤ جو مرنا تمہیں منظور نہیں ہے
سر تن سے اُتر جائیں تو کچھ دور نہیں ہے

عباسؑ نے بڑھ کر یہ کہا اے مرے شیرو! (۴۶) اب تم بھی سمندوں کو صفِ جنگ میں پھیرو!
کاوے پہ فرس ڈال کے ان دونوں کو گھیرو! تم شیر کی بیٹی کے ہو فرزند، دلیرو!

ہاں دستِ یداللہ کی طاقت تو دکھاؤ
مردانگی و ہمت و جرأت تو دکھاؤ

یہ سنتے ہی سنبھلے وہ جری خانۂ زیں پر (۴۷) اللہ رے ارادہ کہ نہ چین آئی جبیں پر
صدمہ ہوا طاری جو شہ عرش نشیں پر دل تھام کے بس گر پڑے ہاتھوں سے زمیں پر

کہتے تھے کہ یارب، مرے پیاروں کو بچالے
ان ظالموں سے پیاس کے ماروں کو بچا لے

گھوڑوں کو بڑھا کر یہ رجز پڑھنے لگے شیر (۴۸) ہاں آگے بڑھو جلد، لڑائی میں ہے کیا دیر
ہتوانس لو تیغوں کو جو ہو صاحبِ شمشیر سرکش ہیں سب اس گھر کی زبردستیوں سے زیر

ہے برقِ غضب تیغ شرر بار ہماری
ہشیار کہ اب چلتی ہے تلوار ہماری

جو فاتح خیبر ہے وہ نانا ہے ہمارا (۴۹) جو جان ہے جعفر کی وہ بابا ہے ہمارا
طیار لقب جس کا ہے دادا ہے ہمارا پیاسا ہے جو مظلوم وہ آقا ہے ہمارا

خورشید سے عالم میں ضیا اپنی سوا ہے
نانی وہ ہماری ہے کہ جو خیرِ نسا ہے

سُن کر یہ سخن غیظ میں آئے وہ ستم گر (۵۰) یاں سے بھی بڑھے زینبؑ ذیجاہ کے دلبر
چلنے لگی تلوار کھلے شیروں کے جوہر حملہ پہ تو حملہ ہے تگاور پہ تگاور

بچوں کی جلالت سے کٹے جاتے تھے دونو
بڑھتے تھے یہ صفدر وہ ہٹے جاتے تھے دونو

کرتے تھے جو وہ دونو لعیں وار جھپٹ کر (۵۱) زینبؑ کے پسر دیتے تھے خالی انھیں ہٹ کر
آتے تھے وہ سفاک جو گھوڑوں کو ڈپٹ کر پہنچے جو یہ ہٹ کر تو وہ رہ جاتے تھے کٹ کر

حیدر کی شجاعت انھیں دکھلاتے تھے بچے
رولے ہوئے دونوں کو چلے جاتے تھے بچے

جب تول کے تلوار پرے پر کوئی آتا (۵۲) چھوٹا اُسے شمشیر سے بڑھ بڑھ کے ہٹاتا
چھوٹے کو اگر تان کے نیزہ وہ دکھاتا تلوار سے اظلم کو بڑا بڑھ کے ڈراتا

اس طرح سے بڑھ بڑھ کے جری لڑتے تھے رن میں
دو بلبلیں گتھ جاتی ہیں جس طرح چمن میں

جب آکے قریں کرتے تھے وار اُن پہ وہ اظلم (۵۳) رد کرتے تھے کس ہمت و جرأت سے یہ ضیغم
جا پڑتے تھے تلواروں کو چمکا کے یہ جس دم ہوتے تھے وہ کج باز کبھی راست کبھی خم

دم لینے کی مہلت نہ کبھی دیتے تھے دونو
ضیغم کی طرح ان کو دبا لیتے تھے دونو

گھوڑے کو بڑے بھائی نے کاوے پہ لگا کر (۵۴) گھیرا اُسے آتا تھا جو بڑھ بڑھ کے ستم گر
گھوڑے کو دبا کر جوں ہی پہنچا وہ دلاور چلّایا یہ چھوٹا کہ یہی وقت ہے صفدر

نیزے کی یہ بوڑی تمہیں دکھلانے نہ پائے
ہاں مار لو ظالم کو، لعیں جانے نہ پائے

یہ سُنتے ہی اُس شیر نے جرأت یہ دکھائی (۵۵) تلوار برابر سے جفا جو کو لگائی
اک برق سی دشمن کو چمکتی نظر آئی یاں ساتھ گری نیزے کے بس کٹ کے کلائی
تلوار دوبارہ جو چلی شیر کی سن سے
سر دھڑ سے ,گرا کٹ کے وہیں خاک پہ تن سے

چھوٹے کو اُدھر حال یہ جس دم نظر آیا (۵۶) دوڑا کے سپر سینہ پہ اک ہاتھ لگایا
تھا ہاتھ سپر کا جو لعیں نے وہ اڑایا غازی نے نیا یہ ہنرِ جنگ دکھایا
شمشیر ادھر سے جو لہو چاٹ کے اٹھی
تلوار کے بھی ہاتھ کو بس کاٹ کے اٹھی

کچلا گیا ٹاپوں سے تن اِس کا تو سر اُس کا (۵۷) سینہ جو ملا خاک میں اِس کا جگر اُس کا
گھوڑوں نے دبایا دہن اِس کا تو بر اُس کا دم سینہ سے نکلا اِدھر اِس کا اُدھر اُس کا
آئے تھے وہ مغرور تو کچھ اور ہوا میں
پر غرق ہوئے موجۂ دریائے فنا میں

زینبؑ کے جگر بند قیامت تھے دلاور (۵۸) تھے چار مع اسپ جو دونو وہ ستم گر
کس پھرتی سے تلواروں کو یک دست بڑھا کر دو ٹکڑے کیا گھوڑوں کو دونوں کے برابر
تھی ضرب نئی جنگ کا بھی ڈھنگ نیا تھا
چاروں کو کیا آٹھ ، یہ چو رنگ نیا تھا

ان موذیوں کو دونوں دلیروں نے جو مارا (۵۹) قاسمؑ نے یہ بڑھ کر صفِ لشکر کو پکارا
کیوں کیا ہوا اے لشکرِ شوم و ستم آرا بچوں نے نموداروں کا سر تن سے اتارا
آخر ہے یہ انجام بہت لاف زنی کا
دیکھو کہ نمونہ تھا یہ خیبر شکنی کا

چلاّئے یہ عباسؑ کہ کیا کہنا ہے شیرو (۶۰) بڑھ کر علی اکبرؑ نے کہا واہ دلیرو
حضرت نے کہا خوب لڑے باگوں کو پھیرو چھاتی سے لگو آکے نہ اب فوج کو گھیرو
نانا کی بھی دادا کی بھی تصویر دکھائی
اور دودھ کی زینب کے بھی تاثیر دکھائی

دونوں نے جو گردن پئے تسلیم جھکائی (۶۱) بس ہوگئی واں برچھیوں والوں کی چڑھائی
حائل ہوا لشکر ہوئی دونوں میں جدائی اور شمر نے بھی بڑھ کے یہ آواز سنائی
کھینچے ہوئے شمشیر دو دم آتے ہیں دیکھو
لینے کو تمہیں شاہِ امم آتے ہیں دیکھو

دیکھا جوں ہی خیمہ کی طرف چھوٹے نے مڑکر (۶۲) پہلو پہ لگا خنجرِ کیں فرق پہ خنجر
گھوڑے سے وہ گر کر کے پکارا کہ برادر اب جلد پہنچئے کہ نہ ہو جاؤں میں بے سر
یاں نیزے نے خادم کا جگر توڑ دیا ہے
اور آپ کے بھی ہجر نے بیتاب کیا ہے

لِلّٰہ برادر مجھے آواز سناؤ (۶۳) لو جان چلی جسم سے ، ملنا ہو تو آؤ
میں گرتا ہوں گھوڑے سے، نہ اب دیر لگاؤ ریتی پہ تڑپتا ہے برادر کو اُٹھاؤ
ہے رحم کی جا قابلِ اشفاق ہوں بھائی
بھائی کی قدم بوسی کا مشتاق ہوں بھائی

جھنکار میں تیغوں کی یہ آواز جو آئی (۶۴) سر پیٹ کے چلاّیا وہ ہے ہے مرے بھائی
آواز کی جانب جوں ہی باگ اس نے اٹھائی اک ظالم بے رحم نے تلوار اٹھائی
ہیہات چلے یہ بھی شہادت کے چمن سے
تلوار پڑی قطع ہوا ہاتھ بدن سے

اک دوسرے جلّاد نے نیزہ جو لگایا (۶۵) سینہ میں اُٹھا درد ، تو منھ کو جگر آیا
چلّا کے یہ اس شیر نے حضرت کو سنایا　　ماموں، مجھے بے رحموں نے گھوڑے سے گرایا

زیرِ سُمِ اسپاں سے بچا جایئے مولا
مرتا ہوں میں صورت مجھے دکھلایئے مولا

اتنے میں سُنی بھانجوں کی شہ نے جو گفتار (۶۶) نزدیک یہ تھا روح کرے جسم سے پرواز
دوڑا کے جو گھوڑے کو چلے شاہؑ سرافراز　　عباسؑ علی ساتھ تھے اور اکبرؑ جانباز

دو چار کے سر کٹ گئے دو چار کے پہنچے
مانندِ علیؑ زور سے تلوار کے پہنچے

میداں میں محمد کو لگے ڈھونڈنے اکبرؑ (۶۷) چلّانے لگے عون کو عباسؑ دلاور
اور چاروں طرف تکنے لگے سبطِ پیمبر　　دیکھا جو لہو دونوں کا کہنے لگے سرور

لو جسم سے اب جان مری جاتی ہے عباس
زینبؑ کے مجھے دودھ کی بو ، آتی ہے عباس

یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے سیّدِ اکرم (۶۸) عباسؑ بھی ہمراہ تھے اور اکبرؑ پر غم
روتے ہوئے لاشوں کے قریں سرورِ عالم　　وارد ہوئے اس وقت کہ وہ توڑتے تھے دم

پٹکا شہِ مظلوم نے عمامہ کو سر سے
ریتی پہ گرے کھینچ کے اک آہ جگر سے

دونوں سے لپٹ کر شہِ بیکس یہ پکارے (۶۹) اے بھانجو! ہم آئے ہیں ملنے کو تمہارے
بولا نہیں جاتا ہے اگر پیاس کے مارے　　کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم سے اشارے

تم نزع میں ہو مجھ کو قلق ہوتا ہے پیارو
صدمہ سے کلیجہ مرا شق ہوتا ہے پیارو

اکبر نے لیا ، بر میں محمد کو بصد یاس (۷۰) لپٹا کے گلے عون کو رونے لگے عباسؑ

چلّائے یہ سرور کہ ہوئے جینے سے بے آس   دو پھول بھی رہنے نہ دیے آہ مرے پاس

دو اور یگانہ یہ چھٹے ساتھ سے میرے

افسوس کہ دو لال گئے ہاتھ سے میرے

یہ کہتے تھے حضرت کہ کہا عون نے روکر (۷۱) یا شاہ ہوئے ہم تو نثارِ علی اکبرؑ

حسرت ہے کہ لاشہ بھی پھرے گردِ برادر   چلّایا محمد بھی کہ یا سبطِ پیمبر

خادم پہ ہے مشکل اسے آسان ابھی کیجے

ہمشکلِ نبیؐ پر مجھے قربان ابھی کیجے

امّاں نے یہ فرمایا تھا یا سیّدِ والا (۷۲) مجروح ہو تیغوں سے جو تم دونو سراپا

قربان ہو ماں صدقے مرے لال پہ ہونا   وہ حکم ادا ہو مری بر آئے تمنا

آزردہ وہ گر ہوئیں تو کچھ دور نہیں ہے

بخشیں گی نہ پھر دودھ بھی وہ ہم کو یقیں ہے

بولے شہِ والا کہ یہ کیا کرتے ہو تقریر (۷۳) یہ باتیں ہیں ماموں کے کلیجہ کے لیے تیر

لے چلنے کی خیمہ میں تمہیں کرتے ہیں تدبیر   ممکن ہے کہ اب دودھ نہ بخشیں تمہیں ہمشیر

کیا وجہ خفا ہونے کی خورسند ہوئی ہیں

وہ آج بہت تم سے رضا مند ہوئی ہیں

جو تم ہو ، مجھے ہیں وہی ہمشکلِ پیمبرؐ (۷۴) صدقہ کوئی کرتا ہے کلیجہ کو جگر پر

کس طرح کی باتیں ہیں یہ کیا کہتے ہو دلبر   تم دونوں ہو اصغرؑ کے اور اکبرؑ کے برابر

آنکھوں کی ضیا قوتِ دل لختِ جگر ہو

میں فاطمہؑ کا لال ہوں تم میرے پسر ہو

یہ ذکر تھا آواز جو فضہ کی یہ آئی (۷۵) مر جائے گی رو رو کے یداللہ کی جائی
سر چوب سے ٹکراتی ہیں دیتی ہیں دہائی مُردوں کے اٹھانے کو وہاں کیوں گئے بھائی
لگ جائے کوئی زخم نہ ان کو کہیں لوگو
کیوں لاتے ہیں لاشہ مری مرضی نہیں لوگو

بس سُن چکی میں خوب لڑے مر گئے دونو (۷۶) کیوں روؤں میں جو خون میں وہ بھر گئے دونو
کیوں پیٹوں میں بہتر جو قضا کر گئے دونو پیاسے تھے بہت جانبِ کوثر گئے دونو
سن لیجیو روئے گی نہ چلّائے گی زینب
لاشیں جو یہاں آئیں تو مر جائے گی زینب

سونے دیں جو آرام سے ریتی پہ تو اچھا (۷۷) لاشوں کے قریں جائیں نہ اب سیّدِ والا
تشویش کا موقع ہے نہ وسواس کی ہے جا وہ جان سے دور اب تو ہے اکبرؑ مرا بیٹا
سَو ان سے جو مرجائیں تو پروا مجھے کیا ہے
سب نامِ خدا گھر مرا بچوں سے بھرا ہے

مُردوں کو اگر میں نے نہ دیکھا تو نہ دیکھا (۷۸) جیتے نہیں کچھ جن سے کہ ٹھنڈا ہو کلیجا
دونوں تھے غلامِ پسرِ حضرت زہراؑ سمجھائے کوئی روتے ہیں کیوں سیّدِ والا
خوش ہونے کی جا ہے کہ نہ تکلیف سہیں گے
نانی کے قریں چین سے جنّت میں رہیں گے

عباس سے کہتی ہیں کہ کیا کرتے ہو بھائی (۷۹) بس سن چکی دنیا سے گئے شہ کے فدائی
گھر سے تو اسی دن کے لیے میں انھیں لائی زینب کی کمائی یہ، وہ زہرا کی کمائی
کھو کر شہِ والا کو کہاں پائے گی زینب
مَیلا ہوا رواں بھی تو مر جائے گی زینب

واں غازیوں نے اتنے میں لاشوں کو اٹھایا (۸۰) تھا بر میں محمدؑ کو لیے شاہ کا بیٹا
اور گود میں عباسؑ کی تھا عونؑ کا لاشا ان لاشوں کے آگے تھے شہِ یثرب و بطحا
اس عرصے میں جنت کے مسافر ہوئے دونو
خیمے میں نہ پہنچے تھے کہ آخر ہوئے دونو

تن سرد جو دونوں کے ہوئے رونے لگے شاہ (۸۱) اشک آنکھوں سے ٹپکانے لگے اکبرؑ ذی جاہ
عباسؑ نے کھینچی دلِ پُر درد سے اک آہ فضہ نے جو دیکھا درِ خیمہ سے یہ ناگاہ
چلّائی یہ زینب کہ نظر آتے ہیں شبیر
لو بھانجوں کی لاشوں کو اب لاتے ہیں شبیر

یہ سنتے ہی دوڑی شہِ مظلوم کی خواہر (۸۲) سیدانیاں سب ساتھ چلیں کھولے ہوئے سر
پردہ سے جو ڈیوڑھی کے لگیں دیکھنے باہر کیا دیکھتی ہیں لاشیں لیے آتے ہیں سرور
سارا رُخِ پُر نور تو مٹی سے اٹا ہے
عمامہ نہیں سر پہ گریبان پھٹا ہے

لاشوں کا یہ عالم ہے بھرے خاک میں ہیں رُو (۸۳) کاندھوں پہ لٹکتے ہیں وہ گوندھے ہوئے گیسو
آنکھیں تو کھلی ہیں پہ بھرے اُن میں ہیں آنسو اور منہ پہ کٹے پیچ عماموں کے ہیں یکسو
کچھ قطرۂ خوں سر سے ٹپکتے ہیں زمیں پر
اور خون میں تر پاؤں لٹکتے ہیں زمیں پر

یہ دیکھ کے آنکھوں کو اندھیرا نظر آیا (۸۴) کہنے لگی اے بیبیو یہ کیا نظر آیا
پُر خون میں ان دونوں کا نقشا نظر آیا لو چہروں پہ عماموں کا سہرا نظر آیا
کس شان سے بچے مرے پروان چڑھے ہیں
دولھا سے بنے گھوڑوں پہ ذیشان چڑھے ہیں

میداں سے برات آئی ہے اے بیبیو جاؤ (۸۵) اور مسندیں بھی چھوٹی سی خیمے میں بچھاؤ
دو روز کے جاگوں کو ذرا اُن پہ سلاؤ ہلکان ہیں دولھا کوئی سہرے تو بڑھاؤ
سب شان ہیں دولھا کی بنائے ہوئے آئے
مہندی بھی لہو کی ہیں لگائے ہوئے آئے

تعظیم سے ماموں کی ہوئے تھے جو یہ پیدل (۸۶) گھوڑے بھی اسی واسطے ساتھ آتے ہیں کوتل
غش آگئے ہیں گود میں ہیں اس لیے اک پل بہنیں ہیں کہاں ڈالنے آتی نہیں آنچل
الطاف و کرم بندوں پہ فرماتے ہیں ماموں
لو بھانجوں کو بیاہے ہوئے لاتے ہیں ماموں

سیدانیوں دیکھو تو ذرا شانِ سواری (۸۷) سب شان ہے شادی کی زہے قدرتِ باری
صد شکر کہ اب ٹھنڈی ہوئی گود ہماری پھیرے ہیں جو منھ کھل گیا یہ وجہ ہے ساری
دو پھولوں سے رُخ دھوپ سے کمھلائے ہوئے ہیں
دولھا جو بنے ماں سے یہ شرمائے ہوئے ہیں

یہ ذکر تھا پاس آکے جو حضرت نے پکارا (۸۸) زینب ترے بچوں کو ستم گاروں نے مارا
بولیں کہ انھیں کس لیے گھوڑوں سے اتارا دولھا تھے اذیت نہ ہوئی ان کو گوارا
جو ہووئیں براتی انھیں بٹھلایئے بھائی
دولھا جو ہیں ان دونوں کو لے آیئے بھائی

بانو نے کہا پیٹ کے سر کہتی ہو یہ کیا (۸۹) سر پیٹو، موے لعل، ہوئیں بیکس و تنہا
زینب نے کہا مجھ کو خبر کچھ نہیں اصلا گر مر گئے فرزند تو میں روتی ہوں اچھا
لو میری بصارت میں کمی ہوگئی لوگو
پُرسا دو کہ شادی میں غمی ہوگئی لوگو

سکتے میں یہاں کہتی تھی زینب یہ بحسرت (۹۰) لاشیں جو لیے خیمے میں داخل ہوئے حضرت
چلائی یہ بانو کہ قیامت ہے قیامت زینب کے جگر بندوں نے گو پائی شہادت
روتی تھی نہ کڑھتی تھی نہ چلاتی تھی زینب
ماں جائے کے قدموں پہ جھکی جاتی تھی زینب

تھرا کے جو گرنے لگی حضرتؑ نے اٹھایا (۹۱) عباسؑ نے ان لاشوں کو مسند پہ لٹایا
دیکھا جو نظر بھر کے تو رونا بہت آیا چلائیں کہ پیارو تمھیں دولھا نہ بنایا
فردوس کے حُلّے تمھیں پانا ہو مبارک
دربارِ نبیؐ میں تمھیں جانا ہو مبارک

چپ ہوگئی یہ کہہ کہ یداللہ کی جائی (۹۲) منھ چوم کے سینہ سے ہر اک لاش لگائی
فرمایا کہ اب دودھ بھی بخشا انھیں بھائی صد شکر ٹھکانے لگی زینبؑ کی کمائی
منھ دیکھا جو یہ کہتے ہی شاہِ شہدا کا
کہرام پڑا خیمۂ اقدس میں بُکا کا

پھر بین یہ کرنے لگی زہرا کی وہ پیاری (۹۳) کیا پیچ تھے لپٹے ہوئے ان زلفوں کے واری
تھی دل میں تمنا کہ دلہن لاؤں تمہاری پوشاک بھی شادی کی دھری رہ گئی ساری
اس ماں کو بھی کیوں ساتھ نہ تم لے گئے پیارو
جنگل میں ضعیفہ کو دغا دے گئے پیارو

میں چاند سے ان خوں بھرے رخساروں کے صدقے (۹۴) تیغوں سے کٹیں فرق پہ دستاروں کے صدقے
کیا جنگ کی ان چھوٹی سی تلواروں کے صدقے رہوار بھی زخمی ہیں میں رہواروں کے صدقے
چونکانے سے ہشیار نہیں ہوتے ہو واری
کیا سینہ پہ ہاتھوں کو دھرے سوتے ہو واری

کٹوا دیئے میدان میں سَر عونؑ و محمدؑ (۹۵) اماں کے تو لو دل کی خبر عونؑ و محمدؑ
بابا کے پُر ارمان پسرِ عونؑ و محمدؑ جیتے ہوئے تم پہنچے نہ گھر عونؑ و محمدؑ
پھل تیروں کے کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے
کیا گھاؤ کلیجوں کے سنبھلنے نہیں دیتے

ماموں کی کمک کرنے کو جاتے نہیں پیارو (۹۶) رخصت کے لیے ماں سے پھر آتے نہیں پیارو
پھر تیغوں کو ہاتھوں میں اٹھاتے نہیں پیارو پھر شان سے نیزوں کو ہلاتے نہیں پیارو
گلبرگ سے کیوں لب یہ نہیں کھولتے بیٹا
کچھ روٹھے ہو منھ سے جو نہیں بولتے بیٹا

ہے ہے مری گودی کے پلے عونؑ و محمدؑ (۹۷) ملتے نہیں اب ماں سے گلے عونؑ و محمدؑ
تم آگئے تیغوں کے تلے عونؑ و محمدؑ جنگل میں ہمیں چھوڑ چلے عونؑ و محمدؑ
جیتے ہو، کہ جنت کو سفر کر گئے پیارو
لو سانس بھی لیتے نہیں، کیا مر گئے پیارو

زردی ہے یہ چہرے پہ کہ مُرجھائے ہیں رخسار (۹۸) ہے نرم بدن، موت کے ظاہر نہیں آثار
صورت سے ہے ظاہر کہ ہنسے دیتے ہیں دلدار جنبش جو نہیں تن میں، یہ ہے کچھ نہ کچھ اسرار
میں سمجھی تھی سوتے ہو تھکے خوب لڑے ہو
سو تم تو یہاں خاک پہ مُردے سے پڑے ہو

خاموش انیسؔ اب کہ ہوا بزم میں کہرام (۹۹) ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کر سحر و شام
صدقہ شہِ ذی جاہ کا اے خالقِ علاّم دنیا سے اُٹھوں جب تو مرا نیک ہو انجام
برباد نہ ہو خاک کسی اور زمیں پر
دم نکلے جو تن سے تو مزارِ شہِ دیں پر

نوادراتِ مرثیہ نگاری

جلد سوم ۳

۱۔ میر انیس کا غیر مطبوعہ کلام

۲۔ زکی بلگرامی کے غیر مطبوعہ مرثیے

۳۔ علی میاں کامل کے غیر مطبوعہ مرثیے، سلام اور غزلیں

۴۔ اُمید لکھنوی کے حالاتِ زندگی اور غیر مطبوعہ مرثیہ

۵۔ ذاکر حسین یاس لکھنوی کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ

۶۔ صغیر الہ آبادی کے حالاتِ زندگی اور غیر مطبوعہ مرثیہ

۷۔ بیاضِ عادل برہان پوری کا تعارف اور غیر مطبوعہ مرثیے

۸۔ گیارہویں صدی کے شاعر چراغ کی مثنوی ''روضۂ اقدس''

۹۔ نوازش علی شیدا دکنی کی دہ مجلس ''روضۃ الاطہار''

۱۰۔ لالہ فتح چند شائق کا غیر مطبوعہ مرثیہ

۱۱۔ شیخ مہدی علی زکی کا غیر مطبوعہ مرثیہ

۱۲۔ قاسم لکھنوی کے غیر مطبوعہ مرثیے

ڈاکٹر پروفیسر شارب ردولوی کے ساتھ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی